تذکرہ

حضرت فخرِ جہاں دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

میاں اخلاق احمد، ایم۔ اے

تذکرہ

حضرت

فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ دہلوی

میاں اخلاق احمد ایم۔ اے

نام کتاب ——— تذکرہ حضرت فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف ——— میاں اخلاق احمد ایم اے

اشاعت اول ——— ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء

تعداد ——— ۵۰۰

ناشر ——— میاں اخلاق احمد اکیڈمی

۳۳۳ شاد باغ لاہور

مطبع ——— فہد عمران پرنٹرز موری گیٹ لاہور

قیمت ———

ملنے کا پتہ

۱۔ میاں اخلاق احمد اکیڈمی ۳۳۳ شاد باغ لاہور

۲۔ سائیں نذیر حسین فریدی جامعہ چشتیہ فریدیہ نور شاہ روڈ

گیمبر اوکاڑہ چھاؤنی

اِنتساب

حضرت صاحبزادہ الحاج میاں **محمود احمد خاں** چشتی نظامی فخری
مُدظلہٗ نبیرہ و سجادہ نشین فریدالعصر حضرت شاہ خواجہ میاں **علی محمد خاں**
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین بستی شریف (ہوشیارپور) محوِ خوابِ ابدی
درآستانہ عالیہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت بابا **فریدالدین مسعود گنجِ شکر**
رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے نام معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

خاکِ راہِ دردمنداں

میاں اخلاق احمد

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

مضمون

مضمون	صفحہ نمبر

پیش لفظ

تذکرۂ فخرِ جہاں دہلویؒ

میاں اخلاق احمد صاحب مرحوم محبانِ اولیاء اللہ میں سے تھے، میرے حال پر بھی نظرِ عنایت رکھتے تھے، کبھی کبھی خط لکھ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ میری بدقسمتی ہے کہ کبھی اُن سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا اور ۱۹۸۹ء میں جب میرا لاہور جانا ہوا تو اُن کے مزار پر ہی حاضری ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور اپنی اُن رحمتوں سے سرشار کرے جو اولیاء اللہ کے لیے مخصوص ہیں۔

میاں صاحب نے حضرت شاہ فخر الدین نظامی محب النبی دہلویؒ [وصال: ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ مطابق ۷ مئی ۱۷۸۵ء روز شنبہ][1] کے مفصل حالات و مناقب لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا، اور اسے دس ابواب میں تقسیم کیا تھا، کتاب کے علمی اور تحقیقی مرتبہ کا اندازہ تو اس سے ہوگا کہ تقریباً ۷۲ کتب مطبوعہ و قلمی سے استفادہ کیا گیا۔ اولیاء اللہ کے حالات و ملفوظات لکھنے کے لیے صرف مورخ اور محقق ہونا کافی نہیں ہے، یہاں اصل کار "ورائے شاعری چیزے دگر ہست" اور وہ کیفیت نسبت باطنی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ الحمدللہ کہ یہ نعمت مصنف مرحوم کو میسر تھی اس نے کتاب میں جو کیف و رنگ بھرا ہے وہ لفظ و بیان سے ماورا ہے۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۱ کا بیان ہے کہ "وقت وصال آں حضرت آخر شب از تاریخ مذکور است" مگر واردات فخریہ کے دیباچے میں سید بدیع الدین نے لکھا ہے: "روز شنبہ یکم (کذا) پاس روز برآمدہ" [ورق ۴- الف]

اس کتاب میں حضرت فخر جہاں علیہ الرحمۃ کے خاندان ، آپ کی تعلیم و تربیت بیعت و خلافت ، مدارج سلوک کی سیر اور روحانی فیوض کے لیے سیاحت کے علاوہ آپ کا علمی مرتبہ ، تصانیف ، خصوصیات سلسلہ ، نظام خانقاہ ، نیز معاصرین علماء و صوفیاء کا بھی تذکرہ شامل ہے۔

حضرت فخر جہاں کے اسلاف کرام میں حضرت شیخ شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کا حال بھی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ علاوہ بریں حضرت کے خلفاء و مجازین و اخلاف سلسلہ میں حضرت حاجی لعل محمد چشتیؒ، مرزا بخش اللہ ولی بیگؒ، شاہ محب اللہ دہلوی، خواجہ میاں محمد شاہ ہوشیارپوریؒ، میاں علی محمد چشتی بسی شریف کے تراجم بھی تفصیل سے درج کئے ہیں۔

اس طرح حضرت فخر جہاں کی حیات طیبہ اپنے پورے سیاق و سباق میں ہمارے سامنے آتی ہے اور مصنف مرحوم نے حتی الوسع کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے مجھے امید ہے کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ سے وابستہ حضرات اس کتاب کو قدر دانی کے ہاتھوں سے لیں گے اور میاں اخلاق احمد مرحوم کے لیے رحمت و رضوان کی دعا کریں گے۔ ان شاء اللہ یہ اُن کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہوگی۔

مصنف کے ساتھ ہی دو اور شخصیتیں بھی ہماری تعریف و تحسین اور احسان مندی کا حق رکھتی ہیں۔ یعنی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ادام اللہ فیوضہ اور محب گرامی سائیں نذیر فریدی صاحب جنہوں نے اس کتاب کو مصنف مرحوم سے لکھوایا اور اُن کے سفر آخرت کے بعد اس کی اشاعت کا بندوبست کیا۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔

یہ نامہ سیاہ اس لائق نہیں ہے کہ ایسی پاکیزہ شخصیت پر ایک اہل دل کی لکھی ہوئی کتاب کے بارے میں اپنے شکستہ بستہ خیالات لکھ کر مخل ہو

ٹاٹ کا پیوند لگاتے۔ مگر میرے مخدوم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے
اشارہ فرمایا اور عزیز گرامی سائیں نذیر فریدی نے بہت محبت کے ساتھ اصرار کیا
تعمیل حکم اور تالیف قلب کے لیے یہ چند سطریں لکھ دی گئیں۔

○

حضرت مولانا فخر جہاںؒ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد ہیں۔ اُن کی ذات
بابرکات سے اس سلسلے کو نئی زندگی اور تب و تاب نصیب ہوئی۔ عوام الناس پر
جتنا اثر حضرت فخر جہاں کا تھا اتنا اس دور میں کسی اور درویش کا نظر نہیں آتا
انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ تبلیغ و ارشاد کے لیے مادری و علاقائی زبان کی کیا
اہمیت ہے چنانچہ اس زمانے میں جب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فارسی
ترجمہ قرآن سے بھی متقشف علماء کا ایک طبقہ خوش نہ تھا، مولانا فخر جہاںؒ نے
خطبہ جمعہ کے بارے میں فرمایا:

"خطبے کا فرض ہونا وعظ کے لحاظ سے ہے مگر چونکہ وہ
عربی زبان میں ہوتا ہے اور عام لوگ اس سے واقف نہیں اس لیے
ہندی زبان (اردو) میں اس کا ترجمہ بہتر ہے۔"

[فخر الطالبین اردو ترجمہ ص ۵۷ طبع کراچی ۱۹۶۱ء]

آپ کے مشرب کی وسعت ایسی تھی کہ غیر مسلم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر
کسب فیض کرتے تھے اور بعض شیعہ بھی آپ سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے۔
قلعہ معلیٰ میں بھی چشتی نسبت کا گذر مولانا فخر جہاںؒ کے قدوم مبارک
سے ہوا۔ آپ کے دہلی تشریف لانے سے پہلے قلعہ میں نقشبندی سلسلہ کا اثر تھا،
سماع بھی نہیں ہوتا تھا۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ بھی اپنے مخصوص
یارانِ سلسلہ کے ساتھ خانقاہ میں بند ہو کر سماع سنتے تھے:

دران آوان والی دہلی مع اعیان سلطنت	اس زمانے میں بادشاہ دہلی اور امرائے
بر طریقۂ نقشبندیہ بودند، از سماع بسیار	سلطنت نقشبندیہ طریقہ پر تھے اور سماع

نفرت می داشتند. قاعدۂ مجلس حضرت شیخ این چنین بود کہ بجز اہلِ طریقۂ خود، دیگر کسے را شریک نمودے. علاوہ این کہ بوّاب از آیندگان مجلس استفسار کردندے کہ بیعت از کدام سلسلہ است؟ اگر جواب دہد کہ من از سلسلہ چشتیہ ہستم باو گفتے کہ درود شریف چشتیہ بخوان۔ اگر او درود خواندے باز ازو پرسیدے کہ سلوک چقدر طے شدہ اگر بوّاب را مبتدی خام معلوم می شد اندرون مجلس اجازت رفتن ندادے، گفتے کہ تو ہنوز اہلِ این کار نشدی۔

سے بہت نفرت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ (کلیم اللہ) کی مجلس کا قاعدہ یہ تھا کہ اُپنے اہلِ طریقہ کے سوا کسی کو (سماع میں) شریک نہ کرتے تھے اس کے علاوہ یہ کہ دربان مجلس میں آنے والوں سے پوچھتے تھے کہ تمہیں کس سلسلے میں بیعت ہے؟ اگر آنے والا کہے کہ میں سلسلہ چشتیہ میں ہوں تو اس سے کہتے تھے کہ درود چشتیہ پڑھو۔ اگر وہ درود پڑھ دیتا تو اب سے پوچھتے کہ تم نے سلوک کتنا طے کیا ہے؟ اگر دربان کو وہ مبتدی اور خام معلوم ہوتا تو اُسے مجلس کے اندر جانے کی اجازت نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ابھی تم اس کام (سماع) کے لائق نہیں ہوئے ہو۔

[رسالہ در احوال خاندان فخریہ۔ ناقص۔ ورق ۲۶۔ الف، مملوکہ راقم الحروف]

یہ حضرت فخر جہاںؒ کی بدولت ہوا کہ چشتی خانقاہوں میں نئی رونق پیدا ہوگئی۔ یہ زمانہ تبلیغ و ارشاد کے لیے بھی بہت سازگار تھا، اگر کمپنی بہادر نے رخنہ اندازی نہ کی ہوتی تو اس دور میں اتنے لوگ مشرف باسلام ہوتے جتنے پچھلی کئی صدیوں میں نہ ہوئے تھے۔

(۳)

حضرت فخر جہاںؒ نے ایک ذاتی بیاض میں اُپنے بعض مکشوفات و واردات

سرسری طور پر قلمبند فرمائے تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے حضرت غلام قطب الدین[1] [وفات ١٨ محرم ١٢٣٣ھ/ ٢٨ ستمبر ١٨١٧ء بروز جمعہ] سے وہ بیاض سید شاہ بدیع الدین [تکملہ سیرالاولیاء ص ١٢٠] کو مستعار ملی تھی جسے انہوں نے نقل کر لیا تھا۔ یہ بیاض خود حضرت فخر جہاںؒ کے قلم سے تھی اور اسے انھوں نے مستور و مخفی رکھا تھا۔ یادداشتیں بھی کبھی عربی میں، کبھی فارسی میں کبھی مخلوط زبان میں لکھی ہیں اور کئی مواقع پر عبارت بھی غیر مربوط ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عجلت میں جو کچھ خیال مبارک میں آیا وہ بطور خود قلمبند کر لیا۔ یہاں پہلی بار اس متبرک بیاض سے چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں آغاز بیاض میں شاہ بدیع الدینؒ نے حضرت فخر جہاں کے چند قطعات تاریخ وفات بھی درج کیے ہیں۔

قطعہ

آہ شاہ کہ بود فخر دین متین	بگذشت وگذاشت سینہ ہائے غمگین
تاریخ وفات او رخرد گفت ہمیں	اللہ اللہ مولوی فخر الدین ١١٩٩ھ

قطعہ دیگر

زہے مطلوب سلطان المشائخ	زہے منظور خاص کبریائی
باسم خاص فخر الدین محمد	رساندہ فیض از مہ تا بماہی
سفر فرمود چون از دار فانی	جناب قدس آن عالم پناہی
ندا آمد زہر خیل ملائک	خوش اے مقبول محبوب الٰہی (١١٩٩ھ)

[1] حضرت فخر جہاں کا نکاح اورنگ آباد میں ہوا تھا اور آپ کے ایک ہی فرزند غلام قطب الدینؒ تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے وصال کے وقت ان کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ انہوں نے مہاراں شریف جاکر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے تکمیل سلوک کی اسی لیے حضرت فخر جہاںؒ کے بیشتر تبرکات اور ایک ہم عصر قلمی تصویر مہاراں شریف میں آج تک محفوظ ہے۔ مجھے ان سب تبرکات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ الحمدللہ علی ذالک۔ حضرت خواجہ غلام قطب الدین کی تاریخ وفات حتمی طور پر معلوم نہیں ہے۔

۱۔ اب چند واردات و مکشوفات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) رأیت فی المنام حضرت پاک پٹن فی حجرۃ ان مکانا لطیفا وحلبیفیہ حضرت سلطان المشائخ اُتید فی اللہ تعالیٰ بلطفہ الخفی والجلی دامنا تحصیل الملازمۃ (کذا) وافعل القدمبوس۔

ومی اندازم سر خود را در ہر دو زانوے آں اعتماد دنیا و دین، وصاحب قبلہ بسیار خوش اندواز زبان کرامت ترجمان ارشاد کردند کہ "حضرت مخدوم صاحب کے پاس سے آئے ہیں"، دریں ضمن حضرت سلطان صاحب قبلہ یک روپیہ از جیب مبارک گرفتہ عنایت می فرمایند۔ غلام عرض کرد کہ حضرت صاحب استادہ عرض می نمایند کہ (؟) "حضرت سے بہت کچھ لینا ہے، لاکھوں لینا، دین لینا، دنیا لینا؟"

دریں ضمن آدم غلام دو روپیہ برائے نذر آوردہ بایں غلام داد، ایں غلام در دست گرفتہ نذر گذرانید از راہ فضل قبول فرمودند۔ اتفاقاً دران

مَیں نے پاک پٹن کے ایک حجرے میں خواب میں دیکھا کہ ایک بہت لطیف جگہ ہے جہاں حضرت سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین اولیاؒ) اور اُن کے الطاف ظاہری و باطنی سے مجھے تقویت پہنچائیے، تشریف فرما ہیں اور میں نے ملازمت میں حاضر ہوکر قدمبوسی کی ہے اور اپنا سر۔ دین و دُنیا کے اُس سہارے کے دونوں زانوں میں رکھ دیا ہے صاحب قبلہ بہت خوش ہیں اور اپنی زبان کرامت ترجمان سے ارشاد فرماتے ہیں: "حضرت مخدوم صاحب کے پاس سے آتے ہیں۔" اس حالت میں حضرت سلطان جی نے اپنی جیب سے نکال کر ایک روپیہ عنایت فرمایا ہے۔ غلام نے عرض کیا کہ حضرت سے بہت کچھ لینا ہے، لاکھوں لینا، دین لینا، دنیا لینا۔

اسی میں غلام کا آدمی دو روپیہ نذر کے لیے لایا اور اس غلام کو دیئے۔ غلام نے ہاتھوں پر رکھ کر نذر گذرانی، از راہ فضل قبول فرمائی۔ اتفاقاً

دراں دو روپیہ یک روپیہ بسیار
کلاں ، یک موافق رسم گرد و خورد ،
حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اطفال
کہ نشستہ بودند بآں لطف فرمودند
کہ روپیہ کلاں خواہد گرفت یا روپیہ
خُرد و گرد ، و مزاح اطفال می فرمودند ،
دریں ضمن غلام یک حلہ از نظر گذرانید
قبول افتاد د میل نقرہ گذرانید
فرمودند کہ خیر نقرہ است ، غلام
میل جستی گذرانید فرمودند کہ نزد
ماہم ہست . دریں ضمن غلام یک
رکابی پُر از شیرینی و یک نان
خمیری نظر عالی گذرانید فاتحہ
عنایت کردند . باز غلام یک مصلّیٰ
می گذرانید و پارچہ ہائے بسیار
نزدیک غلام بودند ، دریں میان
بیدار شدم . روے خود بالائے
کوئے بردم و آداب سجدہ بجناب
حضرت مخدوم شکر بار ایدنی اللہ
بلطفہ الخفی والجلی بجا آوردم . الحمد للہ
والمنۃ فی تاریخ لیلۃ الرابع من صفر
ختم اللہ بالخیر والظفر

[ورق ۶ ب]

ان دو روپوں میں ایک روپیہ بہت بڑا
اور دوسرا رواج کے مطابق گول اور چھوٹا
تھا حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
بچوں سے جو بیٹھے ہوئے تھے ازراہ لطف
فرمایا کہ بڑا روپیہ لوگے یا گول چھوٹا
والا ؟ بچوں سے ہنسی مذاق کرنے لگے
اسی میں غلام نے ایک لباس پیش کیا
قبول فرمایا ۔ پھر چاندی کی ایک سلائی
پیش کی ، فرمایا : نہیں یہ چاندی ہے ۔
غلام نے جست کی سلائی پیش کی تو
فرمایا یہ تو ہمارے پاس بھی ہے ۔
اسی میں غلام نے ایک رکابی مٹھائی سے
بھری اور ایک خمیری روٹی نذر کی ۔ آپ نے
فاتحہ عنایت کی ۔ پھر غلام نے ایک
مصلّیٰ نذر کیا ، غلام کے پاس بہت سے
کپڑے تھے ۔ اسی درمیان میں آنکھ کھل
گئی ۔ میں نے اوپر گلی کا رُخ کیا اور
حضرت مخدوم شکر بار (بابا فریدؒ)
اللہ تعالیٰ ان کے خفی و جلی الطاف
سے قوت نصیب کرے ۔ کی بارگاہ میں
سجدہ ادب بجا لایا ۔ الحمد للہ والمنۃ ۔
اور یہ ۴ صفر کی شب میں ہوا ۔

(۴) حضرت شیخ خود را رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قدمبوس حاصل نمودم، بسیار مہربانند
وکلمات شفقت آمیز فرمودند و مرا
از دیدن شفقت آن جناب عالی
بسیار مسرت و شفقت بدست
آوردہ و من کیفیت معاملات خود می
گویم کہ حضرت خواجہ این کرم فرمودند
ومی فرمانید کہ من ہم برائے ہمیں می
گویم کہ حالا این ذکر را بکنید لعرض می
رسانم کہ ارشاد شود چنانچہ صاحب
قبلہ چار زانو نشستند از دیدن جلسۂ
مبارک این غلام نشست و رگ کیماس
را خواست کہ بگیرد صاحب قبلہ فرمودند
کہ درین ذکر گرفتن کیماس لازم نیست
مربع نشستن است لفظ اللہ را
جانب چپ ضرب دادند و سہ ضرب
جانب راست دادند باز این غلام
موافق ارشاد ادا نمود، باز فرمودند کہ
ضرب بایں قسم باید داد چنانچہ
از ضرب صاحب قبلہ ایدہ فی اللہ
بلطفہ الخفی والجلی تا آں تحریر نقش
خاطر است . و یک کتاب اغلب
است کہ نظام القلوب است می

میں نے اُپنے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ بہت
مہربان ہیں اور شفقت آمیز کلمات فرما
رہے ہیں، مجھے جناب عالی کی شفقت
دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے اور میں
اُپنے معاملات کی کیفیت بیان کر رہا
ہوں، حضرت خواجہ کرم کرکے فرماتے
ہیں کہ میں بھی تو اسی لیے کہتا ہوں کہ
اُب تم یہ ذکر کرو۔ میں نے عرض کیا کہ
ارشاد فرمائیں۔ چنانچہ صاحب قبلہ
چار زانو بیٹھ گئے ہیں اور آپ کی
نشست دیکھ کر یہ غلام بھی اسی طرح
بیٹھ گیا اور رگ کیماس کو پکڑنا چاہا تو
صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اس ذکر میں
کیماس کو پکڑنا ضروری نہیں ہے، بس
چار زانو بیٹھنا ہے۔ اللہ کے لفظ کو
بائیں جانب سے اٹھایا اور داہنی جانب
تین ضربیں لگائیں۔ پھر اس غلام نے ارشاد
کے مطابق ادا کیا۔ پھر فرمایا کہ ضرب اس
طرح لگانی چاہیئے۔ چنانچہ صاحب قبلہ
کی ضرب کا انداز اس تحریر کے وقت
تک دل پہ نقش ہے۔ اور ایک
کتاب جو غالباً نظام القلوب ہے اس

فرمانید کہ درین ہست لیکن بہ نہجے
دیگر است شما این را بکنید بسیار
فائدہ خواہد بخشید الحمد للہ والمنۃ
[رسالہ واردات فخریہ قلمی ورق ۷-۸]

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں
ہے، مگر دوسری طرح سے۔ تم یہ کرو
اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ الحمد للہ والمنۃ

(۴) فی پاک پتن رأیت فی المنام
فی لیل الرابع من ربیع الاوّل
أن أجئ وقال رجلٌ: اخلع
نعلیك، فیقول القائل خلعت
نعلیك واعطیت النعلین للرجل
القائل للمحافظۃ ورأیت مسجد
حریق المحبۃ کان قائمًا مقامًا
اصلیا وجمیع المکان قائمًا
بالمکان الاصلی الا أن حوضًا
کبیرًا مواجھۃ الباب الجنۃ
للحریق المحبۃ والناس یتوضأون
ویذھبون قریب باب الجنۃ
وکثیر من الرجال یصلّون
الی باب الجنۃ یان یسجدون
لی باب فتح ومن باب الجنۃ
ینظر ما فی الگنبد الشریف فی
وسط الگنبد الشریف والرجال
یصلّون ویسجدون ویطلبون
الکاتب بأن یصلی ویسجدہ

۴۔ ربیع الاوّل کی شب میں پاک پتن
میں خواب دیکھا کہ میں آیا ہوں اور
کوئی کہتا ہے اپنی جوتی اتار دو
دوسرا کہتا ہے کہ جوتی اتار دی ہے
اور حفاظت کے لئے کہنے والے شخص
کو دے دی ہیں۔ پھر میں نے حریق
المحبت (بابا صاحبؒ) کی مسجد کو دیکھا
وہ اپنی جگہ پر ہے، سب عمارتیں
اپنی اصلی جگہ پر ہیں مگر ایک بہت
بہت بڑا حوض جنتی دروازے کے
مقابلے میں ہے اور لوگ اس میں وضو
کر کے جنتی دروازے کے قریب
جاتے ہیں، بہت سے لوگ جنتی
دروازے کے قریب نماز پڑھ رہے
ہیں ۔۔۔۔ (؟)

اور جنتی دروازے سے گنبد شریف
کے اندر کا منظر نظر آرہا ہے، لوگ
نماز پڑھ رہے ہیں، سجدہ کر رہے
ہیں اور راقم الحروف سے بھی کہہ

أنا أتوضاء على الحوض الذى
الذى رأى بالمواجهة وأنا أتوضاء
على الحوض فعلت الوضوء تماماً
و أقصد للذهاب الى الجماعة
يصلون ويسجدون الى الگنبد
الشريف بان يقرؤن الرجال
فى حالة السجدة وجهاً للقطب و
المسجد قائم مقامه فحصل
اليقظة......

[ورق ۹-۱۰]

رہے ہیں کہ نماز پڑھے اور سجدہ
کرے میں نے حوض پر وضو کیا اور
جماعت کے لئے ادھر جانے کا ارادہ
کیا جہاں گنبد شریف کی طرف لوگ
نماز پڑھ رہے ہیں تو دیکھا کہ لوگ
حالت سجدہ میں قطب کی جانب رو
کرکے کچھ پڑھ رہے ہیں اور مسجد
اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اسی میں آنکھ
کھل گئی۔

(۴) روز رخصت شخصے مجذوبے نزدیک
دروازہ بہشتی روبرو حضرت حریق
المحبة دیدہ گفت کہ " حکم ہوا ہے کہ
سہ نفل یک دوگانہ نذر اللہ، و دوم
نذر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم، سوم نذر ملائک. لیکن بطریق
شغل پاس انفاس گفت "

(ورق ۱۰)

ایک دن ایک مجذوب شخص بہشتی
دروازے کے سامنے ملا اور کہنے لگا
، حکم ہوا ہے کہ تین نفل ایک دوگانہ
نذر اللہ، دوسرا نذر محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تیسرا نذر ملائک
لیکن شغل پاس انفاس کے
طریق پر کہا۔

(۵) یک بار سہ روز قبل از رخصت
پیش از نماز صبح در مواجہ حضرت
مخدوم شکر بار ایدنی اللہ بلطفہ الخفی
والجلی نشستہ بودم، یکبارگی می بینم
کہ گویا محفل قائم است وتقسیم خرما

ایک بار رخصت ہونے سے تین دن
پہلے صبح کی نماز سے قبل حضرت مخدوم شکر
(بابا صاحبؒ) اللہ ان کے خفی وجلی
الطاف سے میری تقویت فرمائے کہ مواجہ
میں بیٹھا ہوں، اچانک دیکھتا ہوں کہ محفل

می شود چنانچہ خادمے یک خرما یا
پنج اغلب است کہ پنج خواہد بود
بدست من داد من خود را دران جاکہ
نشستہ بودم نیافتم بلکہ نزدیک صاحب
قبلہ یافتم، درین ضمن بیدار شدم ہمانجا
خود را یافتم دیدم کہ تکبیر نماز صبح شد
الحمد للہ والمنۃ ۔ در نماز شامل شدم
بعد ازاں روز منتظر خرما بودم حالانکہ
تبرک رسم دستار و سلاری می بشود
وقتے کہ اول رخصت از صاحب سجادہ
شدہ بودم و دستارے و سلاری عنایت
کردہ بودند بعد ازاں توقف بمیان
آمد کہ صاحبزادہ عالی قدر طرفے
تشریف فرمودہ بودند دریں ضمن پانزدہ
یا شانزدہ روز راہ رفتن موقوف
شد، چون باز آمدند ہرگاہ ایں غلام
کہ برائے ملاقات رفت فقرا ے
جلالی ورود کردند و نذر صاحبزادہ
خرما آوردند آن صاحبزادہ عالی قدر
حوالہ خادمے کردند چنانچہ غلام
کاتب الحروف ازاں خادم یک خرما
طلب کرد، بمجرد استماع صاحب
سجادہ عالی قدر تمام خرما بما عنایت

قائم ہے اور چھوارے بٹ رہے ہیں
چنانچہ ایک خادم نے ایک چھوہارا یا
پانچ غالباً پانچ تھے میرے ہاتھ میں
رکھ دیئے میں نے خود کو جہاں بیٹھا تھا
وہاں نہیں پایا بلکہ صاحب قبلہ کے
پاس پایا، اسی میں آنکھ کھل گئی اور
خود کو اسی جگہ دیکھا، نماز صبح کی تکبیر
ہو رہی تھی الحمد للہ والمنۃ. نماز میں شریک
ہوگیا. اُس دن کے بعد سے چھوہاروں کا منتظر
رہا حالانکہ تبرک کی رسم دستار اور سلاری
ہے، جب پہلی بار صاحب سجادہ سے
رُخصت ہوا تھا تو انھوں نے دستار اور
سلاری مجھے عنایت فرمائی تھی. پھر کچھ
ٹھہرنا ہوا تو صاحب سجادہ کسی جانب تشریف
لے گئے، اس طرح ۱۵-۱۶ دن تک جانا
موقوف رہا. جب وہ واپس تشریف لائے
اور یہ غلام ملاقات کرنے گیا تو کچھ جلالی
فقراء آئے ہوئے تھے انھوں نے صاحبزادہ
کو چھوہارے نذر کیے، وہ صاحبزادے
نے ایک خادم کے حوالے کر دیے. غلام
کاتب الحروف نے اس خادم سے ایک
چھوہارا طلب کیا. یہ سنتے ہی صاحب سجادہ
نے وہ سب چھوہارے مجھے عنایت کر دیے

کردند، شمار کردم پنج عدد بودم معلوم کردم کہ حالا رخصت است. چنانچہ در دو سہ روز اتفاق روانہ شدن شد الحمد للہ علی ذلک[1].

[ورق ۱۱-۱۲]

میں نے گنے تو پورے پانچ تھے، جان لیا کہ اب رخصت ہے، چنانچہ دو تین دن بعد روانگی کا اتفاق ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

(۶) رأیت فی لیل احدی عشرین من الربیع الاول[2] سنۃ ۴ احمد شاہ ابن علاء الکاتب جلس مواجہۃ الشیخ کلیم اللہ ایدنی اللہ بلطفہ الخفی والجلی وحضرت شیخ کلیم اللہ یتبسّم و یبتہج و یقول الکاتب رأیت شغل التوجہ فی کتاب آن حضرت المسمّی کشکول فیقول قدس اللہ سرہ العزیز:"

میں نے ۲۱، ربیع الاول ۴ جلوس احمد شاہی کی شب میں خواب دیکھا کہ یہ غلام راقم الحروف حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی اللہ اُن کے لطف خفی و جلی سے میری تائید فرمائے کے سامنے بیٹھا ہے اور حضرت شیخ کلیم اللہ تبسم فرما رہے ہیں اور بہت خوش ہیں۔ یہ راقم کہہ رہا ہے کہ میں نے شغل توجہ آن حضرت کی کتاب کشکول میں دیکھا ہے حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا: کچھ تھوڑا سا باقی ہے۔

(۷) رأیت یوم العرس حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی تحت قدم حضرت خواجہ

میں نے حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس کے دن دیکھا کہ میں حضرت خواجہ شہید المحبۃ (خواجہ قطبؒ)

---

[1] یہ قصہ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۲ پر بھی نقل ہوا ہے۔

[2] ۲۱، ربیع الاول ۱۱۶۴ھ/ ۱۷، فروری ۱۷۵۱ء۔ حضرت شاہ فخر الدینؒ کے اورنگ آباد سے روانہ ہونے کا سال کسی نے ۱۱۶۰ھ اور کسی نے ۱۱۶۵ھ لکھا ہے، مگر ان تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے یہ سفر ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء میں کسی وقت اختیار فرمایا۔

شہید المحبۃ ایدنی اللہ تعالیٰ
بلطفہا الخفی والجلی آں حضرت
خواجہ بزرگ یامُر: "تم نے ایک
ختم ہمارا نکیا، ختم چشتیہ پڑھا کرو"
(ورق ۱۲)

اللہ اُن کے الطاف خفی وجلی سے
میری تائید فرمائے کے قدموں کے نیچے
بیٹھا ہوں اور خواجہ بزرگؒ فرمارہے ہیں
تم نے ایک ختم ہمارا نکیا، ختم چشتیہ
پڑھا کرو۔

(۸) رأیت فی حضرت پاک پتن
فی اللیل الخامس من المحرم
ان اذکر ذکر الجہر ولیس
یصدر الضرب منی فیقول
الشخص: "کثرت کے تئیں
دخل ہے۔" [۱۵ ب]

میں نے پاک پتن شریف میں
۵ محرم کی رات کو دیکھا کہ میں ذکر جہر
کر رہا ہوں اور میرے منھ سے ضرب
نہیں نکل رہی ہے تو مجھ سے کوئی کہہ
رہا ہے: "کثرت کے تئیں دخل
ہے"

(۹) رأیت فی المنام ان شیخ
الوحیدؒ فعل حوالتی لقطب
صاحب حضرت خواجہ قطب شہید
اللہ و حضرت قطب صاحب حوالہ
حضرت خواجہ خواجگاں حضرت
گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ فرمودند بعد
ازاں بدستور معمول در جناب مستطاب
باریاب حضور شدہ در مسجد شاہ جہاں
حضور آں قبلہ یعنی رکعتین سنت فجر
ادا کردہ انتظار ادائے فجر می کردند
یکایک از خود ربودند دیدم کہ

میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے
شیخ عبدالوحیدؒ نے مجھے قطب صاحب
کے حوالے کیا اور حضرت قطب صاحب
نے حضرت خواجہ خواجگان گنج شکر
رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا۔
اس کے بعد معمول کے مطابق میں
حضور میں باریاب ہوا اور مسجد شاہ جہاں
میں آں حضور کے سامنے فجر کی دو رکعت
سنتیں ادا کر کے نماز فجر ادا کرنے کا
انتظار کرنے لگا اچانک مجھ پر غشی
سی طاری ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ

۱؎ حضرت فخر جہاں جب شیخ عبدالوحید لکھتے ہیں تو مراد خواجہ بزرگ اجمیریؒ ہوتے ہیں۔

نورے بلاجسم از گنبد شریف می
آید نزدیک این غلام آمده و یک
سبد ریوڑی کہ تبرکاً می دھند و در
یک سبد گُل دادند۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

[ورق ۲۰ ب]

ایک بے جسم کا نورانی ہیولیٰ گنبد شریف
سے نکلا اور اس غلام کے نزدیک
آیا، ایک ٹوکری میں ریوڑی جو تبرک
کے طور پر دی جاتی ہے اور دوسری ٹوکری میں
پھول مجھے دیتے ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

(۱۰) رأیت فی المنام حین قصدت
الزیارۃ فی مقام پانی پت ان شخصا
صالحاً جاء و فی یدہ خم لیکن خم از
شیشہ است، می گوید کہ این
شراب از گنج شکر است، بنوشید
و بدیگران ہم بنوشانید۔
والسلام علی من اتبع الھدیٰ

[۲۳ ب]

جب میں نے پانی پت میں زیارت
کا قصد کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک
صالح شخص سامنے آیا جس کے ہاتھ
میں ایک خم تھا، مگر وہ خم شیشے کا تھا
اس نے کہا یہ گنج شکر کی شراب ہے
تم بھی پیو اور اوروں کو بھی پلاؤ۔
سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

(۱۱) رأیت فی المنام مرۃ اُخریٰ
فی جہان آباد ان شیخ الاسلام
شہید المحبۃ قائم و فی ید
شخص آخر قدح شفاف کبیر
مملوء من الماء والغلام یحذو
حذو الشیخ الاسلام قال
لشخص الذی فی یدہ: "یہ
بھی انھیں کو دو۔" چنانچہ بموجب
ارشاد پیالہ بدست غلام داد و
غلام در دست گرفت و بیدار شد۔"

ایک بار اور میں نے جہان آباد
(دہلی) میں خواب دیکھا کہ شیخ الاسلام
شہید المحبۃ (خواجہ قطب صاحبؒ)
کھڑے ہیں اور دوسرے ایک شخص کے
ہاتھ میں ایک بڑا شفاف پیالہ
پانی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ غلام شیخ الاسلام
کے قدم بقدم چل رہا ہے۔ انھوں نے اس
شخص سے جس کے ہاتھ میں کٹورا ہے
فرمایا: یہ بھی انھیں کو دو۔ چنانچہ بموجب
ارشاد اس شخص نے پیالہ غلام کے ہاتھ میں دیدیا

[ورق ۲۲۔ الف]

(۱۲) فی الیقظة فی سنہ ۴ احمد شاہ
بعد یوم الاربعاء فی صبح
الخمیس وقت غسل المزار الشریف
ذهبت للصحراء لدفع الحاجة
البشریة ولما خصلت الطهارة
فاقوم قاصدا المجیٔ الروضة
الشریف اذا سمعت صوتاً من
السماء من الیمین لغتتہً:
غسل ہوتا ہے فلهذه السماع
توجهت وقمت لسماع الصوت
وتحیرت ..... فرأیت مثل المطر
یمشون افواجا افواجا ویقولون
بالجهر غسل ہوتا ہے فلما سمعت
مکرراً صوت الهاتف فوجهت
حزینا ممیا وتوضأت سریعاً
فجئت بروضة الشریفة
للسلطان العاشقین اید فی
الله بلطفه الخفی والجلی فرأیت
أن الغسل سیکون ولما قمت فی
جناب ملاذ الغربا فجاء الخادم نظر

میں نے ہاتھ میں پکڑا اور آنکھ کھل گئی۔

سنہ ۴ جلوس احمد شاہی[۱] میں بدھ کے
بعد اور جمعرات کی صبح کو بیداری کے
عالم میں مزار شریف کے غسل کے وقت
میں حاجت بشری کی تکمیل کے لیے
جنگل کی طرف نکل گیا، جب طہارت
کر چکا اور روضہ شریف کی طرف
جانے کے لیے اٹھا تو اپنی داہنی سمت
میں آسمان کی طرف سے ایک صدا
سنی: غسل ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی میں
آواز کی طرف متوجہ ہوا اور حیران ہو گیا
دیکھا کہ ..... بارش کی طرح فوج در فوج
جا رہے ہیں باآواز بلند کہتے ہیں کہ
"غسل ہوتا ہے"

جب میں نے دوبارہ آواز سنی تو
صدق دل سے متوجہ ہوا جلدی سے وضو
کیا اور روضہ شریفہ (خواجہ بزرگ)
کی طرف آیا، دیکھا کہ وہاں غسل ہو
رہا تھا جب میں غریب نواز کی پناہ
میں کھڑا ہوا تھا تو ایک خادم آیا
اور اس نے مجھے روتے ہوئے

---

۱ ازروئے حساب یہ واقعہ ۳ جون ۱۷۵۱ء پنجشنبہ کا ہو سکتا ہے جو ۹ رجب ۱۱۶۴ھ کے مطابق ہے۔ مزار شریف کا غسل ۹ رجب کو ہوتا ہے۔

دأنا باكيا فقال الخادم خذ
ماء الغسل والصق بالعينين
واعطى الخرقة المتبركه
الحمد لله رب العالمين حمداً كثيرا
كثيرا [ورق ۲۴ ب]

دیکھا. خادم نے کہا غسل کا پانی لو
اور آنکھوں سے لگا لو. اس نے مجھے
خرقہ متبرکہ بھی دیا.
الحمد للہ ۔ کثیراً کثیرا

(۱۳) مرة واحدة رأيت أن
الاصبع الاعظم بقدوة
الاصحاب الصديق الاكبر
صلوة الله على نبينا وعليه
الصلوة وآله وسلم واصحابه
در دهن می کردم و می لیسم ناگاه بیدار
شدم [ورق ۲۷ ب]

ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت
صدیق اکبر (ہمارے نبی پر صلوۃ وسلام
ہو اور آپ کے آل واصحاب پر)
کے دست مبارک کی بڑی انگلی
(وسطیٰ) منہ میں لے کر چوس رہا ہوں
اسی حال میں آنکھ کھل گئی.

(۱۴) مرة اخرى رأيت فى المنام
فى ليلة الثلاث من ربيع الثانى
ان حضرت شاه كليم الله شيخى
وسندى يقول أن سواء السبيل
أنا أقرأ لكم واكثر الكتاب
يطلبى ففى هذا الزمان قرأت
على حضور المبارك فبعد هذا
يقول الشيخ : آج کے پڑھنے
سے بہت خوشی ہوئی. ويقول الشيخ :
" تمہاری نسبت کا پیغام کفایت
خاں کی بیٹی سے کیا ہے "

ایک بار منگل کی رات کو ربیع الثانی
کے مہینے میں خواب دیکھا کہ شیخی وسندی
حضرت شاہ کلیم اللہؒ فرماتے ہیں
کہ سواء السبیل میں تمہارے لئے
پڑھتا ہوں اور اکثر حصہ کا پڑھنا
طلب کرتے ہیں. اس وقت میں حضور مبارک
میں پڑھتا ہوں تو شیخ فرماتے ہیں
کہ : آج کے پڑھنے سے بہت خوشی
ہوئی. پھر کوئی شخص کہتا ہے کہ
" تمہاری نسبت کا پیغام
کفایت خاں کی بیٹی سے کیا ہے "

چنانچہ صورت آں عجوزہ کفایت خاں آوردہ اند می گویند کہ این صورت می دارد [ورق ۲۸ ب]	چنانچہ دختر کفایت خاں کی تصویر لائے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس کی ایسی صورت ہے۔

(۴)

یہ مختصر رسالہ جس کا کوئی نام نہیں ہے[1]، سہولت کے لیے میں نے اسے "وارداتِ فخریہ" سے موسوم کیا ہے (۴۰) صفحات کو محیط ہے ہر صفحہ میں اوسطاً (۱۲) سطریں ہیں، رسالہ کا سائز ۱۳ × ۱۸ سینٹی میٹر ہے، اسے سیّد بدیع الدّین (خلیفہ حضرت فخر جہاںؒ) نے شب یکشنبہ ہفتم شعبان ۱۲۱۶ھ (۱۳ دسمبر ۱۸۰۱ء) کو نقل کیا ہے۔ اس نسخے سے اس کی ایک نقل کامل علی شاہ قادری ملتانی نے ۲۲ شوال ۱۳۰۸ھ (۳۱ مئی ۱۸۹۱ء) کو غالباً حیدرآباد دکن میں تیار کی۔ نسخہ کا کاتب بہت غلط نویس ہے اور بظاہر عربی زبان سے قطعاً واقف نہیں ہے اس نے نقل میں بے شمار غلطیاں کی ہیں اور بعض آسان و معمولی الفاظ کو بھی کچھ سے کچھ کر دیا ہے۔ ہم نے چند اقتباسات بطور نمونہ دیے ہیں اور اس کی عبارت میں جو قواعد یا زبان کی غلطیاں ہیں انہیں بدستور باقی رکھا ہے۔ ایک آدھ جگہ پر معمولی سی قیاسی تصحیح کر دی ہے۔

اس رسالے سے حضرت فخر جہاں کے اسفار کا حال بھی معلوم ہوتا ہے، جن شہروں کا اس میں تذکرہ ہے ان میں اورنگ آباد، برہان پور، اُجین، انبالہ

---

[1] غالباً یہ رسالہ خواجہ گل محمد احمد پوری مولف تکملہ سیر الاولیاء (مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء) کے سامنے رہا ہے۔ انہوں نے حضرت فخر جہاں کے حالات میں اس کے اقتباسات صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۴ پر دیے ہیں اور ان عبارتوں کو "از دستخط خاص آں حضرت" بنا لیا ہے۔ اور کسی کتاب میں رسالہ وارداتِ سے استفادے کا سراغ نہیں ملتا۔

شاہ پور، پانی پت، پاکپتن، اجمیر، جے نگر (جے پور) دہلی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

شخصیات میں حضرت خواجہ اجمیریؒ، حضرت خواجہ قطب صاحبؒ، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت ابراھیم ثانیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت چراغ دہلیؒ، حضرت کمال الدین علامہؒ، حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ، حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ اور بعض دوسرے بزرگوں کے نام آتے ہیں۔

اس رسالے میں بیشتر احوال وواردات کا تعلق اجمیر شریف یا پاک پتن کی حاضری کے زمانے سے ہے۔ اوران کا زمانہ عہد احمد شاہ (آغاز ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) ہے۔ بعض مکشوفات پر سنہ اور سنہ جلوس احمد شاہی تاریخ دی ہے۔

اسی سے یہ علم ہوتا ہے کہ بیشتر واردات اس زمانے کی ہیں جب حضرت کا سن شریف (۴۰) سال[1] سے کم تھا اور غالباً شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی منگنی کفایت خاں کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی اور ان کی صورت عالم کشف میں حضرت کو دکھا دی گئی تھی۔ [ورق ۲۸ ب]

رسالہ واردات فخریہ میں سنوا کے قریب مکشوفات قلم بند ہوئے ہیں بعض خواب ہیں، کچھ وہ ہیں جو نیم بیداری کی حالت میں پیش آتے اور کچھ

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نکاح اورنگ آباد میں ہوا تھا اور آپ اپنے فرزند غلام قطب الدینؒ کو اپنی بڑی بہن کی نگرانی میں چھوڑ کر آئے تھے اس اعتبار سے حضرت کے وصال کے وقت صاحبزادہ ۳۳ سال کے رہے ہوں گے مگر دوسرے قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اور کسی ذریعہ سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اورنگ آباد سے ۱۱۶۰ھ میں آنے کے بعد تا وفات آپ اُدھر دوبارہ تشریف لے گئے ہوں۔

احوال کا مشاہدہ جاگتے میں کیا گیا۔

حضرت فخر جہاں کا وصال ۲۷ جماد الثانیہ ۱۱۹۹ھ (۷ مئی ۱۷۸۵ء) ہفتہ کو صبح کے وقت ہوا اور یہ رسالہ وصال سے (۱۷) سال کے بعد سید بدیع الدینؒ نے نقل کیا۔ اس کی عبارت کو قابل اشاعت بنانے کے لیے بہت دیدہ ریزی و مغز پاشی کی ضرورت ہے۔ اللہ نے توفیق دی تو اسے مکمل حالت میں شائع کیا جائے گا۔

○

میاں اخلاق احمد مرحوم و مغفور کی اس کتاب کے ساتھ اس رسالے کا تعارف پہلی بار شائع ہو رہا ہے اور یہ وابستگان سلسلہ چشتیہ فخریہ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔ میری دُعا ہے کہ مرحوم کی یہ کتاب مقبول ہو اور اُن کے لیے سرمایۂ آخرت بنے۔ آمین۔

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

خاکسار

نثار احمد فاروقی

پروفیسر و صدر شعبہ عربی

دہلی یونیورسٹی دہلی

نئی دہلی

۱۱ مئی ۱۹۹۲ء

۷ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حرفِ اوّل

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تاریخِ ہند کے اصلی اسلامی "ہیرو" بزرگانِ دین ہیں۔ جنہوں نے اپنے علم وفضل، اخلاق و روحانیت کے فیض سے ظاہری سیاست سے کنارہ کش ہونے کے باوجود صحیح طور پر حکمرانی کی اور اُن کے فیضان وحکومت کا سکہ آج بھی رائج ہے۔ رسم جسے انتہائی سادگی سے تبلیغ واشاعتِ اسلام کہتے ہیں وہ ان " ولی اللہ" کی ذات بابرکات کا کرشمہ "علم وعمل" ہے۔ اولیاء اللہ کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے علم حاصل کیا اور عام کیا۔ عالموں کو باعمل بنایا ہے انہوں نے اپنے درس وتدریس، تحقیق وتصانیف کے ذریعے نہ صرف اسلام کو مقبول اور ہر دلعزیز کیا بلکہ مسلمانوں کے ایمان کو راسخ ومضبوط کیا۔ ایک طرف ان کا علم وفضل حقیقت وصداقت کی گواہی دیتا رہا اور دوسری طرف ان کی باطنی اور روحانی طاقت اہلِ علم وبصیرت کی راہنمائی کرتی رہی۔

سنتِ نبوی کی پیروی کرتے ہوئے ارشاد وتبلیغ کی مسند سنبھالی اور معاشرہ کی اصلاح وتربیت کی۔ اس سلسلہ میں جو اولیاء کرام نے خدمات انجام دیں وہ ہماری مذہبی اور ثقافتی تاریخ کا روشن باب ہے۔

یہ سعادت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور دیگر لاتعداد صوفیائے کرام کو بھی حاصل ہوئی۔ جنہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قیام کیا خدمتِ

دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور علم دین کی بھرپور اشاعت کی اور اس بارِ گراں کو اپنے مضبوط کندھوں پر اُٹھایا۔ اس طرح یہ چراغ جلتا رہا اور کفر کے جہالت کدہ میں اسلام کا نور پھیلتا گیا۔

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ محمد شاہ بادشاہ اور ان کے جانشینوں کے عہد کی اہم شخصیت ہیں۔ آپ کامل و اکمل صاحب تصرف اور زبردست جذبہ کے مالک تھے۔ تمام عمر ہدایت خلق اور تبلیغ اسلام میں گزاری۔ اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک دنیا کو فیض یاب کیا۔

آپ کا دور قتل و غارت گری کا دور تھا۔ سکھ اور مرہٹے ہر طرف لوٹ مار کر رہے تھے۔ نادر شاہ کا قتل عام بھی دہلی کی سر زمین پہ ہوا۔ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہو رہا تھا۔ ہر طرف زوال و انحطاط کے آثار نمایاں تھے۔ مرکز کو کمزور پا کر صوبائی حکومتوں کا اعلانِ خود مختاری کر دینا ایک فطری بات تھی۔ اس سیاسی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانے میں اللہ کے کچھ نیک بندے رشد و ہدایت اور درس و تدریس کے کام میں مشغول ہوئے۔ اُن میں شاہ فخر الدین دہلویؒ اور آپ کے والد ماجد حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ خلیفہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ اور شاہ فخر الدین دہلویؒ کے خلیفہ خواجہ نور محمد مہارویؒ حضرت خواجہ حاجی لعل محمد چشتی دہلویؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں، جنہوں نے مختلف مقامات پر اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے تحت چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی شاندار خانقاہیں قائم کیں اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہو گیا تھا اور صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں وجود میں آئیں۔ مرکزیت ختم ہو جانے سے سلسلہ کے نظام کی اساس و بنیاد بالکل بدل گئی۔ اس صورتِ بے ترتیبی کے بعد حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کا عظیم کارنامہ تھا کہ آپ نے چشتیہ سلسلہ کے ترتیب نظام میں پھر ایک بار باقاعدگی پیدا کی اور متقدمین صوفیاء کی نہج پر تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا۔ آپ کے خلیفہ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

اور اُن کے فرزند حضرت شاہ فخرِ جہاں دہلوی رح نے اسے فروغ دیا۔ خواجہ نور محمد مہاروی
خلیفۂ اعظم حضرت شاہ فخر الدین فخرِ جہاں رح آپ کے قائم مقام ہوئے اور اس سلسلہ کو
ترقی دی اور اس قدر کوشش کی کہ تونسہ شریف، حاجی پور، کوٹ مٹھن، ملتان، احمد پور، چاچڑ
مکھڈ، سیال شریف، جلال پور اور گولڑہ شریف و دیگر مقامات کی خانقاہوں کے چراغ ا
ہی کے ذریعے روشن ہوئے۔ حضرت مولانا فخرِ جہاں دہلوی رح فرماتے ہیں:

"اگر یہ پنجابی (حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح) میرے پاس نہ آتا تو میں اِس دنیا
اپنے ارمان اپنے دل میں ہی لے کر مر جاتا۔"

زیرِ نظر کتاب کا موضوع ان ہی بزرگان دین کی خدمات کو اجاگر کرنا ہے۔
عوام الناس کو ان کی سیرت و کردار، روحانیت، تعلیمات، تصانیف اور خانقاہی نظام
آگاہ ہوں۔

حضرت شاہ فخرِ جہاں دہلوی رح کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ امام الطریقت
خواجہ خواجگان ولی الہند غریب نواز، عطائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضر
معین الدین چشتی رح اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رح، حضرت نظام الدین اولیاء
محبوب الٰہی رح، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح جو اس سلسلے کے مجدد اور آدم ثانی بیا
کئے جاتے ہیں کے حالات زندگی نہایت اختصار کے ساتھ ایک باب میں درج کر د
ہیں کیونکہ یہ بزرگ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اکابرین ہیں۔ ان بزرگوں کے حالاتِ زند
نہایت شرح و بسط کے ساتھ متقدمین کے تذکروں میں مل جاتے ہیں۔ ان کے علا
کئی اور مفصل اور مجمل تذکرے لکھے گئے ہیں۔ جو علمی تحقیق و تجسس سے مزیّن ہیں
البتہ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی رح کی سوانح حیات کے ذکر میں جہاں کہاں کسی اور بزرگ
یا کسی اہم ہستی کا نام آگیا ہے، حاشیہ میں اُن کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ تحریر کیا
ہے۔ ان حواشی میں اکثر مقامات پر اصل ماخذ کے حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں
تاکہ مفصل مطالعہ کے لئے اصل کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

صوفیاء کے حالات میں بعض قاری کشف و کرامات کو خصوصیات سے تلاش کر

یں۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ کشف و کرامات ان کا منتہائے کمال نہیں ہو سکتیں۔ اُن کا
صد تو دنیا میں سچائی پھیلانا، انسانوں کا دُکھ درد دُور کرنا، کتاب اور سنتِ نبوی کو
اکر خود کو انسانیت کا اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کرنا ہے تاکہ لوگ ہدایت پا سکیں۔

اولیائے کرام کو خراجِ عقیدت اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگی کے
ع خدوخال اور ان کی تعلیمات کو دنیا کے سامنے لایا جائے۔ اور یہ بتایا جائے کہ ان کا
رگی کے بارے میں کیا نظریہ تھا اور ان کی خدمات کیا تھیں جو ان کی یادگار ہیں۔

اس تالیف میں میں نے دو چیزیں مدنظر رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی
نصیت کے تمام پہلوؤں پر ضروری دستیاب معلومات جمع کر کے سوانحی خاکہ مکمل کر دیا ہے
دوسرے یہ کہ دینی اور علمی خدمات، روحانی فیوض و برکات کے ان گوشوں کو زیادہ اجاگر کیا
ہے جن سے ان کی شخصیت کا مشن واضح ہو اور مشن کے لئے شخصیت کی محنت و کاوش اور جہد و
ب کا اندازہ بھی ہو سکے۔ غرضیکہ اس تذکرہ میں حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کی سوانح
ت، علمی و روحانی تبلیغی زندگی اور سیرت کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس
رہ کی اساس خانقاہوں میں بیٹھ کر لکھے جانے والے ملفوظات پر ہے بعض تذکرہ نگار
سلہ چشتیہ کے ملفوظات کو مشکوک سمجھتے ہیں۔ تاحال اس بارے کچھ نہیں کہا جا
تا۔ اگر خداوند تعالیٰ کو منظور ہوا تو آئندہ اشاعت میں ان کی سند اور صداقت پر
نی ڈالی جائے گی وما توفیقی الا باللہ

ان تمام بیانات کے باوجود تلاش و تحقیق کا میدان کبھی محدود نہیں رہا تاریخ
سیرت میں کوئی بات حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ اس موضوع پر مزید تحقیق اور تجسس
نجائش اب بھی موجود ہے۔

میں آخر میں اپنے محسن حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری بانی مرکزی
لسِ رضا پاکستان محترمی جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب (شعبہ تاریخ) پنجاب یونیورسٹی
ہور، جناب عابد نظامی صاحب (مدیر ضیائے حرم لاہور) اور میاں احمد بدر اخلاق
احب سائیں نذیر حسین فریدی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے اس

کتاب کی تدوین و تالیف میں میری مدد فرمائی۔ قیمتی مشوروں سے مجھے نوازا، بعض قابلِ قدر نایاب کتابیں اور مواد فراہم کیے۔ ان کے علاوہ اپنے دوستوں اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے مشوروں اور دعاؤں سے نوازا۔ خاص کر جناب سائیں نذیر حسین فریدی میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے مسودہ پر پر نظرِ ثانی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین

علاوہ ازیں محترمہ درافشاں صاحبہ ایم۔ اے میرے شکریہ کی مستحق ہیں کہ ان کا تعاون گوناگوں مصروفیت کے باوجود اس کاوش کی تحریر و ترتیب میں اوّل تا آخر مجھے حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بھی جزائے خیر دے۔

اِس مختصر مضمون کو اس دُعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے اللہ ہمیں دینِ برحق کی خدمت کرنے کا زیادہ سے زیادہ جذبہ عنایت فرما! اور بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرما! آمین ثم آمین

احقر

میاں اخلاق احمد ایم اے

۳۰ ر اگست ۱۹۸۶ء

۳۳۳۔ شاد باغ

لاہور

باب اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے صبا! اے پیکِ دور افتادگان
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ رو سیاں

حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائی حالات

حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں رح سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد ہیں اور گمراہی کے اندھیروں میں
بیت کا نور ہیں۔ آپ بڑے عالم، فاضل اور علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ اسلام کی ترویج و اشاعت
نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ یہاں فطری طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ سلاطین نے
ی ایک حد تک اشاعتِ اسلام میں حصّہ لیا ہے لیکن اپنی قوت و سطوت اور اقتدار و اختیار کے
وجود ان کو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی جو صوفیائے کرام کو حاصل ہوئی اور ہر جگہ کامیابی و کامرانی
ے ان کے قدم چومے۔ آخر اس کامیابی کا راز کیا ہے؟ اگر ہم صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی کا بغور
طالعہ کریں تو سب سے پہلی بات جو ہمیں ان کے کردار میں نمایاں نظر آتی ہے، یہ ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی
سیرت و کردار کے حامل تھے۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا چنانچہ ان کی پاکیزہ سیرت لوگوں کو متاثر
ئے بغیر نہ رہتی تھی، وہ صرف گفتار کے غازی نہ تھے بلکہ کردار کے بھی غازی تھے اور مسلمان صوفیاء نے
بڑے خلوص کے ساتھ اسوۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل کیا اور ایک ایک بات کا
اتباع کیا۔ روحانی برتری اور اخلاقِ انسانی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ غیر مسلم دائرہ اسلام سے وابستہ ہو گئے
اور رفتہ رفتہ مسلمان ہونا شروع ہو گئے[1]۔ دوسری بات یہ ہے کہ صوفیائے کرام میں زہد و اطاعت

---

[1] تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد چہارم ص ۱۷۶

کا جذبہ، شوقِ عبادت، حُبِ الٰہی اور حُبِ رسول ان کی مسلسل روحانی برتری کا سامان ہوتا تھا۔ ان کا ذوق و شوق سرور و کیف، گریۂ نیم شبی، سحر خیزی، عارفانہ کیف و مستی جہاں خود انہیں مست رکھتی تھی وہاں اُن کے دیکھنے والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے بلا کسی تفریق کے ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری و ساری رکھا۔ لوگوں کو رشد و ہدایت کی تلقین فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، گناہ سے طاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے۔ اُن کے ذوق کا گہرا مطالعہ کیا اور تبلیغِ اسلام کی جیسا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کے ذکر میں بیان کرتے ہیں کہ نعت اور قوالی کا اہتمام کیا جاتا جس سے سامعین مسحور ہو جاتے۔ اِس عمل سے اس سرزمین سے کفر و الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹے، دلوں کی تاریکیاں ڈھلیں ذہنوں کے زنگ اُترے اور لوگوں کے دل و دماغ ربِّ واحد کے حسین تصوّر سے روشن ہو گئے اور برصغیر کے لوگوں کا قبول و ایجابِ اسلام برضا و رغبت ہوا، نہ کہ بزورِ شمشیر اور صرفِ زر سے جیسا کہ غیر مسلم مؤرخین لکھتے ہیں۔

ہماری ملّی تاریخ جن درخشندہ ستاروں سے عبارت ہے ان میں حضرت مولانا محمد فخر الدین فخرِ جہاں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اورنگ آبادی کے صاحبزادے، مرید اور خلیفہ تھے آپ کی پیدائش اورنگ آباد میں ہوئی اپنے والدِ محترم کی ہدایت کے مطابق پچیس [۲۵] سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے[۱]

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۴۶۹-۴۹۸ مگر مناقبِ فخریہ ص ۵ میں آپ کی عمر ۱۶ سال بتائی جاتی ہے "چوں سن شریف حضرت صاحبزادہ والا قدر شانزدہ (۱۶) سالگی رسید زمان وصل قبلہ الکاملین بحضرت احدیت قریب شد" مناقبِ فخریہ غازی الدین خاں نظام کی تالیف ہے جو حضرت مولانا صاحبؒ کے خلفاء میں سے تھے حیدر آباد دکن میں مقیم تھے۔ ان کا بیان زیادہ ثقہ ہے۔

اور تدریس ظاہری و باطنی میں مصروف ہو گئے۔ سلسلہ نظامیہ کی شاندار درس گاہ جو حضرت شیخ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی[1] نے "خانم بازار" میں قائم کی تھی کو وسعت و ترقی دی۔ علاوہ ازیں آپ نے ارشاد و تلقین اور روحانی تعلیم و تربیت کا ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ سارا ملک آپ کی شعلہ نفسی سے گرم ہو گیا اور آپ نے اس سلسلہ کو نئی زندگی بخشی۔

آپ نے خلفاء کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج کر سلسلہ نظامیہ کی مستقل خانقاہیں قائم کرائیں اور رشد و ہدایت کی شمع کو فروزاں کیا۔ ہزاروں انسانوں نے آپ سے روحانی تعلیم و تربیت پائی اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ معاصر تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ آپ کے لاکھوں مرید اور عقیدت مند تھے جنہیں رحمتِ الٰہی نے اپنے لطف و کرم کا مظہر بنا کر خدا کی ہدایت و تزکیہ کیلئے مقرر فرمایا۔

زمانہ

سترھویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ معاشرہ پر تباہی کے آثار بری طرح نمودار ہو چکے تھے۔ مذہب کی روح اختتام پر تھی۔ یہ پر آشوب و پر فتن زمانہ تھا۔ تاریخ و تحقیق کی روشنی میں بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں ہندوستان کی سماجی و مذہبی حالت بد تر تھی۔ انسانوں میں کہتری و کمتری کا رواج بدستور قائم تھا۔ انسان انسانوں کے بندے اور غلام بن کر رہ گئے تھے۔ خدا پرستی کی بجائے نفس پرستی اور وہم پرستی و رسوم باقی تھیں۔

ہندوستان میں اس دور کے حکمرانوں کو طرح طرح کے داخلی شورشوں اور خارجی خلفشار

---

[1] جہاں آبادی شاہ جہاں آبادی کا مخفف ہے۔

سے دو چار ہونا پڑا۔ سادات کا تسلط، ان کا تورانی اُمرا کے ہاتھوں زوال، مرہٹوں کی بغاوت
نادر شاہ کی یلغار اور اُن کا ہندوستان پر عزم ریاست و سیادت، سکھوں کی بغاوت، نادر شاہ کی
یلغار اور اس کی فوج کے ہاتھوں دہلی میں قتلِ عام، احمد شاہ دُرّانی کا محاصرہ اور پانی پت کی تیسری
لڑائی میں فیصلہ کُن فتح (۱۷۶۱ء) روہیلوں کا اثر سلاطین دہلی پر اور ان کا سیاسی غلبہ، ایرانی
اور تورانی اُمراء کی باہمی مخاصمت مغربی اقوام کا ارضِ ہند میں داخلہ، انگریزوں کا بنگال میں تسلط
اور ان کا بنگالی اور بہار کے معاملات میں عمل و دخل۔ ان واقعات اور ہنگامہ آرائیوں کو شاہ ولی اللہ
محدّث دہلوی رح اور ان کی اولاد میں سے شیخ محمد[1] محدّث دہلوی رح، شاہ عبدالعزیز رح محدّث دہلوی،
شاہ رفیع الدّین محدّث دہلوی اور شاہ عبدالقادر رح محدّث دہلوی، حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی،
حضرت شاہ نظام الدین رح اورنگ آبادی، حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں رح اور ان کے مریدین
اور خلفاء نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اپنے عزیز اور اپنے مسلمان بھائیوں کو ذلّت و رسوائی
کی دلدل سے جس میں وہ بُری طرح پھنسے ہوئے تھے باہر لانے اور نکالنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار
کرنے میں بے قرار تھے۔ اس تاریک دَور میں ان اکابر دین نے ملّتِ اسلامیہ میں زندگی دوڑانے
کی کوشش کی تبلیغی نظام کو مضبوطی سے قائم کیا۔ اپنے مشہور خلفاء اور مریدین کو ہندوستان کے
مختلف صوبوں میں بھیجا اور خود مرکز میں رہ کر اُن کی ہر طرح نگرانی کی۔

مذکورہ صدی میں صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں بڑی اہم سیاسی اور سماجی تبدیلیاں
آ رہی تھیں کچھ اہلِ ملک غلامی کی زنجیریں توڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور کچھ ملک

---

[1] مولوی محمد محسن ترہتی مؤلف الیانع الجنی (تالیف ۱۲۸۰ھ) میں پانچ صاحبزادوں کا ذکر کرتے ہیں اور شیخ محمد رح سب سے بڑے تھے

ایسے بھی تھے جن کی گردنوں میں غلامی کے طوق ڈالنے کی تیاریاں کی جارہی تھیں، اس دور کا ایک المناک پہلو یہ تھا کہ سلطنت مغلیہ کا زوال تیزی کے ساتھ شروع ہوا اور دوسرا خوشگوار پہلو یہ تھا کہ ایسے نازک وقت میں شاہ ولی اللہ رح اور ان کا خاندان و دیگر اکابرین شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، حضرت نظام الدین اورنگ آبادی اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں کے ذریعہ سے ایسے حالات کو پیدا ہونے سے محفوظ رکھا جن میں حکومت کے خاتمے کے ساتھ ساتھ دین و مذہب کا بھی خاتمہ ہوجاتا یا اس کی شکل اتنی بگڑ جاتی کہ صحیح اسلام کی پہچان ختم ہوجاتی انہوں نے علوم اسلامیہ کو عام کیا مسلمانوں کی علمی اور دینی خدمت کرتے رہے مسلمانوں کے سماجی مسائل کی اصلاح کی، ان کے عہد میں مسلمانوں کا معاشرہ اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ وہ محض رسومات کو ہی اسلام کے شعائر سمجھتے تھے۔ اکثریت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے لاپرواہ ہوچکی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت سی ہندوانہ رسوم آچکی تھیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح نے مسلمانوں کو سختی سے ایسی باتوں سے روکا جن سے ہندوؤں سے مشابہت کا خطرہ ہو۔ آپ نے درس و تدریس اور روحانی تربیت پر زیادہ توجہ دی۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح کے بعد سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی حضرت نظام الدین اورنگ آبادی رح حضرت مولانا محمد فخر الدین سے فخر جہاں اور ان کے خلفاء[1] خواجہ نور محمد مہاروی رح، حاجی لعل محمد رح، مولانا ضیاء الدین جے پوری رح میر بدیع الزمان رح، مولانا جمال الدین رام پوری رح، مولانا شمس الدین اجمیری رح، سید میر محمد رح اور شاہ

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء (فارسی و اردو) ص ۱۴۰، ۱۴۱۔ مناقب المحبوبین اردو ص ۹۲۔ مناقب المحبوبین فارسی ص ۵۳-۵۴

نیاز احمد بریلوی و دیگر ارادت مندوں نے ان نامساعد حالات کے باوجود سلسلہ کی مرکزی حیثیت کو دوبالا کیا اور اس کی ترقی کے لئے پھر ایک بار باقاعدگی پیدا کی فتنہ و فساد کی ان آندھیوں میں حق و انصاف کا چراغ روشن کیا اور اپنی عزیز ترین روحانی قوتوں اور برکتوں سے یہاں کے ناخوشگوار ماحول کو تبدیل کیا۔ انسانوں کے دلوں میں سے نفرت حقارت اور کہتری و برتری کے کانٹے کو نکال کر باہمی اخوت و مساوات اور ہمدردی کے پھول کھلائے۔ خدا ناآشنا پیشانیوں کو خدائے واحد کے دربار میں جھکا دیا۔ وہم و گمان کی الجھنوں میں مبتلا خدا کے بندوں کی خدا کے سچے دین اسلام کی طرف رہنمائی کی شریعت کی تعلیم اور معرفت و روحانیت کی تلقین و تربیت کے لئے درسگاہیں اور خانقاہیں قائم کیں جہاں سے لاکھوں انسان فیض یاب ہوئے اور روحانیت کی پیاسی زمین پر اسلام کے ابر کی بارش ہونے لگی اور ہندوستان کے در و بام کلمہ اسلام کی بلند صداؤں سے گونج اٹھے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے دور میں تنہا شخص تھے جن کے ذریعہ علم حدیث کو فروغ ہوا۔

جس وقت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں نے مسند ارشاد بچھائی اس وقت گو بڑے بڑے بزرگ دہلی میں موجود تھے جیسا کہ شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں

"در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند"۔[1] لیکن کثیر تعداد ایسے صوفیوں کی تھی جو شریعت اور سنت کو چھوڑ چکے تھے اور اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈال کر دوسروں کو گمراہ کر رہے تھے۔

مولوی رحیم بخش صاحب "شجرۃ الانوار" میں تحریر کرتے ہیں

---

[1] ملفوظات شاہ عبد العزیز ص ۱۰۶۔

"وخلفائے مرشدی ومخدومی در ہفت اقالیم دائرہ وسائرہ ومحیط اند"۔

خواجہ حسن نظامیؒ بیان کرتے ہیں کہ دہلی[1] کے ہزاروں ہندو مسلمان مولانا محمد فخر الدین فخر جہاںؒ
رید معتقد تھے جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی کا پس منظر حق وصداقت کی راہوں سے برگشتگی تھا جسے اسلام نے
ناس کرایا تھا۔ ستم یہ کہ آپ کے ہم عصر بیشتر علماء نے قرآن وحدیث کو بالائے طاق رکھ دیا تھا
ین وسنت کی عظیم الشان تعلیمات سے جو دورِ اول کے مسلمانوں کی عظمت وترقی کا باعث تھیں
ان سے بہت دور ہو گئے تھے۔ ان کے طرز وطریق نے مسلمان عوام کو دینِ اسلام سے برگشتہ کر دیا۔
ں کی دار الاسلام حکومت دار الحرب بن گئی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اس بارے فتویٰ دیا کہ ہندوستان
جس قدر حصے غیر مسلم طاقت کے قبضے میں جا چکے ہیں ان قطعات میں اگرچہ برائے نام سلطان
ں کا دخل مانا جاتا ہے لیکن وہ سب کے سب دار الحرب ہیں۔ سلطان دہلی کی برائے نام
ومت ملک کو دار الاسلام نہیں بنا سکتی۔ سلطنت کا جاہ وجلال ختم ہونے سے مذہب پر
ی اثر نہیں پڑا بلکہ مذہب میں لوگوں کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس زمانہ میں رمضان کے مہینے میں
ہوٹی چھوٹی مسجدوں میں دو دو تین تین جگہ تراویح ہوتی تھیں[2]۔ جامع مسجد کا کچھ ذکر ہی نہیں وہاں
تنی جگہ تراویح ہوتی تھی اس کا ذکر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات میں تفصیل سے ملتا ہے
سجد فتح پوری کے متعلق مولوی عبدالقادر خاں نے لکھا ہے کہ کسی دوسری مسجد میں اس کثرت سے کلام اللہ
ے حافظ نہیں دیکھے گئے[3]۔ علماء ومشائخ کی موجودگی نے دہلی کو تمام ممالک اسلامیہ کی توجہ کا مرکز

---

[1] مکتوب خواجہ حسن نظامی بنام جناب خلیق احمد نظامی صاحب مطبوعہ منادی ۸، ۱۶ اپریل ۱۹۴۷ء (استفادہ)

[2] آثار الصنادید ص ۱۳۳ [3] وقائع عبدالقادر خانی ص ۲۱۶

بنا دیا ہوا تھا۔ شاہ غلام علیؒ کی خانقاہ میں مصر، شام، چین اور حبش کے لوگ عموماً قیام کیا کرتے تھے[1]۔

خانوادہ، والدین اور وطن

حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاںؒ کے والدِ بزرگوار کا نام نامی اسم گرامی حضرت نظام الدین لقب "شیخ الاسلام والمسلمین" ہے آپ کے خاندان کے بزرگ باہر سے تشریف لائے اور قصبہ نگرادن[2] اودھ میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ سرسید احمد خاں بیان کرتے ہیں[3]"

"آپ (حضرت مولانا فخرِ جہاں علیہ الرحمہ) کے والد بزرگوار مولانا نظام الحق والملۃ والدین ساکن موضع نگرادن تھے کہ مضافاتِ لکھنؤ سے ہے بتایا ہے" بعض شجروں[4] میں آپ کا وطن کاکوری لکھا ہوا ملتا ہے۔ مناقب المحبوبین، انوار العارفین اور سلسلۃ الذہب میں کاکوری اور نگرادن دونوں درج ہے مناقب فخریہ، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء[5]۔ خزینۃ الاصفیاء میں صرف اتنا لکھا ہے کہ آپ کا وطن پورب تھا اور وہاں سے تکمیلِ علوم کے لئے دہلی چلے آتے تھے۔ کسی ایک مقام کے متعلق فیصلہ نہیں کیا گیا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے

"وطن اصلی ایشاں در ضلع پورب در قصبہ کاکوری و نگرادن متصل بلدۂ لکھنؤ است[6]"

۱۔ تاریخی مقالات از سید رفیق خلیق احمد نظامی ص ۲۱۲

۲۔ شجرۂ چشتیہ سلیمانیہ فخریہ از مولانا غلام فرید خاں چشتی ص ۳۰

۳۔ آثار الصنادید باب چہارم تذکرہ اہل دہلی ۴۔ برکاتِ اولیاء ص ۱۴۳

۵۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۸۰ ۶۔ مناقب المحبوبین ص ۴۷

مناقب فخریہ تالیف غازی الدین تخلص نظام کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ آپ کا اصل وطن پورب ہے وہاں سے تحصیلِ علم کے لئے شاہ جہاں آباد (دہلی) آئے اور یہاں حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔[1] خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ حدیث میں مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں رح کی ولادت اس طرح درج ہے[2]

"ابن الشیخ نظام الدین الغوری ثم الاورنگ آبادی قدس سرہ العزیز"

اس عبارت سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ آپ کا اصل وطن غور تھا اور وہاں سے وہ یا آپ کے اجداد ہندوستان تشریف لائے تھے۔ حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں رح کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کے واسطہ سے امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سلسلہ حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز تک پہنچتا ہے[3] اور سلسلہ حدیث میں آپ نے اپنے آپ کو صدیقی لکھا ہے[4]۔ باپ کی جانب سے آپ صدیقی تھے اور ماں کی جانب سے سید تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سید بیگم تھا[5] جو نواب نظام الملک آصف جاہ کی اہلیہ محترمہ کی بہن تھیں اور غازی الدین خاں نظام مؤلف "مناقب فخریہ" نواب صاحب کا پوتا تھا۔ آپ بڑی عابدہ، متقی اور پرہیزگار تھیں۔ آپ کے بطن سے دو لڑکے

---

[1] مناقب فخریہ ص ۲۰۲، ۲۰۳ (اردو ترجمہ فخر الطالبین و مناقب فخریہ)

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۸۰ [3] خلاصۃ الفوائد از حکیم محمد عمر صاحب سید پوری

[4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴

[5] شجرۃ الانوار از رحیم بخش (قلمی) و مناقب فخریہ ص ۴۔

اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام محمد اسمٰعیلؒ اور فخر الدینؒ تھے[1]۔ دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جن کے اسمائے گرامی غلام معین الدینؒ، غلام بہاء الدینؒ اور غلام کلیم اللہؒ تھے۔ محمد اسماعیلؒ خواجہ کامگار خاںؒ کے مرید تھے۔ باقی تینوں بھائی اور ایک بہن شاہ فخر الدین فخر جہاںؒ سے بیعت تھے۔

حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی المعروف بہ حضرت الیشاںؒ کے تیسرے فرزند خواجہ محمد خاوندؒ تھے۔ اُن کے دو پوتے خواجہ محمد کامگار خاںؒ اور خواجہ نور الدین پسران خواجہ برہان الدین نقشبندیؒ، سلسلہ چشتیہ کے مشہور و معروف بزرگ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ خواجہ محمد کامگار خان نے اپنے مرشد کا حلیہ احسن الشمائل[2] کے عنوان سے مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ ملفوظات خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ اور مجالس کلیمی بھی آپ کی یادگار ہیں۔

سر سیّد احمد خاں آثار الصنادید (باب چہارم تذکرہ اہل دہلی) میں تحریر کرتے ہیں "آپ (حضرت نظام الدین اورنگ آبادی) اوائل حال میں اورنگ آباد سے دہلی میں وارد ہوئے۔ اگرچہ اوّل میں فقط تحصیل علوم رسمی مدِّ نظر تھی لیکن چونکہ خواستہ تقدیر اور مشیت کردگار تدبیر یہ تھی کہ ان کا خاندان ارشاد و حقائق معارف کے ساتھ موصوف ہو۔ حضرت نافی اللہ باقی باللہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں جن کا سلسلہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی تک پہنچتا ہے فائز ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ انہ لبکہ ذات فائض البرکات اُن کی جامع کمالات صوری و معنوی

---

[1] مناقب فخریہ ص ۵ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۵۔ [2] مخطوطہ احسن الشمائل مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ شفینہ کلکشن نمبر ۵۷/۵۲ / ملفوظات خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی۔ یہ مخطوطہ خانقاہ تونسہ شریف اور آصفیہ و سالار کتب خانہ میں موجود ہے۔ مجالس کلیمی مخطوطہ خانقاہ تونسہ شریف و کتب خانہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری و کتاب خانہ سالار اور پٹنہ یونیورسٹی میں موجود ہے۔

تھی۔ تحصیل علوم ظاہری اور باطنی کی انہیں کی خدمت کی بدولت منصب خلافت سے سرفراز ہوئے اور آخر الامر معاودت کی اجازت پاکر اورنگ آباد کو تشریف لے گئے اور سالہا خلق کو فیضِ باطن کی طرف ہدایت فرمائی اور ۱۱۴۲ھ میں عالم لبقا کو راہی ہوئے۔[1]

خواجہ نور الدین رح حضرت نظام الدین اورنگ آبادی رح کے محبوب مرید و خلیفہ تھے حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رح نے ان کی تعریف نہایت شاندار الفاظ میں کی ہے۔ ایک خط میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو لکھتے ہیں کہ وہ فنا فی الشیخ کے مرتبہ میں تمہارے سب خلفاء سے فوقیت لئے ہوئے ہیں مگر عربی علم اور حاصل کریں تو ایک عالم اس شخص سے روشن ہو جائے۔ عالمے ازیں مرد روشن شود۔ مزید لکھتے ہیں کہ ایسے مرید کے لئے چاہئے کہ مخصوص طریقے پر اس کی باطنی تربیّت کی طرف توجہ کی جائے۔[2] حضرت نظام الدین اورنگ آبادی رح آپ کی باطنی تربیّت میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ اُن کے اسلاف سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھے اور اُن کا سلسلہ حضرت خواجہ خاوند محمود لاہوری المعروف بہ حضرت الیشاں رح کے واسطہ سے حضرت خواجہ سیّد بہاء الدین نقشبند رح سے جاملتا ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کے موجد و بانی ہیں۔ آپ کے مرید و خلیفہ اور احداد حضرت خواجہ علاء الدین عطار رح فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجہ یعنی بہاء الدین نقشبند رح کا طریقہ استقامت و اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اور خلقت کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا منصب رکھتے ہیں۔

ولادت اسم اور القاب

حضرت شاہ فخر الدین رح کی ولادت باسعادت ۱۱۲۶ھ[3] مطابق ۱۷۱۴ء کو بمقام

---

[1] مکتوبات کلیمی: ۳۴، ص ۵۸ [2] مکتوبات کلیمی: ۶۶۴ ص ۵۵

[3] مناقب فخریہ ص ۳۴۔

اورنگ آبادیؒ جب حضرت شاہ کلیم اللہؒ کو اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدینؒ کے یہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے اور اپنا ایک خاص لباس نومولود کے لئے عنایت فرمایا، "مولانا فخر الدین"[1] نام رکھنے کے لئے تحریر فرمایا، اس کے ساتھ اس بچہ کے شاندار مستقبل کی بشارت دی[2] "ایں پسر من است کہ بلدہ شاہجہاں آباد بنور ہدایت خود منور خواہد ساخت۔ ازیں سبب لقب ایشاں بہ مولانا شد" اشارتاً یہ بھی صراحت فرمائی کہ جس فرزند کے متعلق بشارتیں دی گئی ہیں وہ یہی فرزند ہے۔ یہ بچہ ظاہری علوم میں جیّد عالم اور باطنی عرفانی علوم کے لحاظ سے اپنے زمانے میں دہلی کا قطب الارشاد ہوگا[3]۔

بالعمر[4] سات سال مولانا فخر الدینؒ کو کوبُن (قہوہ۔ کافی) کے پانچ دانے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خواب میں عطا فرمائے۔ جب بیدار ہوئے تو یہ دانے ہاتھ میں موجود پائے۔ ان دانوں کو والد محترم کے پیش کر دیا۔ آپ کے والد ماجد باطنی نور سے اس مقصد سے مطلع ہو گئے اور کہا "اے فرزند تنہا نہ کھانا"۔ چنانچہ والد ماجد نے کچھ دانے نوش فرمائے اور باقی مولانا فخر الدینؒ نے کھا لئے۔ آپ کے والد آپ کو بہت پیار کرتے تھے۔ اور اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرتے تھے۔

شہر میں ایک صاحب کمال مجذوب رہتے تھے[5] وہ اکثر حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا فخر الدینؒ کو گود میں لے کر پیار کرتے اور کھلایا کرتے۔ ایک روز انہوں نے چاہا کہ کچھ تصرف سے کام لیں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے ان سے کہا آپ کی توجّہ کا بہت شکریہ لیکن تصرّف سے معاف رکھیں مجھے اس بچے سے بہت کام لینا ہیں۔ محبوبیت کے چمن کا یہ پھول صاحب حال اور

[1] بعض تذکروں میں مولانا محمد فخر الدین آپ کا اسم گرامی لکھا ہوا ملتا ہے۔ [2] مناقب فخریہ ص ۵
[3] مناقب المحبوبین ص ۴۹ (فارسی) [4] مناقب فخریہ ص ۵۔ [5] مناقب فخریہ ص ۵۔

صاحب کمال تھا۔ آپ جو کچھ راز و نیاز رکھتے تھے یہ بات کسی کو حاصل نہ تھی۔

لقب محب النبی کی وجہ تسمیہ

حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں "محب النبی" کے لقب سے مشہور زمانہ تھے اس لقب اور خطاب سے ممتاز ہونے کی یہ وجہ تسمیہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ عرس کے موقع پر حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مزار پُر انوار پر حاضر تھے۔ آپ نے یہ دیکھا کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے آپ کو لنگر سے کچھ تبرک عنایت فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ "تم محب النبیؐ ہو"۔ اس روز سے آپ نے "محب النبیؐ" کے مبارک نام سے شہرت پائی[1] دوسری وجہ جو[2] "مرات ضیائی" میں لکھی ہوئی ہے وہ بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دربار میں اجمیر شریف حاضر ہوئے تو اس وقت ایک صاحب دل بزرگ اپنے کسی کام کے واسطے دربار غریب نواز میں حاضر تھے۔ ان بزرگ کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے بشارت دی کہ ان کو پہچان لو اور آپ کی حاجت ان سے پوری ہوگی۔ ان کا نام "محب النبی" ہے۔ اس بزرگ نے آپ کو تلاش کیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس روز سے آپ اس لقب سے مشہور ہوتے یہ لقب اور خطاب حضرت خواجہ غریب نوازؒ اور حضرت مخدوم چراغ دہلویؒ کے عطا کردہ ہیں[3]

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۳-۱۱۴، مناقب المحبوبین ص ۴۹

[2] مرات ضیائی، حافظ رحمت اللہ خلیفہ مولانا ضیاء الدین جے پوری کی تصنیف ہے۔

[3] مناقب المحبوبین (فارسی) ص ۵۰ اردو خلاصہ ص ۸۸، تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۴ - ۱۳۵

بیعت و خلافت

آپ صغرسنی میں اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے۔ جب آپ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی آپ کے والد ماجد نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔ خرقہ خلافت عطا کرنے کے ایک سال بعد آپ کے والد بزرگوار حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے وصال کا زمانہ قریب آیا۔ اُس وقت قاضی کریم الدین خاں جو حضرت صاحب قبلہؒ کے داماد تھے، حاضر تھے۔ اُن سے کہا کہ میرے فرزند مولانا فخر الدین کو بلا لاؤ۔ انہوں نے بُلا لیا۔ جب آئے تو حضرت صاحب قبلہؒ نے لپٹا لیا اور تھوڑی دیر تک سینے سے لگائے رہے۔ اِدھر تمام باطنی نعمتیں ان کو عطا فرما دیں اُدھر رُوح پُرفتوح عالم قدس کو پرواز کر گئی اور جسم کو آرام مل گیا۔ والد بزرگوار کے وصال کے وقت آپ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ حضرت مولانا فخر الدینؒ اس واقعہ کے پیش آجانے سے بے اختیار گر پڑے۔ یہ سانحہ ۱۱۴۲ھ میں پیش آیا۔[1] آپ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا فخر الدینؒ نے مرتبہ فضیلت و علم حاصل کرنے کے لئے کمر ہمّت باندھی اور تین سال شبانہ روز محنت کر کے تحصیل علم مکمل کر لی۔

"بعد از رحلت آں ہادی المسلمین حضرت مرشد زادہ مرشد آفاق کمر ہمت بر حصول مرتبہ فضیلت بستہ در محنت شبانہ روزے سہ سال تحصیل علم بتمامہ فرمودہ متبحر عظیم بہمر سانیدہ بہ تشریف العلماء"۔[2]

تعلیم و تربیّت

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ آپ

---

[1] مناقب المحبوبین ص۔ ۵ (فارسی) مناقب فخریہ ص۔ ۱، خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۴۹۷۔

[2] مناقب فخریہ ص ۶

کے والد ماجد حضرت نظام الدین اورنگ آبادی خود بڑے عالم تھے۔ آپ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا اور اس وقت کے مشہور و معروف علماء سے ان کی تعلیم کی تکمیل کرائی[1]۔ قرآن شریف اور اس کی تفسیر، شرح وقایہ، مشارق الانوار، مثنوی شریف فتوحات مکیہ، نفحات الانس یہ کتابیں آپ نے اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ اس کے بعد آپ مولانا عبدالحکیم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے ہدایہ پڑھی۔ علاوہ ازیں تفسیر، حدیث، اور فقہ کی بھی تکمیل فرمائی۔ مولانا عبدالحکیم اپنے زمانے کے مشہور فقیہہ تھے۔ توکل اور علمی تبحر دونوں میں معروف تھے۔ تکملہ سیر الاولیاء میں درج ہے:۔

"بزرگے خوب عالم بود۔ در علم فقہ تمام مہارت داشت و ہم توکل بدرجۂ اتم بود"۔

اگرچہ باطنی تعلیم اپنے والد ماجد سے بہت کچھ حاصل کر چکے تھے تاہم حضرت مولانا حافظ اسعد انصاری سے بھی حدیث، تصوف، منطق اور فلسفہ کے علوم پر عبور حاصل کیا اور حدیث کی سند بھی حاصل کی تھی[2]۔ حافظ صاحب شیخ محمد ابراہیم کردی رح کے شاگرد تھے۔ شیخ کردی رح جید عالم اور محدث تھے۔ ان کے حالات کے لئے انفاس العارفین تصنیف شاہ ولی اللہ محدث کی طرف رجوع کریں[3]۔

ان کتابوں کے علاوہ آپ نے فصوص الحکم، صدرا، شمس بازغہ میاں محمد جان رح سے پڑھیں۔ میاں محمد جان اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی تصانیف پر ان کو پورا عبور تھا، وہ فلسفہ وحدت الوجود کے ماہر استاد تھے[4]۔ صاحب کمال اور صاحب نسبت تھے۔ جب کبھی فصوص الحکم کے کسی مسئلہ کو حل کرنے میں مشکل پیش آتی تو ایک دو گھڑی آسمان کی طرف دیکھتے اور اس کے بعد مسئلہ بیان کر دیتے گویا کہ مصنف کی

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶ [2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۸

[3] انفاس العارفین ص ۱۹۸ - ۲۰۰ [4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶

رُوح نے آکر مسئلہ حل کر دیا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ بہت متاثر ہوئے اور چاہتے تھے کہ فلسفہ وحدت الوجود کی تشریح میں خود ایک رسالہ تحریر کریں پھر آپ نے اس ارادہ کو ترک فرما دیا۔ اس خیال سے کہ امام اکبرؒ کے باریک نکات کو عوام خاطر خواہ طور پر نہ سمجھ سکیں گے۔ اور پھر شارح کو بدنام کرنا شروع کر دیں گے اور کہیں گے کہ بزرگوں کے اعتقاد کے خلاف ہے۔

اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں :-

"در مجالس ارشاد کردہ اند کہ عبارت شیخ را مردم کم می فہمند لہٰذا فساد در عقیدہ دارند و مدعائے صاف از عبارت شیخ برآوردن، مشکل است تا کہ تمام کتاب را مطالعہ نکند مدعا بر نمی آید[1]"

آپ ظاہری علوم کی تکمیل میں اس قدر مشغول و مصروف رہے کہ والد محترم کے وصال کے تین سال بعد علم میں فضیلت اور کمالیت حاصل کی۔ درسی کتابوں کے علاوہ دیگر علوم و فنون، طب، تیر اندازی اور فنِ سپہ گری میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ اِن نادر فضیلتوں سے اپنے آپ کو آراستہ کیا۔ طِب کی ایک کتاب اور ایک رسالہ تیر اندازی اپنے والدِ بزرگوار کی زندگی میں خود اُن سے پڑھا تھا۔ ۸ سال[2] تک آپ نے رات دن بڑی بڑی ریاضتیں کیں اور ایسی منزل پر پہنچ گئے کہ حق کے سوا اور کوئی نظروں میں نہ رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی طرف سے لوگ بدگمان ہو گئے اور آپ کے قیمتی اوقات میں خلل ڈالنے لگے۔ حاسدوں نے بڑا کہنے کے لئے اپنی ایک ٹولی بنا لی تھی، مولانا صاحبؒ کے دوستوں کو بہت بُرا معلوم ہوا مگر خدا نے آپ کو حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھا۔[3]

---

[1] فخر الطالبین ص ۳۹ - ۴۰   [2] مناقب فخریہ ص ۱۱

[3] مناقب فخریہ ص ۷ - ۸

ریاضت و مجاہدہ

والد بزرگوار رحؒ کے وصال کے بعد آپ زیادہ وقت عبادات میں گزارتے تھے۔ آپ اپنے حال کی کسی کو خبر نہ دیتے تھے۔ جو لوگ آپ کے قریب تھے ان کو بھی آپ کی ریاضات، عبادات، اور مجاہدات کا علم نہ تھا۔ ایک دن آپ کے پیر بھائی[1] اور ہم شیرہ خواجہ کامگار خانؒ نے آپ سے کہا کہ آپ حلقۂ ذکر منعقد کریں اور ذکر جہر کرایا کریں آپ مسکرائے اور ان سے فرمایا کہ وہ آپ کے واسطے دعا کریں کہ خداوند تعالیٰ اُن کو ان کاموں کی توفیق دیں۔ انہوں نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اُن کو جو دولت و نعمت حاصل ہوئی تھی وہ فوراً سلب ہو گئی اور وہ معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے اُن کو معاف کر دیا اور وہ تمام دولت و نعمت جو سلب ہوئی تھی وہ اور اس کے علاوہ مزید نعمت مرحمت فرمائی۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ نشینی کی بجائے آپ نے ظاہراً لشکر میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپ کی خواہش پر نواب نظام الدولہ ناصر جنگ نے آپ کو عہدہ سپہ سالاری یا نائب بخشی تفویض کیا۔[2]

ملازمت کے دوران نواب نظام الدولہ ناصر جنگ اور ہمت یار خان جو آصف جاہ اوّل کے معتبر سپہ سالاروں میں تھا سے تعلقات پیدا ہو گئے۔ فوج کشی و شمشیر زنی کا موقع ملا اُن دنوں تمام رات ایک چھوٹے سے خیمے میں جسے ہندی زبان میں "پال"[3] کہتے ہیں اوراد میں مشغول رہتے اور دن کے اوقات ظاہرا امور میں صرف کرتے تاکہ کسی کو آپ کے راز کا پتہ نہ چلے دیکھیے آپ کے اعمال چالیس یوم کے ہوتے تھے اس لئے دیگر فوجی سپاہی

---

١ مناقب فخریہ ص ٧-٨ ٢ مناقب فخریہ ص ٦

٣ مناقب فخریہ ص ١٢۔ "پال" کپڑے کی چھولداری کو کہتے ہیں جو بانسوں پر کھڑی کی جاتی ہے۔

حیران ہو کر آپ سے اتنے دن تک لباس تبدیل نہ کرنے کی وجہ پوچھتے اور آپ کسی نہ کسی بات سے خاموش کر دیتے۔ آپ نے آٹھ سال تک بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دیتے۔ آپ انتہائی سخت ریاضت اور محنت کرتے۔ اپنی زبان مبارک سے فرماتے "مَیں تمام رات یال میں تنہا بیدار اور یادِ خدا میں مشغول رہتا ہوں پھر دوسرے ظاہر کاموں کی طرف بھی متوجہ رہنا پڑتا ہے مگر خدا کی یاد سے غفلت نہیں رہتی۔ یہ خدا ہی کا احسان ہے۔"

صاحب فخر الطالبین لکھتے ہیں "درین ایّام خود غیر دید چیزے نیست فقط دید باقی است و باقی مشغولی خود را در ایام سالبقہ می کردم۔" [1]

جو لوگ آپ کی ظاہری حالت کو دیکھتے وہ کبھی اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ ایک "ولی اللہ" ہیں جس کے روحانی مراتب بہت بلند ہیں جس قدر آپ درویشی کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اتنی ہی اور شہرت ہوتی جاتی تھی۔ آخر مستعفی ہو کر اورنگ آباد میں والد بزرگوارؒ کی خانقاہ میں سارا وقت گزارنے لگے چنانچہ صبح سے دوپہر تک بیرونی دالان میں فراغت کے وقت آرام کے لیے قیام کرتے۔ ایک دن دل میں خیال آیا کہ جہاں آباد (دہلی) کی طرف جانا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت شیخؒ نے کبھی فرمایا ہے لیکن یہ خیال آیا کہ حضرتؒ کی خانقاہ کو چھوڑ کر کیسے جائیں۔ آپ نماز میں تھے کہ آپ کے کان میں یہ آواز آئی ع

"بند بگسل آزاد اے پسر"

(مولانا جامیؒ)

(ترجمہ) اے بیٹا! تعلقات چھوڑ کر آزاد ہو جاؤ۔ مولانا جامیؒ کے مذکورہ مصرعہ نے آپ

---

[1]: فخر الطالبین ص ۱۱۔

کے ارادے میں استقلال اور پختگی پیدا کر دی - اور اورنگ آباد کو چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔ اس کے علاوہ خواب میں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھا اور اورنگ آباد کو چھوڑنے کا حکم مل گیا ؎

شہِ اقلیم فقرم بے خودی تخت روانِ من
نہ چوں فرہاد مزدورم نہ چوں مجنوں زمیندارم [1]

گویا آپ کو دہلی جانے کی اجازت مل گئی۔

یہاں یہ بیان صاحب مناقب فخریہ کا یہ بیان بے محل نہ ہوگا کہ ہمت یار خاں جو لشکر میں آپ کا عقیدت مند تھا اور بہت سی اہم جنگوں میں اُن کا ساتھی بھی رہا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ لشکر سے علیحدہ ہو جائیں اس کو کیمیا کا نسخہ معلوم تھا چنانچہ جب ضرورت پیش آتی فوج کی تنخواہوں کی ادائگی کے وقت کام میں لاتا۔ ایک دفعہ وہ حضرت مولانا صاحب قبلہؒ کے پاس آیا اور بڑی منت سماجت سے عرض کیا کہ میں نے آپ کو بڑا امانت دار اور سچّا پایا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یہ چیز آپ کے پاس محفوظ رہے گی آپ کسی پر اس کا راز فاش نہ کریں گے اس لئے کیمیا کا نسخہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں زندگی فانی کا کچھ بھروسہ نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اس راز کو سینے میں لے جاؤں اور یہ علم دنیا سے نا پید ہو جائے۔ حضرت مولانا صاحب قبلہؒ نے انکار کر دیا اور ہر چند ہمت یار خاں نے اصرار کیا مگر حضرت مولانا صاحب قبلہؒ نے نسخہ معلوم کرنے اور راز داری برتنے پر آمادہ نہ ہوئے [2]

آپ کے استاد مولوی عبد الحکیمؒ کی کافی اولاد تھی اور فقر و تنگ دستی کے عالم میں دن بسر کرتے تھے مگر اُن میں توکل بے انتہا تھا۔ غریبی کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی جامہ نہ ہوتا

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۹   [2] مناقب فخریہ ص ۹

تو صرف ایک ضمیمہ میں گزارہ کر لیتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں سے کسی نے کیمیا کا نسخہ آپ کو دیا۔ آپ نے اس شخص کے سامنے اس پر عمل کیا تو وہ درست ثابت ہوا۔ استاد صاحب نے حضرت فخر العاشقین سے کہا کہ میرے ہاتھ اکسیر کی ترکیب آ گئی ہے۔ آپ بھی سیکھ لیں حضرت مولانا قبلہ نے فرمایا کہ مجھے اس چیز کی خواہش نہیں۔ آپ نے بہتیرا سمجھایا لیکن آپ نہ مانے۔ اس کے بعد استاد صاحب اپنے گھر گئے تو ان کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ گو اس وقت یہ طلائی درست ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ سو سال کے بعد خراب ہو جائے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے اور آخرت میں پکڑ ہو۔ اس خیال کے آتے ہی استاد صاحب نے اکسیر کو کنوئیں میں پھینک دیا اور نسخہ کو پارہ پارہ کر دیا[1]

مقدّس مقامات کی زیارت

ایک دن آپ اپنے دو ملازم شیدی قاسم (حبشی غلام) اور محمد حیات کو ساتھ لے کر پیدل دہلی چل دیئے۔ مناقب فخریہ میں آپ کی روانگی کا سن ۱۱۶۰ھ درج ہے[2] مناقب المحبوبین میں ۱۱۶۵ھ لکھا ہے[3]۔ نواب غازی الدین خاں تخلص نظام کی مثنوی "فخریۃ النظام"[4] کے ذیل اشعار سے اس کی تائید ہوتی ہے ؎

بود سالے کہ فرح و میموں
شہت و پنج[۱۱۶۵] و ہزار و صد افزوں
فخر دیں با قدوم سعد و سعید
دہلی کہنہ را نوا بخشید

دہلی میں ایک بڑھیا نے آپ کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ پھر حضرت شیخ

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۰ [2] مناقب فخریہ ص ۹ [3] مناقب المحبوبین ص ۵ (فارسی) پس در دہلی در سنہ یازدہ صد و شصت و پنج ہجری رسیدند [4] فخریۃ النظام نایاب ہے۔

قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہاں کی مسجد میں معتکف ہو گئے۔ اس کے بعد اپنے سلسلہ کے دیگر بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مزار پر گئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے فرزند نہایت محبت سے پیش آئے۔ تین دن ان کے مہمان رہے۔ اس کے بعد کٹڑہ بیلیل میں حویلی کرائے پر لے لی۔ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ دُور دُور سے لوگ آپ کی خدمت میں آنے لگے اور شرف بیعت سے مشرف ہوتے آپ کے قیام دہلی کے زمانہ میں خواجہ نور محمد مہارویؒ آپ کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئے۔ مناقب المحبوبین میں درج ہے[1] کہ خواجہ نور محمد مہارویؒ قبلہ عالم فرمایا کرتے تھے "اوّل کسیکہ بیعت از مولانا در دہلی کرد من بودم"۔ اُن کے بعد حافظ خورم، حافظ محمد قاسم جو شاہ عالم بادشاہ کے امام جماعت تھے ان کے مرید ہوئے۔ مرزا احسن اکبرآبادی مرزا دہلوی جو فنون سپہ گری میں یگانہ روزگار تھے بھی آپ کے مرید ہو گئے[2]۔ پھر شاہی خاندان کے اکثر افراد آپ سے بیعت ہوئے۔ ابتداء ہی میں مغل شہزادہ ابوالنصر معین الدین بھی آپ کا مرید ہوا۔

خلاصۃ الفوائد میں حضرت قبلۂ عالم مہارویؒ سے منقول ہے کہ حضرت مولوی صاحب قبلہ فخر جہاںؒ جب دہلی تشریف لائے تو چند ماہ یہاں قیام فرمایا۔ ۱۲ ذلیقعد کو اپنے والد گرامی کا عرس کیا۔ ۱۴ ماہ مذکورہ کو پاکپتن شریف کا قصد کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ دکن سے روانگی کے وقت آپ نے اجمیر شریف میں قیام کیا تھا۔ دہلی میں قیام کے دوران اپنے سلسلہ کے سب بزرگوں کے مزارات پر حاضری دے چکے تھے۔ مگر

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۸۳ (فارسی) مناقب فخریہ ص ۱۰

[2] مناقب فخریہ ص ۱۰، تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۱ - ۱۱۲

حضرت بابا صاحبؒ کے مزار پر حاضری نہ ہوئی اس لئے پاک پتن شریف کا ارادہ کیا۔ حضرت مولوی صاحب قبلہ فخر جہاںؒ کے ہمراہ خواجہ نور محمد مہارویؒ بھی تھے۔

امام ناصر الدینؒ کے مزار کے طواف کی سعادت حاصل کرنے کے لئے سونی پت اور سید شمس الدین ترکؒ اور حضرت شرف الدین بوعلی قلندرؒ کی زیارت کے لئے پانی پت تشریف گئے۔ حضرت شیخ اسماعیلؒ، میر کلو اور خوشحال غلام کی معیت میں درگاہ حضرت بوعلی قلندر کی قیام فرمایا۔ چونکہ حضرت مولانا صاحب قبلہؒ پا پیادہ سفر طے فرما رہے تھے۔ اور پانی پت پہنچنے تک آپ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ پانی پت میں تین چار روز قیام کیا تاکہ پاؤں سفر طے کرنے کے قابل ہو جائیں۔ جب پاؤں کچھ درست ہوئے تو پاک پتن شریف کی طرف چل پڑے۔ جس سے چھالے پھر بھر آئے۔ اس پر آپ نے خواجہ نور محمد مہارویؒ سے فرمایا کہ کہیں سے کوئی سواری کا بندوبست کیا جائے کیونکہ پیدل چلنے کی اب تاب نہیں۔ حسب الارشاد ایک گھوڑا کرایہ پر لیا۔ گھوڑے کے مالک سے کرایہ طے پایا لیکن اس کے بعد بھی آپ گھوڑے پر سوار ہونے کی بجائے پیدل چلتے رہے۔ گھوڑے کے مالک نے جب یہ دیکھا تو اسے فکر ہوا کہ کہیں اس کا کرایہ مارا جائے۔ اس نے دوبارہ عرض کیا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ حضرت مولانا صاحب قبلہؒ نے اپنے ساتھی خواجہ نور محمد مہارویؒ سے فرمایا کہ اس کو کرایہ ادا کر دو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی پھر آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا اب تو خاطر جمع رکھ، تیری مزدوری مل گئی ہے۔ اور آپ اسی طرح پیدل چلتے رہے۔ اس کے بعد کچھ دیر کے لئے گھوڑے پر سوار ہو گئے لیکن راستے میں دیکھا کہ ایک شخص ایک بوڑھی عورت کے پاس کھڑا ہے وہ رو رہا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا کہ میری والدہ ضعیف ہے اور وہ ضعیفی اور کمزوری کی وجہ سے چلنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ آپ اسی وقت گھوڑے پر سے اتر پڑے اور بڑھیا کو گھوڑے پر سوار کر دیا۔ خود انہیں

آبلوں کے ساتھ پیدل چلنے لگے۔ آخر پاک پتن حاضر ہو کر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی درگاہِ عالیہ میں حاضری دی اور رُوحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے[1]۔

خلاصۃ الفوائد میں مرقوم ہے کہ حضرت مولانا صاحب قبلہؒ دو مہینے اور گیارہ دن پاک پتن شریف ٹھہرے۔ پاک پتن شریف میں دیوان شیخ محمد یوسف سجادہ نشین تھے انہوں نے نہایت محبّت و شفقت کا سلوک کیا۔ حضرت مولوی صاحب قبلہؒ نے مزار کے قریب ایک حجرہ میں قیام کیا اور عبادت میں مشغول رہنے لگے اور ہر شب کو ایک ہزار رکعت نوافل نماز ادا کرتے تھے[2]۔

لاہور بھی تشریف لائے اور حضرت سیّد محترم اللہ نقشبند[3] کے مزار کی زیارت کی۔ حضرت مخدوم داتا گنج بخشؒ ہجویریؒ کے مزار پر معتکف رہے۔ فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ لاہور سے رخصت ہونے سے تین روز قبل آپ درگاہ حضرت میاں میرؒ تشریف لے گئے اور زیارت سے مشرف ہوئے وہاں بھی چند دن معتکف رہے۔

* * * * *

---

[1] ماخذ مناقب المحبوبین، تکملہ سیر الاولیاء، تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی، مناقب فخریہ، گلشنِ ابرار از خواجہ امام بخش [2] تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۱۲ [3] حضرت خواجہ محترم اللہ نقشبندؒ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے پیر و مرشد تھے۔ آپ نے ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۰ء) میں وفات پائی۔ آپکا مزار جی ٹی روڈ (نزد شاخ دلیبارٹری) لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

باب دوئم

حضرت شاہ فخر جہاںؒ دہلوی کی علمی، دینی اور ادبی خدمات

حضرت شاہ فخر جہاںؒ دہلوی کے نظام سلسلہ اور تبلیغی مساعی کی تحقیق سے یہ علم ہوتا ہے کہ آپ کے مدرسہ کی تعلیم اتباعِ سنت و عمل بر کتاب تھا اور تبلیغی سلسلہ میں آپ کا مسلک بزرگانِ چشت کی پیروی تھی۔ اکثر مشہور خلفاء و مریدین اور عقیدت مند آپ کے مدرسہ کے طلباء ہی تھے۔ جنہوں نے آپ کے مدرسہ سے رُوحانی تربیت اور سلوک کی تعلیم حاصل کی جو اس تحریک کا محور و مدار تھا۔ اور آپ کی درسگاہ کا خاص حصّہ تھا۔ دُور دراز ملک کے حصّوں میں جاکر سلسلہ نظامیہ کی مستقل خانقاہیں قائم کرائیں اور رشد و ہدایت کی شمع کو فروزاں کیا، ہزاروں انسانوں نے آپ کے وسیلہ سے روحانی تعلیم و تربیت اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔

تدریس ظاہری و باطنی میں آپ مصروف رہتے تھے اور سلسلہ نظامیہ کی شاندار درسگاہ جسے حضرت شیخ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ نے خانم بازار (دہلی) میں قائم کی تھی، کو وسعت و ترقی دی۔ آپ نے ارشاد و تلقین اور روحانی تعلیم و تربیت کا ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ سارا ملک آپ کی شعلہ نفسی سے گرم ہوگیا۔ سلسلہ نظامیہ کی نئی زندگی کا آغاز ہُوا۔ آپ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔ جو آپ کی خانقاہ میں ایک دفعہ آجاتا تھا، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ کے مجاہدات و ریاضات، کشف و کرامات، رشد و ہدایت، اخلاق و محبت، خطبات و مواعظ اور قدرت و مہارت سے مسلم و غیر مسلم دونوں قومیں متاثر ہوئیں۔ غیر مسلم کُفر کی تاریکی سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آتے اور مشرف بہ اسلام ہو جاتے تھے۔

حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ زیادہ وقت درس و تدریس اور عبادات میں گزارتے تھے۔ جو مریدین اور عقیدت مند آپ کے قریب تھے ان کو بھی آپ کی ریاضات اور مجاہدات کا علم نہ ہوتا تھا۔

دہلی کی ممتاز درس گاہیں

اس پُر آشوب اور بدامنی کے دَور میں دہلی میں سینکڑوں درسگاہیں تھیں لیکن "مدرسہ رحیمیہ"، "مدرسہ بازار خانم" اور "مدرسہ اجمیری دروازہ امتیازی شان رکھتے تھے۔

مدرسہ رحیمیہ کو شیخ عبدالرحیمؒ[1] نے دہلی میں اس مقام پر قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس درس گاہ میں حدیث نبویؐ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں درسِ حدیث دینا شروع کیا۔ ان کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور علم حدیث کے درس کو جاری رکھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ابھی نوجوان ہی تھے کہ آپ کو گوناگوں امراض لاحق ہو گئے جس کی وجہ سے بینائی پر اثر پڑ گیا۔ اس وجہ سے مدرسہ کا کام حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر کے سپرد کر دیا۔

---

[1] آپ کی پیدائش ۱۰۵۶ھ میں بمقام دہلی ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ وجیہ الدین تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کو تالیف و تصنیف کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ حسب ذیل رسالے آپ کی یادگار ہیں:۔

(۱) انفاسِ رحیمیہ۔ مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ جو آپ کے فرزند تھے نے ان مکتوبات کو جمع کیا (۲) ارشاد رحیمیہ فن تصوف اور سلوک میں ایک مفید جامع رسالہ ہے (۳) حضرت شیخ تاج الدین سنبھلیؒ کے ایک رسالہ تصوّف کا (جو عربی زبان میں تھا) فارسی زبان میں ترجمہ کیا جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے والد سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے جس کا ذکر "انفاس العارفین" اور "الانتباہ" میں ملتا ہے۔

زیادہ تر یہی دونوں بھائی طلبہ کو درسِ حدیث دیتے تھے۔ خود بھی درسِ حدیث دیتے تھے مگر تصنیف و تالیف، فتویٰ و وعظ کا کام بھی برابر جاری رہا۔ دہلی کے علمائے کرام اس درس میں شامل ہوتے اور فیض یاب ہوتے۔

علامہ دہلوی (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ) جمعہ اور سہ شنبہ کے روز مجلسِ وعظ اپنے مدرسہ میں منعقد کیا کرتے تھے۔ یہ وعظ کافی دیر تک جاری رہتا تھا۔ علمائے کرام تفسیر بیضاوی، تفسیر نیشاپوری، کشاف اور دیگر تفاسیر مشکلہ اپنے سامنے رکھتے تھے اور سمجھ لیتے تھے کہ اس وقت فلاں اشکال کو فلاں تفسیر میں حل فرمایا گیا ہے۔ کئی بار یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس شخص کے دل میں کسی قسم کا اعتراض یا شبہ آتا تھا آپ کی تقریر سے وہ شخص مطمئن ہو جاتا تھا۔ آپ کے فیضِ صحبت سے اکثر غیر مسلم مسلمان ہو جاتے تھے۔[1]

دوسرا مدرسہ "بازار خانم دہلی" میں تھا۔ اس مدرسہ کے بانی حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ تھے۔ چونکہ آپ دہلی میں رہتے تھے اور دہلی شاہ جہاں بادشاہ نے بسائی تھی اور اسے شاہ جہاں آباد کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے آپ جہاں آبادی مشہور ہو گئے۔ علاوہ ازیں جہاں آبادی شاہ جہاں آبادی کا مخفّف ہے۔ اس مدرسہ میں درسِ حدیث کو بہت اہمیت تھی۔ اور یہ روحانی تعلیم و تربیت کا مرکز تھا۔ سلوک کی تعلیم اس مدرسہ کا خاص حصّہ تھا حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے وصال کے بعد اس مدرسہ کے نگران آپ کے سجادہ نشین ہوتے جو آپ کی اولاد امجاد سے تھے۔ انہوں نے حدیث کے درس کو جاری رکھا۔[2]

تیسرے مدرسے کا نام "مدرسہ اجمیری دروازہ" تھا۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا فخر جہاںؒ سن ۱۱۶۰ھ[3] میں اورنگ آباد سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں قیام

---

[1] تذکرہ علمائے حق" ترجمہ اعجاز احمد خاں سنگھانوی ایم اے ص ۴۶ ۲ – [2] انوار العارفین ص ۴۴۳

[3] مناقب فخریہ ص ۹، مناقب المحبوبین میں ۱۱۶۵ھ لکھا ہے (ص ۵۰) اور "فخریۃ النظام" مثنوی نواب غازی الدین میں سن ۱۱۶۵ھ لکھا ہوا ملتا ہے۔

گئے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ نے پاک پتن شریف جانے کا ارادہ کیا۔ پاک پتن شریف سے جب دہلی واپس آئے۔ محلہ کٹڑہ پھلیل میں حویلی کرایہ پر حاصل کی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بعد میں آپ اجمیری دروازہ والے مدرسہ میں منتقل ہو گئے۔[۱] اجمیری دروازہ کے مدرسہ کے بانی امیر غازی خاں فیروز جنگ تھا۔ یہ درس گاہ "مدرسہ کرکر" کے نام سے بھی عوام میں پکاری جاتی تھی۔[۲] اِس مدرسہ کے قرب میں امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ کا مزار ہے اور مقبرہ تعمیر ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی۔ غازی الدین نے یہ مقبرہ اور مدرسہ اپنی زندگی ہی میں تعمیر کرایا تھا۔ اورنگ زیب اور اُس کے لڑکے شاہ عالمگیر دوم کے عہد میں غازی الدین خاں ایک معزز اور موثر امیر تھے۔ ان کا اصلی نام میر شہاب الدین تھا اور لقب "فرزندِ ریائ زنگ غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ تھا۔ اُن کے والد کا نام "یلیچ خان خواجہ عابد تورانی ہے۔ ان کا انتقال احمد آباد میں ۱۱۲۲ھ / ۱۷۱۰ء میں ہُوا۔ اُن کا جسدِ خاکی دہلی لایا گیا اور موجودہ جگہ پر دفن کر دیا گیا۔ اس کے عقب میں نواب امین الدین خاں (وفات ۱۱۳۳ھ / ۱۷۴۸ء) کے مقبرے ہیں۔ باپ بیٹا دونوں محمد شاہ بادشاہ کے وزیر رہے ہے۔

"آثار الصنادید[۳]" میں درج ہے "قرب ۱۲۲۶ھ کے اوس مقبرہ و مدرسہ کے گرد بھی شہر پناہ سرکار کے حکم سے بناتی گئی اور اوس نئے شہر پناہ کے بُرج پر سنگِ مرمر میں کتبہ کھود رکھا ہے۔ برج اکبر شاہ"

---

[۱] مناقب فخریہ ص ۲۰   [۲] مآثر الامرا ج ۲ ص ۲۷۲

[۳] آثار الصنادید تصنیف سر سید احمد خاں ص ۱۳۲-۱۳۳

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں کا مصنف[1] بیان کرتا ہے "امیر غازی الدین نواب آصف جاہ بانی خاندان حیدرآباد (دکن) کے والد بزرگوار تھے۔ یہ وہ علم پرور خاندان ہے جس کے فیضِ کرم سے آج بھی ہندوستان کا گوشہ گوشہ سیراب ہو رہا ہے"

بعض تذکروں کے مطالعہ سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ اجمیری دروازہ کے باہر کی جانب دو مدرسے تھے۔ "مدرسہ کلاں اور مدرسہ خورد" یہ دونوں مدرسے حضرت مولٰنا صاحب قبلہؒ کی نگرانی میں تھے۔

مدرسہ خورد میں نواب غیاض الدین خاں[2] سکونت پذیر تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے۔ مدرسہ کلاں میں حضرت مولانا صاحب قبلہؒ درس دیا کرتے تھے۔ اِس دارالعلوم میں درسی کتابوں کی تعلیم کے علاوہ آپ کی تمام تر کوشش علم حدیث، تصوف اور روحانی تربیّت کی طرف ہوتی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد اِس مدرسہ کے مستقل نگران اور ناظم قبلہ حاجی لعل محمد صاحبؒ مقرر ہوئے۔ سلوک اور روحانی تعلیم و تربیّت کے علاوہ آپ مسلمانوں کی ذہنی زندگی سنوارنے میں اور دینی احساس کو بیدار کرنے میں خاص توجّہ دے رہے تھے۔ اور خانقاہ کی عظمت و شوکت کو بحدِ امکان اُجاگر کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ طلبہ و مریدین کو قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد کی تعلیم دیتے تھے۔ صحبت و بیعت کے ذریعہ سیرت کی پختگی، کردار و عادات کی بلندی اور جذبہ اخلاص و محبّت پیدا کرتے تھے۔

---

[1] ہندوستان کی قدیم درس گاہیں از مولوی ابوالحسنات ندوی، ص ۲۳

[2] شجرۃ الانوار میں لکھا ہے "در مدرسہ خورد نواب غیاض الدین خان مرحوم کہ بیرون اجمیری دروازہ واقع است سکونت ورزیدند و ارشاد و تدریس اشتغال نمودند مرجع خاص و عام شدند"۔ یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ مدرسہ اجمیری دروازہ کے دو حصّے تھے مدرسہ خورد و کلاں۔

تعلیمات اور درس و تدریس

درسِ حدیث

مشائخ چشت عبادت گزار، تقویٰ شعار اور علم و اخلاق کے علمبردار تھے ان مشائخ کی پوری زندگی اتباعِ کتاب و سنّت کے مطابق تھی۔ ان کا ہر قدم رضائے الہٰی کی طلب میں اُٹھتا تھا۔ اُن کے ہر عمل کا منشا رضا کی خوشنودی تھا۔ اُن کی نماز، ان کی قربانی، ان کی زندگی اور ان کی موت سب رب العالمین کے لئے ہوتی تھی۔ اِس بات کے عامل بھی تھے کہ جو سنت کی پیروی میں جتنا قریب ہے اور جو اتباعِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں جتنا زیادہ جذبہ رکھتا ہے اتنا ہی وہ بزرگی میں افضل و اعلیٰ ہے۔ مشائخِ چشت میں احادیث نبویؐ پر خصوصی توجہ دیتے اور اپنی مجالس میں احادیث کو بیان فرماتے تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ شریف کو ان مرکزوں میں خاص مقبولیت حاصل تھی۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کچھ عرصہ حجاز میں مقیم رہے پھر حضرت شیخ یحیٰ مدنی رح سے خرقۂ خلافت پاکر دہلی تشریف لائے اور بازار خانم میں اقامت پذیر ہو گئے اِس مقام پر آپ نے درس و تدریس اور خدمتِ خلق کا آغاز کیا۔ اور سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام جس کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا پھر سے ایک مرکز کے تابع کیا۔ آپ کی یہ عظیم الشان خدمت ہندوستان میں تبلیغ و ترویجِ اسلام کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔

آپ شریعت و طریقت کے متبحر عالم تھے اور اس مدرسہ (بازار خانم) میں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے[۱]۔ اور آپ کے خلیفہ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی مجلس میں قبل از نماز عصر مشکوٰۃ شریف پڑھی جاتی تھی[۲]۔ آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت فخر جہاںؒ دہلوی اپنے مدرسہ میں مشکوٰۃ شریف، صحیح بخاری اور صحیح مسلم تینوں

---

[۱] انوار العارفین ص ۲۴۳۔ [۲] احسن الشمائل (قلمی نسخہ) تصنیف خواجہ محمد کامگار خاںؒ مرید و خلیفہ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ (استفادہ)

کا درس دیتے تھے [1]

حدیث کی تعلیم روحانی جدوجہد کا مرکز و محور ذاتِ نبوی تھی بنا بریں آپ کے مشائخ چشت حدیث سے واقفیت اور اس پر عمل روحانی مقاصد کے حصول کے لئے انتہائی ضروری خیال کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے مریدین و منسلکینِ سلسلہ کو ہدایت فرماتے تھے کہ راہِ سنت پر سختی سے گامزن ہوں تاکہ منزل مقصود تک پہنچ سکیں، جس نے سنتِ نبوی اور شریعتِ محمدی کو نظر انداز کیا وہ راہِ سلوک میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ فرماتے ہیں [2] کہ ہمارے شیخ محب النبی مولانا فخر الدین دہلویؒ علم حدیث کے صرف عالم نہیں بلکہ اعلم تھے۔ اور اس کی تعلیم و تدریس کے انتہائی محب تھے، صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے لیکن بایں طور کہ مقام درس پر گلاب چھڑکتے اور لوبان وغیرہ سلگاتے پھر ایک حدیث یا دو حدیثیں پڑھا کر اُن کے الفاظ و معنی کی تحقیقیں اور ان سے استنباطِ مذاہب کا بیان فرمانا شروع کرتے۔ یہ درس ظہر کی نماز کے بعد عصر کے وقت داخل ہونے تک رہتا تھا یہی تصوف اور اندازِ فکر اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا کہ اس کا مقابلہ کوئی طاقت نہیں کر سکتی تھی۔

اس مقام پر ایک قول کا بیان کرنا بے محل نہ ہوگا انگلستان کا معروف مستشرق ایچ۔ اے۔ آر گب بیان کرتا ہے کہ تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا، اور اس کو

---

[1] فخر الطالبین ص ۱۳۱۔ [2] ترجمہ انوار جمالیہ مؤلفہ حافظ عبد العزیز پرہاروی ص ۲۲/۲۳ مجموعہ ملفوظات حضرت محمد جمال ملتانی۔ مطبوعہ مکتبہ جمال چک نمبر R-۱۰/۱۴ جہانیاں ضلع ملتان

ئی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر پاتی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن، کتب حدیث اور کتب تصوف خاص کر متقدمین صوفیہ کے حالات کا مطالعہ اور اندازِ فکر قوت اور توانائی بخشتا ہے اور دینی تعلیم، تربیت اور سلوک مشائخ چشت کی درس گاہوں کا حصہ بن چکا تھا جو ملت کے تنِ مردہ میں زندگی کی تازہ روح پھونک دیتی تھی جس کا اعتراف غیر مسلم بھی کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

درسِ تصوف اور کتبِ تصوف سے روشناسی

مشائخ چشت کی درس گاہوں میں حدیث کے بعد کتبِ تصوف خاص کر متقدمین صوفیہ کے حالات کا مطالعہ بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ عوارف المعارف، کیمیائے سعادت، قوت القلوب، روح الارواح، کشف المحجوب، نفحات الانس، فصوص الحکم، تذکرۃ الاولیاء، لمعات، شرح لمعات، لوائح اور شرح لوائح کے مطالعہ کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی اور سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی تھی۔ ان کتب کے علاوہ حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاں رح کے درس میں ایسی کتابیں بھی پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں جن سے مزید جذبہ عشق پیدا ہو، شریعت کی حدیں بھی مدِ نظر ہوں، شریعت اور طریقت کے بنیادی تعلقات بھی واضح ہوں اور سلسلہ چشتیہ کا مرکز نظام جو عرصہ دراز سے ٹوٹ چکا تھا پھر سے بحال ہو۔ اس کے نتیجے میں بہت سی کتابیں وجود میں آئیں جن کی بنیاد تصوف کی مشہور کتابوں پر تھی تاکہ مریدین اور عقیدت مند تصوف سے روشناس اور عاقل ہوں۔

حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رح کی تصانیف عشرہ کاملہ سواء السبیل، کشکول، مرقع، تسنیم اور الہامات کلیمی، حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کی نظام القلوب

اور حضرت مولانا فخر الدین کی نظام العقائد، رسالہ مرجیہ اور فخر الحسن منظر عا
پر آئیں - یہ سب کتابیں تصوّف سے تعلق رکھتی ہیں - ان میں تصوّف کے
مختلف علمی اور عملی پہلوؤں پر نہایت عالمانہ اور دلچسپ گفتگو کی گئی ہے۔ کشکو
مرقع شریف اور مکتوباتِ کلیمی خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں ۔

کشکول

کشکول کو سب کتابوں سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب ۱۱۰
میں لبعض احباب کی فرمائش پر لکھی گئی۔ کشکول میں حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ نے اذکار
اعمال کی وضاحت، طریق تلقین، ذکر، مراقبات اور راہِ سلوک بیان کرتے ہیں۔ خواجہ گل مح
احمد پوری رح صاحب تکملہ سیر اولیاء لکھتے ہیں

ہر آں کو لقمہ زیں کشکول ما خورد   قلندر گشت از دو جہاں برد

ہر آں کو ایں مرقعہ کرد بر دوش   بجاناں بے گماں گردا ہم آغوش

(ترجمہ) جس کسی نے ہمارے کشکول سے ایک لقمہ بھی کھالیا وہ قلندر بن گیا اور دونوں جہا
میں سرخرو ہوا اور جس کو ہم نے خرقہ پہنایا وہ محبوبِ حقیقی سے ہم آغوش ہو گیا۔

مرقع

یہ کتاب روحانی تعلیم و تربیت کی آئینہ دار اور راہنما ہے۔ اسے مشائخ چشت کے
"دستور العمل" کی حیثیت حاصل ہے اور مکمل طور پر ضابطۂ روحانی کی شکل اختیار کر چکی ہے
مطالعہ سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کشکول کا کچھ حصّہ معلوم ہوتی ہے۔ صوفیاء متقد
نے جو درجہ فوائد الفواد اور کشف المحجوب کو دیا ہے وہ ہی مقام اِس کتاب کو حاصل ہے ا
متاخرین اِس کتاب کو سرمایۂ حیاتِ رُوحانیت بیان کرتے ہیں۔

مکتوباتِ کلیمی

حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنے مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ حضرت خواجہ نور الدین[1] نقشبندیؒ۔ حضرت خواجہ محمد کامگار خان[2]ؒ اور دیگر اعزہ و اقارب کو گاہے بگاہے تحریر فرمائے اور رشد و ہدایت سے نوازا۔ خلفاء اکثر ہدایات حاصل کرتے رہتے تھے۔ تصوّف کے صحیح مفہوم سے آگاہ ہوئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ مکتوباتِ کلیمی میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر بکثرت درود شریف بھی کریں کیونکہ یہ سب سعادتوں سے بڑی سعادت ہے۔ اِس کے علاوہ کتبِ سلوک، نوارِ نخ مثلاً نفحات، تذکرۃ الاولیاء لمعات، شرح لمعات، لوائح اور شرح لوائح کا مطالعہ بھی کریں، فرماتے ہیں۔

"مرید وہ ہے جو اپنے شیخ کی محبّت کو دین و دُنیا کی تمام سعادتوں اور خوش بختیوں کا باعث خیال کرے۔ مریدوں کے باطنی احوال کی طرف توجہ دیں کیونکہ سیر و سلوک کوہ و دشت نوردی کا نام نہیں بلکہ صفاتِ بشریت سے صفاتِ الوہیت کی سفر کا نام ہے۔ میرے بھائی! شیخیت متابعت کا نام ہے نہ کہ تابعیت کا، جہاں تک ہوسکے دُنیا داروں کی متابعت اختیار نہیں کرنی چاہیئے خواہ وہ کتنے مخلص ہوں کیونکہ درویش تابعیت کی حالت میں درویش نہیں رہ سکتا اور اپنے متعلقین اور مُنسلکین کو آداب و احترام کی تعلیم دو۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقِ تعلیم بھی یہی تھا۔"

"فرمانِ خداوندی اور دینِ محمدی کی ترقی اور بلندی کی خاطر ہر جگہ ہر وقت اور ہر حالت

---

[1]، [2] آپ حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ نقشبندی خاندان سے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی اولاد سے ہیں چشتیہ سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ خانقاہیں قائم کیں اور فروغ دیا ۞

میں جد وجہد کرتے رہو۔ اپنی جان ومال کو اس کی راہ میں بے دریغ صرف کردو۔"

"اُمراء اور سلاطین کی نذریں قبول نہ کرنا یعنی رد کرنا اگر محض رضائے خدا اور رسول کے لئے ہے تو قابلِ تعریف وتحسین ہے ورنہ مذموم ہے اور ملعون۔"

آپ کے مکتوب میں تحریر تھا:۔

"بادشاہ دکن نواب غازی الدین خاں نے مجھے طلب کیا مگر میں نہ گیا۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ نہ گئے اگر اُسے فقراء سے دلی محبت اور درویشوں سے سچی ارادت وعقیدت ہوتی تو وہ خود آپ کے در پر حاضری دیتا خود آرائی ہرگز نہ کرتا۔"

حضرت مولانا فخرالدین فخرِ جہاںؒ اور اُن کے خلفاء اپنے مشائخ کی حیثیت کی پیروی میں بادشاہوں کے دربار سے گریزاں اور قربِ سلطانی کو آتشِ سوزاں جان کر کنارہ کشی اختیار کرتے تھے لیکن بایں ہمہ ضروریات کے وقت ملکی حالات کی آراستگی اور اصلاح کرنے کی کوشش کرتے اور اپنا اثر ورسوخ بھی استعمال کرتے رہتے تھے۔ اپنے درس میں مریدین اور طلباء کو بیان کردہ تصوّف کی کتابوں سے روشناس کرایا جاتا تھا تاکہ طالبانِ علم آگے بڑھیں اور تصوّف کو فروغ دیں۔ بہرحال آپ کا مدرسہ روحانی تعلیم وتربیّت کا مرکز تھا۔ ایثار ان کا مقصد تھا۔ تصوّف اُن کے نزدیک ایک علمی، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی تحریک تھی جس کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ تصوّف سے جو ذہین افراد اُبھرتے وہ عبادت گزار، تقویٰ شعار اور علم واخلاق کے علمبردار ہوتے تھے۔ اُن کے اندر علمی گہرائی، روحانی عظمت، سلوک، خدمتِ خلق، اخوت، معاشرتی اصلاح اور قربِ خداوندی کی طلب ہوتی تھی۔ ان کے دل خدائی محبّت سے بھرپور تھے اور خلوص، قناعت، استغناء، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت، انسانی ہمدردی اور تبلیغی سرگرمیوں کے جامع تھے۔

دانشوروں کا خیال ہے کہ تصوف اپنے مفہوم میں اتنی وسعتوں اور پہلوؤں کا

حاصل ہے کہ کوئی تحریر اس موضوع پر مکمل قرار نہیں دی جا سکتی ہے مگر راقم مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں بلا تردید کہہ سکتا ہے کہ اس بیان سے صاحب علم اور محقق تصوف کا صحیح مفہوم (سپرٹ) اور اس کے مقاصد کی حدیں بآسانی تعین کر سکتا ہے۔ یہ بیان کردہ خوبیاں صوفیائے کرام میں مضمر ہیں۔

درسِ مثنوی

آپ کے مدرسہ میں مثنوی کا درس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت مولانا صاحب قبلہ مثنوی کا درس شروع فرماتے اور مغرب کی اذان تک جاری رہتا تھا[۱] آپ کے سلسلہ میں سے حافظ محمد علی خیر آبادی[۲] مثنوی بہترین انداز میں پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔

حافظ صاحب کو مثنوی مولانا روم پر بڑا عبور تھا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے "گویند مثنوی را مثل ایشاں کسے نمے خواناید"[۳] مزید بیان کرتے ہیں "فصوص الحکم و مثنوی و فتوحات مکیہ را گویا ایشاں حافظ بودند و مذہب خود بر مذہب شیخ اکبر محی الدین عربی رحمی داشتند"[۴] اس کے علاوہ کشکول کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔

---

۱ گلزار ترجمہ انوار جمالیہ مؤلفہ حافظ عبدالعزیز پڑہاروی ص ۲۲/۲۳ مجموعہ ملفوظات حضرت محمد جمال ملتانی۔

۲ حافظ محمد علی خیر آبادی۔ آپ خیر آباد کے رہنے والے تھے جو لکھنؤ (ہندوستان) کے قریب ہے۔ آپ حضرت شیخ سعد خیر آبادی کی اولاد سے تھے جو حضرت شاہ قطب مینا لکھنوی چشتی کے خلفاء سے تھے خرقہ خلافت حضرت خواجہ تونسوی سے پایا۔ آپ کی خانقاہ خیر آباد میں علم و فضل کا مرکز اور فیوض و برکات کا منبع تھی۔ اودھ اور دکن میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کا کام اسی خانقاہ میں بیٹھ کر کیا تھا۔ آپ سن ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸ ذیقعدہ سن ۱۲۶۶ھ/ ۲۴ ستمبر سن ۱۸۵۰ء میں وفات پائی آپ کا مزار کھیری میں ہے جو خیر آباد کے قریب واقع ہے

۳ مناقب المحبوبین ص ۳۵۷-۳۵۸ ۴ مناقب المحبوبین ص ۳۵۹

سماع

درسگاہوں میں سماع پر کوئی پابندی نہ تھی۔ حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاں رح فرماتے ہیں: "تا در نماز ذوق سماع حاصل نباشد و در سماع کیفیت نماز میسّر نمے شود۔"

(ترجمہ) جب تک نماز میں ذوقِ سماع (قوالی) والا لُطف حاصل نہ ہو اُس وقت تک قوالی میں نماز والی کیفیّت حاصل نہیں ہو سکتی[1] گانے میں مذاق کو مولانا رح نے شرک فرمایا ہے کیونکہ عبادت پر اس طرح زمانی تجلّی کا اطلاق ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذاق اور دل لگی نہ ہونا چاہیئے بلکہ ہر طرح ادب کا خیال رہے[2]

دوستوں کی خاطر قوالی سُننا اور قوالوں کو بہت انعام دینا حضرت مولانا صاحب رح کے فوائد اور قواعد میں تھا لیکن کثرت سے قوالی کو سُننا حضرت مولانا صاحب رح نے منع فرمایا ہے کیونکہ سماع کی کثرت نفاق اُگاتی اور دلوں کو مُردہ کر دیتی ہے۔ گانا محبوب کی خوش آوازی کا غلبہ ہے۔ اُسی حد تک جب تک گراں نہ گزرے اور گراں نہ گزرنا یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص تھی۔ قوالی کی مجلس میں آلاتِ حرب لے جانے کی ممانعت تھی اِس لئے کہ کہیں حال والا بے خودی میں خود اپنے آپ کو نہ مار لے۔

حضرت شاہ فخر الدین فخرِ جہاں رح مدرسہ رحیمیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی موجودگی میں سماع سُنتے رہتے تھے۔ اِس بارے اُن کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز رح

---

[1] مناقب فخریہ ص ۳۸ (فارسی) اُردو ترجمہ از میر نذر علی درد کاکوروی ص ۲۸۷

[2] ایضاً

بیان کرتے ہیں :-

" در مدرسہ شریف و صحن مسجد سماع بے مزامیر شنیدند و وجد و شورش می کردند "

آپ کے مدرسہ کے چند اصول

مدرسہ میں پڑھائے جانے والے علوم کو " علوم ظاہری " بیان کرتے ہیں اور خانقاہ میں مشاہدات والے عمل کو " علوم باطنی " کہتے ہیں جس کی اساس " ارادت " یا " بیعت " ہے اور طالب علم کو " مرید " کہتے ہیں ۔ آپ کے مدرسہ میں عوام کو درس کتابوں سے اور عمل سے دیا جاتا تھا ۔ درس کے بارے علماء کرام اور اولیائے عظام کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کار ہیں ۔ ان دونوں گروہوں کے بعض خصوصیات کا فرق اس طرح ہے کہ عالم کتاب و سنت کے ظاہر معنی بتلاتا تھا ۔ ولی اس کے باطنی معنی بیان کرتا ہے ۔ عالم شریعت کے مسائل بتلاتا ہے ولی طریقت و معرفت کے اسرار نہاں بیان کرتا ہے ۔ عالم عبادت و اطاعت کے احکام سکھاتا ہے ۔ ولی ان کو قبولیت کے لائق بناتا ہے ۔ عالم دلائل سے سمجھاتا ہے ولی کشف و کرامت سے بات ذہن نشین کراتا ہے ۔ یوں سمجھئے کہ ولی جامع وراثت اور صاحب نسبت ہوتا ہے ۔ وہ عالم کی ذمہ داریاں

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز رح فرماتے ہیں : " شاہ غلام سادات رح کے جنازہ میں جب چشتیہ رسم کے مطابق حضرت سلطان المشائخ کے مرثیوں کے چند بیت جو امیر خسرو رح نے کہے تھے قوال گا رہے تھے ان کی اس وقت عجیب کیفیت تھی ۔" پھر فرمایا کہ " مولوی فخرالدین میں سوائے چہرہ اور آنکھوں کی تبدیلی کے اور کوئی کیفیت وصال ان پر ظاہر نہ تھی لیکن ان کے معتقدین بے حد رقص کر رہے تھے ۔ پھر فرماتے تھے کہ احباب کی مجلسوں میں وجد و شور و مستی کرتے تھے اور مولوی فخرالدین کا مجلس میں بجز چشم پر آب اور تغیر چہرہ ، مزید کیفیت طاری نہیں ہوتی حتیٰ کہ مجلس خاص میں ان کا یہی حال تھا ۔

بھی نبھاتا ہے اور شریعتِ مطہرہ کے احکام کی تبلیغ اور کتاب وسنّت کی تعلیم کا منصب
بھی سمجھاتا ہے مگر آپ کی خانقاہ کا تربیتی نظام علم اور عمل تھا جس کی بنیاد اخلاق
پر تھی اور سلوک کی تعلیم آپ کے دار العلوم کا خاص حصّہ تھا۔ یہ ہی تصوّف ہے جو
رُوحِ عینِ اسلام کی روح کے مطابق تصوّر ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

فرمایا ہے :-

"بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخْلَاق"

(ترجمہ) "میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔"

حاصل بحث یہ ہے کہ علمِ باطن علمِ ظاہر سے کہیں اعلیٰ وافضل ہے۔
رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ نظامیہ بغداد میں ملازم تھے۔ انہوں نے ملازمت سے استعفے دے
راہِ سلوک کی منزلوں کو طے کیا اور نسبت کے سبب چراغِ نبوّت کے نور سے
حاصل کی۔ صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کے ہم نشین ہوئے۔

عام طور پر ماہِ رمضان میں دہلی کے دینی مدرسوں میں علومِ درسی کی تعلیم ملتوی
ہو جاتی تھی مگر آپ کا مدرسہ کھلا رہتا تھا اور حدیث کا درس جاری رہتا تھا
کے سبب ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں یہ سلسلہ بھی موقوف ہو جاتا تھا۔[1] کیونکہ
ان دونوں میں معتکف ہو جاتے تھے۔ اکثر آپ کے مریدین جو بعد میں خرقۂ خلافت
ہوتے آپ کے مدرسہ کے طلباء ہی ہوتے۔ اس مدرسہ میں تصوّف کا رنگ غالب
سلوک وعلمِ باطن کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ تعلیم سلوک کے ساتھ ساتھ
کی تعلیم کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں کثرت سے ذکر بھی ہوتا۔ جتنا گہرا
ہوگا اُسی لحاظ سے ذکر بھی زیادہ ہوگا۔ یہ ہی شان اولیاء اللہ کی ہے۔ اس

---

[1] فخر الطالبین ص ۲۷

میں آپ نے اور آپ کے خلفاء نے سلسلہ چشتیہ کے اصولوں کو زندہ رکھا۔ اور
گان اسلاف کی تقلید کی اور نگہبانی کی۔ اس کو قائم رکھنے کی تلقین فرمائی۔ بہرحال
پاکیزہ تحریک کا محور و مدار آپ کی ذات گرامی تھی اور آپ ہی اس تنظیم کے
ان اعلیٰ تھے۔ تشنگان علوم و معارف کثیر تعداد میں اس مدرسہ میں داخلہ حاصل کرتے
فیض یاب ہوتے۔

علمی خدمات

حضرت مولانا فخر جہاںؒ تمام کاموں میں سنّت نبویؐ کے پابند تھے اور ہر شخص کو
ت نبویؐ کی اتباع کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ عقائد کی درستی اور صحت کی طرف خاص
ہ دیتے تھے اور اسی خیال کے پیش نظر جب آپ پاک پتن شریف تشریف لے
ے تو جناب دیوان شیخ محمد یوسفؒ سجادہ نشین آستانہ حضرت بابا فریدالدین مسعود
نج شکرؒ جو آپ کے ہم عصر تھے کے اصرار پر عقائد کی درستی و صحت پر ایک رسالہ تحریر
رمایا کیونکہ عقیدہ کی درستی اور صحت کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں اور ریاضت
وجب ثواب نہیں ہوتی۔ آپ نے اس رسالہ کا نام "نظام العقائد" رکھا۔ صاحب
ریخ مشائخ چشت[1] اس رسالہ کا سبب تالیف یوں بیان کرتے ہیں :۔

"پاک پتن میں بعض اعزہ و احباب نے اصرار کیا کہ عقائد اہل سنّت والجماعت کو
بوجب مذہب امام اعظمؒ صاف عبادت میں بیان کیا جائے تعمیل میں یہ رسالہ لکھا گیا"
اس رسالہ میں اسلام کے بنیادی عقائد پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا طرز بیان سادہ
اور دلکش ہے۔ اصل میں یہ رسالہ فارسی زبان میں تھا جس کا پہلی بار اردو ترجمہ جناب
مولوی دوست محمد صاحب چشتی نظامی، صاحبزادہ اجمیر شریف نے سن ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء

---

[1] تاریخ مشائخ چشت از جناب خلیق احمد نظامی ص ۴۷۸

میں مطبع رضوی پریس دہلی ظرف الفوائد کے نام سے شائع کروایا۔ دوسری بار حضرت میاں علی محمد خاں صاحب رح کے ارشاد کے مطابق سن ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء میں طبع ہوا۔ تیسری بار سن ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء میں حضرت میاں علی محمد خاں صاحب رح کے عقیدت مندوں نے لاہور سے چھپوایا اور مفت تقسیم کر کے آپ کے فیضان کو جاری رکھا۔ اس رسالہ کے علاوہ آپ نے رسالہ "عین المتقین" "رسالہ مرجیہ" اور کتاب "فخر الحسن" (در بیعت خواجہ حسن بصری بہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ) تحریر فرمائی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب "انتباہ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چشتیہ سلسلہ حضرت خواجہ حسن بصری رح کے ذریعے حضرت علی تک نہیں پہنچتا اس لئے کہ خواجہ حسن بصری رح اس وقت خورد سال تھے۔ اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔

حضرت شاہ فخر الدین دہلوی رح نے جو شاہ ولی اللہ صاحب کے معاصر تھے اس خیال کی تردید میں ایک کتاب فخر الحسن لکھی ہے جس میں حضرت خواجہ حسن بصری رح کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خلافت پانا ثابت کیا ہے۔ اِس کتاب کی شرح مولانا احسن الزماں حیدر آبادی نے "قول المستحسن فی شرح فخر الحسن" کے نام سے عربی زبان میں لکھی ہے۔ یہ چاروں کا وشیں آپ کی علمیت اور محققانہ قابلیت کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ رسالہ مرجیہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین کے ایک بیان کی تشریح میں لکھا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آنحضرت کا کلام نہیں۔ حضرت مولانا صاحب قبلہ رح نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت ہی کا کلام ہے

سر سیّد احمد خاں "آثار الصنادید" (باب چہارم تذکرہ اہل دہلی) میں تحریر کرتے ہیں[1]
"ان کتابوں کا دیکھنا آپ کی ممارست علمی پر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے"

---

[1] آثار الصنادید از سر سیّد احمد خاں ص ۳۳

مولوی عبدالعلی بحرالعلوم بن ملا نظام الدین رح نے جب کتاب فخر الحسن کو دیکھا تو فرمایا کہ حسنِ اعتقاد سے ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے لیکن جو تحقیق مولانا نے کی ہے ہم کو بھی معلوم نہ تھی[2] اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا شاہ رفیع الدین رح نے اس کتاب کا جواب لکھنا چاہا لیکن نہ لکھ سکے[3]۔ ان تصانیف کے علاوہ آپ کے خطوط "رقعاتِ مرشدی" قابلِ ذکر ہیں۔ یہ خطوط طریقت و معرفت کا گنجینہ ہے

---

[1] مولانا عبدالعلی بحرالعلوم بن ملا نظام الدین علم حدیث، نقد اور تفسیر میں بدرجہ غایت قدرت و مہارت رکھتے تھے۔ علمیت اور محققانہ قابلیت کے مالک تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح کے عقیدتمندوں میں سے تھے۔ ایک خاص واقعہ کی وجہ سے اودھ کو حکومت نے خارج البلد کر دیا تھا۔ ۱۷۷۴ء میں فیض اللہ خان رئیس رام پور کے زمیندارِ اعظم منشی صدرالدین کے بلانے پر "لوہار" تشریف لے گئے۔ منشی صدرالدین نے "لوہار" میں ایک مدرسہ مولانا ممدوح کے لئے قائم کیا جس میں ایک عرصہ تک مولانا مشغولِ درس و تدریس رہے۔ یہ مدرسہ غالباً ۱۱۷۸ھ کے بعد قائم ہوا۔ اس زمیندار نے مولانا کی تنخواہ چار سو روپیہ مقرر کر دی اس کے ساتھ ہی مولانا صاحب کے سو شاگردوں کا وظیفہ بھی مقرر کیا گیا۔ نواب والاجاہ حاکم مدرس نے محل شاہی سے متصل ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کر کے مولانا صاحب کو صدر مدرس مقرر کیا اور "ملک العلماء" کے لقب سے نوازا تھا۔ آپ نے ۱۸۱۹ء مدراس میں وفات پائی۔

[2] مناقب حافظیہ ص ۲۰۷ (استفادہ)

[3] مناقب حافظیہ ص ۲۰۷ (استفادہ) حضرت شاہ رفیع الدین رح حضرت ولی اللہ دہلوی رح کے فرزند تھے۔ عمر میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے چھوٹے اور حضرت شاہ عبدالقادر رح سے بڑے تھے۔ آپ ۱۷۴۹ء بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آپ نے تمام علوم بالخصوص علم حدیث و تفسیر کی سند آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح سے حاصل کی۔ آپ نے بڑے بھائی (اگلے صفحہ پر)

زبان سادہ اور آسان ہے۔

ایک خط میں فرماتے ہیں کہ جس قدر بھی ہو سکے ذکر کرنا چاہیئے لیکن اتنا نہیں کہ جس سے صحت متاثر ہو اور بُرا اثر پڑے۔ اس کا محاسبہ کرنا بھی ضروری ہے [1]

آپ کا ایک اور واقعہ (خط) "مناقب المحبوبین" میں محفوظ ہوا نظر آتا ہے جس میں آپ نے اتباع شریعت کی تلقین کی ہے اور وحدتِ وجود کے بعض نکات کو واضح کیا ہے۔ اس خط کا عنوان درج ذیل ہے:

"رقعات متفرقہ ہم دریافت می شود چنانچہ من جملہ انہاں رقعہ بذیل نبر کا نوشتہ می شود۔ رقعہ حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاںؒ بجانب عزیزے از اعزا" [2]

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کا ایک فرزند تھا۔ ان کا اسم گرامی غلام قطب الدینؒ تھا۔ وہ دکن میں پیدا ہوئے۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ ۱۱۶۰ھ میں دہلی تشریف لائے تو ان کو اپنی بہن کے سپرد کر دیا اور خود اس بدامنی اور پرآشوب زمانہ میں تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے احیا و تجدید میں اتنے منہمک ہوئے کہ کئی سال تک

(بقیہ ص۷۱) حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے بھی تعلیم حاصل کی اور شیخ وقت مولانا شاہ محمد عاشق پھلتیؒ سے بیعت ہوئے۔ آپ علوم دینیہ اور فنون عقلیہ میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے اور ادب و شاعری میں مرجع ارباب استعداد تھے۔ آپ نے بہت مفید کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں قرآن مجید کا اُردو لفظی ترجمہ اپنا مثال آپ ہے جس سے خلائق مستفیض ہو رہی ہے۔ زیادہ وقت آپ طلبہ کی تدریس میں صرف کرتے رہے۔ آپ نے ۱۲۴۹ھ بمطابق ۸ر اگست ۱۸۳۳ء کو وفات پائی۔ آپ کا مدفن دہلی میں ہے۔

[1] رقعات مرشدی ص ۶۴، ۶۵

[2] مناقب المحبوبین ص ۵۱ (فارسی)

فرزند کی خبرگیری نہ کی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز[۱]رح نے ان حالات کو دیکھ کر ایک مرتبہ اپنی
ں میں یوں فرماتے ہیں -

"مولانا فخر الدین صاحب را دیدم کہ سوائے یک پسر کہ او را ہم بہ ہمشیرہ خود کہ در دکن
داده آمده و متکفل پرورش آں بزرگ بود و ایں جا بکمال بے تعلقی می گزرانیدند
ں در فکر احیاء چناں مصروف بودند کہ مردم در فکر و اہل و عیال خویش"...[۲]

---

۱ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن کے بعد
پ نے تعلیم زیادہ تر اپنے والد ماجد سے پائی۔ کچھ تعلیم حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی اور
حضرت شاہ نور اللہ بڑھانوی سے بھی حاصل کی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو ذہانت، ذکاوت
ور غیر معمولی حافظہ عطا کیا ہوا تھا۔ ۱۵ سال کی عمر میں اپنے والد کے سامنے ہی تمام علوم و
فنون مروجہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور اسی زمانے میں "رحیمیہ مدرسہ" میں پڑھانا شروع
کر دیا۔ آپ اپنے والد ماجد سے تمام سلاسل میں بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں
میدان سلوک طے کر لیا۔ ۱۶ سال کے ہوتے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ
دہلویؒ کے تمام خلفاء کی موجودگی میں آپ ہی ان کے قائم مقام اور سجادہ نشین بنا دیئے گئے
آپ کا نکاح شاہ نور اللہ صدیقی بڑھانویؒ کی صاحب زادی سے ہُوا جس سے
ایک صاحبزادہ اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی مشہور تالیف تفسیر فتح العزیز جو کہ
"تفسیرِ عزیزی" کہلاتی ہے، یادگار ہے۔ دوسری تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" ہے
اور "ملفوظاتِ حضرت شاہ عبدالعزیز" قابلِ ذکر ہیں۔ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ کو وفات پائی۔

۲ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ص ۱۱۸ (فارسی)

چند دیگر اہم درسگاہیں

متذکرہ پرفتن زمانہ میں ان عظیم المرتبت شخصیتوں کے علاوہ ہم کو چند اور در
ہستیاں نظر آتی ہیں جن کے کارنامے تاریخ میں یادگار رہیں گے اور جن کی خدمات آب
لکھنے کے قابل ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی روح کو خدمتِ خلق، رواداری اور صلح
میں تلاش کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ، حض
عبدالقادرؒ، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ، حضرت شاہ عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی شاہ
حضرت شاہ ابو سعیدؒ، حضرت شاہ احمد سعیدؒ، حضرت شاہ عبدالغنیؒ، حضرت شاہ محمد آفاقؒ اور
خلیفہ حضرت حاجی علاؤ الدینؒ، حضرت شاہ محمد اسحاقؒ، مولانا شاہ قطب الدینؒ اور
نصیر الدین عرف کالے شاہؒ نے بوریہ نشینی کے باوجود عوام کی اصلاح کی اور ان کو دینی تع
طرف دعوت دی۔ اپنے مکانوں اور خانقاہوں میں ان بزرگوں نے درسگاہیں قائم کیں، ا
علمِ دین کے درس جاری کئے۔ مفت تعلیم دی۔ ان درسگاہوں سے بڑے بڑے فلسفی،
منطقی، فقیہہ، محدث، شاعر اور حریت نواز و حق گو اہلِ علم پیدا ہوئے جو فخرا لبلاد بنے اور
ہنر کی جو مشعلیں روشن کیں اُن سے قوم کے بجھتے ہوئے چراغ صدیوں تک روشنی حاصل کر
رہے ہے۔

"مدرسہ اجمیری دروازہ" اور "مدرسہ رحیمیہ" کے علاوہ حضرت مرزا مظہر جان جان
شہید اور اُن کے مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی شاہ صاحب بھ
کتب حدیث، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف کا درس دیتے ت
یہ درس بعد از نماز اشراق شروع ہوتا اور قبل از دوپہر ختم ہو جاتا تھا۔ آپ اوّل وقت نم
ظہر ادا فرما کر پھر درس و تدریس حدیث، تفسیر، فقہ اور کتب تصوّف میں مشغول ہو جا
اور پھر نمازِ عصر تا نمازِ مغرب حلقہ مریدین جو جمع ہوتے —— اُن سے مخاطب

ہو جاتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے مرضِ موت میں ترمذی شریف اُن کے سیلنے پر ختم ہو جاتے[1]۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے بعض مریدوں کو حضرت شاہ محمد آفاق دہلویؒ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے اور اُن کی تعلیم کی تکمیل اُس وقت پوری اور مکمل سمجھی جاتی تھی جب کہ حضرت شاہ محمد آفاق دہلویؒ اُن کو مکمل پاتے۔ اِس عمل سے آپ کی برگزیدگی اور بزرگی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ شیخ الوقت تھے[2]۔ مریدوں اور عقیدت مندوں کو تصوّف کی تعلیم دیتے اور اکابرین کی مشہور کتب تصوف سے روشناس کراتے اور سبقاً سبقاً پڑھاتے بھی تھے۔ آپ سلوک مجددیہ سے منسلک تھے اور اس کو فروغ دیا۔ اس سلسلہ کے علاوہ آپ نے سلسلہ نظامیہ اور سلسلہ صابریہ میں بھی خرقۂ خلافت پایا اور ہدایتِ خلق اللہ میں مشغول ہوئے۔ آپ کی ذات بابرکات سے فیضِ عام جاری ہوا اور بہت سے صاحبوں کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کشف القبور میں بڑا ادراک رکھتے تھے اور اولیاءِ عظام کی ارواح مقدسہ کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ آپ پرانے بوریہ کا بستر اور تکیہ کی بجائے سر کے نیچے اینٹ رکھا کرتے تھے اور معاش چھوڑ کر توکّل کو اپنا شعار بنا کر ۵ سال تک ایک حجرے میں گوشۂ تنہائی میں گزار دی۔ مولانا حالی نے[3] "حیاتِ جاوید" میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ دیندار لوگوں کا ملجا و ماویٰ تھی۔ اس بدامنی کے زمانہ میں عوام کو ان کی مجالس میں ذہنی سکون میسر آتا تھا۔ آپ کا توکل تو اس درجہ پر تھا کہ کبھی کسی طرح کا خیال دل میں نہ آتا تھا۔ پانچ پانچ سو فقیر اُن کی خانقاہ میں رہتے اور کھانا کھاتے تھے سب کام

---

[1] مقالاتِ سر سید احمد خاں تالیف مولانا محمد اسمٰعیل پانی پتی ص ۲۱۹-۲۲۰ (حصہ شانزدہم)

[2] ماخذ انساب الطاہرین [3] حیات جاوید۔ الطاف حسین حالی جلد دوم ص ۹ (ایڈیشن ۱۹۰۱ء) ماخذ مقالات سر سید (حصہ شانزدہم) مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل پانی پتی ص ۲۱۷۔

فتوح پر چلتا تھا۔ اُمراء اور بادشاہ آرزو رکھتے تھے کہ ہم خانقاہ کے فقراء کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کریں۔ آپ ہرگز منظور نہ فرماتے۔ ایک دفعہ آپ سے امیرالدولہ امیر محمد خاں والیٔ ٹونک نے بہت التجا سے درخواست تقررِ وظیفہ کی اس کے جواب میں آپ نے صرف یہ شعر لکھ بھیجا[1]

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با امیر خاں بگوے کہ روزی مقرر است

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نماز تمام عبادات کی جامع اور تمام طاقتوں پر حاوی ہے جو دیدار کی دولت جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات حاصل ہوئی۔ وہی دنیا میں آکر نماز میں حاصل ہوئی۔ اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے:۔

"اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن"

(نماز ہی مومنوں کا معراج ہے) اور اس دعویٰ کی دلیل ہے "خیرا قرب ما یکون العبد من فی الصلوٰۃ" (سب سے اچھا نزدیک بندہ اللہ تعالیٰ کا نماز میں ہونا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تابعین کو کمال تابعداری اور اخلاص کے سبب جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس دولتِ عظمےٰ کا کامل حصہ عطا فرمایا ہے[2] آپ حنفی مذہب تھے اور آپ کا عمل حدیث پہ ہی ہوا کرتا تھا۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایسے عاشق تھے کہ ان کا نام لیتے ہی مضطرب ہو جاتے اور ایسے وقت میں حاضرین پہ بھی عجیب کیفیت طاری ہو جاتی[3]

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ہماری گزک[4] جو کہ سلسلہ نقشبندیہ کے وسیلہ جو ہیں

---

[1] رؤف احمد جواہر علویہ ص ۱۴۶ [2] ایضاً ص ۱۵۵ [3] ایضاً ص ۱۴۷

[4] وہ چیز جو شراب کے ساتھ کھائی جاتی ہے مثلاً کباب وغیرہ

جو دوستی کے جام کے بادہ نشین ہیں، حدیث اور درود ہے جس سے دل کو طرح طرح کے ذوق حاصل ہوتے ہیں اور یار کے چہرے سے نقاب اور برقعہ دُور کرتی ہے [1]

حضرت شاہ ابو سعیدؒ، حضرت شاہ احمد سعیدؒ، شاہ عبدالغنیؒ، شاہ محمد آفاقؒ اور شاہ اسحاقؒ کی خانقاہیں بھی بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ ان خانقاہوں میں تزکیہ باطن اور تزکیہ نفس کے درس جاری رہتے تھے۔ ایمانیات اور عقائد کی قوت پیدا کی جاتی تھی باطنی زندگی سنواری جاتی تھی، مسلمانوں کو دینی زندگی کو سنوارنے میں ان خانقاہوں کا خاص حصّہ تھا اور ان ہی بوریہ نشینوں کی خانقاہی تعلیمات نے دینی احساس کو بیدار کیا۔ یہ فیوض و برکات تڑپتی ہوئی دُکھی انسانیت کے لئے مسیحا کی حیثیت رکھتی تھی۔

یہ تو چند خانقاہیں تھیں جن کا یہاں مختصر طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ شاہ جہان آباد (دہلی) میں اور خانقاہیں بھی تھیں کہیں چشتیہ کے مرکز، کہیں رسول شاہیوں کا زاویہ، کہیں قلندروں کا ڈیرہ، کہیں نقشبندیوں کی خانقاہ غرضیکہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلی محمد شاہ کے زمانے میں دہلی میں بائیس (۲۲) صاحب ارشاد بزرگ ہر خانوادے کے موجود تھے۔

حضرت شاہ فخر جہاںؒ کے فرزند حضرت شاہ قطب الدینؒ اور پوتے میاں نصیرالدین عرف میاں کالے صاحبؒ میں اپنے باپ کی بہت خصوصیات پائی جاتی تھیں دہلی کے شاہ و گدا عوام و خواص سب آپ کا احترام کرتے تھے اور عقیدت مندانہ پیش آتے تھے۔ جس مجلس میں آپ تشریف لاتے ہر شخص بے اختیار دوڑتا اور قدموں پر گرتا اور اپنی سعادت ابدی سمجھتا تھا جو کچھ فیوض و برکات اپنے اسلاف کے تھے ان کو پھر سے تجدید کیا۔ یہ وہ ہی مقامات ہیں جہاں سے فیض پاکر اہلِ دل نے سچائی، نیک خوئی، اخوت، محبت، ایثار، تحمل اور

---

[1] رؤف احمد جواہر علویہ ص ۱۴۷

مذہبی رواداری کی تعلیمات کو عام کیا۔ سلسلہ چشتیہ جو برِّ صغیر میں سب سے بڑا سلسلہ ہے لاکھوں کروڑوں انسانوں نے ان مشائخ کی خانقاہوں سے فیضان حاصل کیا۔ عوام نے اُن کی روحانیت، محبت بھری سادہ زندگی اور حُسنِ اخلاق سے ذہنی سکون پایا۔ ان صوفیائے کرام کے جماعت خانے ایسی روحانی تربیت گاہیں تھیں جہاں قلب و رُوح کی بیماریوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ خدا ترسی، انسان دوستی اور فکرِ آخرت کی صفات پیدا کی جاتی تھیں۔ اہلِ علم و ادب ان کے تصوف کو حسین اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ تصوف ایک پسندیدہ اور نیک فضیلت ہے۔ کردار کی فضیلت کا معیار خدمتِ خلق ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ شیرازی ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سلسلہ چشتیہ کی تعلیمات اسلامی شرع کے خلاف نہیں حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا — "ہر نور کہ موافق احکام شرع نیست آن ظلمت است"[۱]۔ حضرت چراغ دہلویؒ کا قول ہے — "حکم شرع کے سامنے سالک پیر کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے"[۲]۔

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ (مرید خاص و خلیفہ اعظم حضرت مولانا صاحبؒ قبلہ) نے چشتیاں شریف میں خانقاہ اور مرکزی نظام قائم کیا اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور ان کی اولاد و خلفاء کے بعد خطۂ پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کو پھر فروغ حاصل ہوا۔ خطۂ پنجاب کے مختلف حصّوں میں چشتیہ خانقاہیں قائم ہوئیں اور رشد و ہدایت کے سلسلہ نے ترقی پائی۔

عہدِ فخریہ میں دہلی کی تعلیمی حالت

مغلیہ سلطنت کے دورِ انحطاط میں تعلیمی معیار بہت زیادہ بلند نہ تھا۔ مدارس

---

[۱] فوائد الفواد ص ۴۴ — [۲] خیر المجالس ترجمہ سراج المجالس

ں عربی اور فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ عربی تعلیم کی حالت بھی قابلِ اطمینان نہیں تھی۔
ازی الدین خاں نظام کے مدرسہ میں شاہ فخر الدین رح عربی کی تعلیم دیتے تھے۔ مناقب فخریہ میں
س کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

" در مدرسہ نواب غازی الدین خاں شاہ فخر صاحب سکونت ورزیدند وارشاد و
دریس کہ اشتغال نمودند" [1]

عربی تعلیم کے سلسلہ میں تفسیر، حدیث، فقہ پر زیادہ زور تھا۔ اِس کے علاوہ دوسرے
ن کی کتابوں کے پڑھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ بعض لوگ تفسیر و حدیث اور فقہ
کے علاوہ دیگر علوم کو حاصل کرنا حرام سمجھتے تھے۔ دوسرے علوم کے طلباء پر کفر کے فتوے
ک دینے سے گریز نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا صاحب رح اور اُن کے ہم عصر شاہ
بدالعزیز رح محدّث دہلوی اِس طرف متوجہ ہوئے۔ خود بھی ان علوم و فنون کی کتابوں کا مطالعہ
رتے اور اپنے نصاب میں بھی شامل کرتے [2]

---

[1] مناقب فخریہ ص ۱۳

[2] ہندوستان کی قدیم درسگاہیں ص ۱۲۴، اسلامی نظامِ تعلیم کا سو سالہ مرقع۔

باب سوم

حضرت شاہ فخر جہاں کے بعض چشت مشائخ طریقت

چشت مشائخ کا ملک ہندوستان پر حق قدیم

حضرت ابو اسحاق شامی

المتوفی ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء سلسلہ عالیہ چشتیہ کے "مبتدا" کہلاتے ہیں۔ جب بیـ
کے ارادہ سے حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری نے پوچھا کہ آپ کا کیا نام ہے۔ آپ
عرض کیا: "اس عاجز کو ابو اسحاق "شامی" کہتے ہیں"۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فر
"از امروز ترا ابو اسحق چشتی خوانند کہ خلائق چشت و دیار آں از تو ہد
یابند ہر کہ سلسلۂ ارادت تو در آید انہارا نیز تا قیام قیامت چشتی خوانند"
(ترجمہ) آج سے لوگ آپ کو ابو اسحق چشتی کہہ کر پکاریں گے جو آپ کے سلس
ارادت میں قیامت تک داخل ہوگا وہ بھی چشتی کہلائے گا۔ چشت اور اس کے نوا
کے لوگ آپ سے ہدایت پائیں گے[1] پس آپ اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطا
چشت سے ہرات جو تیس (۳۰) کوس کے فاصلے پر ہے تشریف لائے اور لوگوں ک
ہدایت و ارشاد میں مشغول ہوئے اور آپ کا سلسلہ عالیہ موسوم بہ چشتی ہوا۔ آپ سلسل
چشتیہ کے "موجد" کہلاتے ہیں۔ آپ ہی کی ذات سے یہ سلسلہ طریقت منسوب ہے
اس مکتب فکر سے مختلف مراکز رونما ہوئے۔ متعدد شاخیں پھوٹیں اور ان کی مہک
اٹھی کہ فارس اور ہندوستان ان کی خوشبو سے مہک اٹھا۔

---

[1] مراۃ الاسرار۔ شجرۃ الانوار (قلمی)۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۴۰۔ مطلوب الطالبین سجو
لطائف اشرفی

علاقہ چشت خراسان کے ایک مشہور قصبہ کا نام ہے۔ یہ مقام روحانی اصلاح و تربیت
کا ایک اہم مرکز تھا جس کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل تھی۔ مولانا رحیم بخش خلیفہ و
مرید حضرت فخر جہاں رحؒ دہلوی اپنی تصنیف شجرۃ الانوار میں تحریر کرتے ہیں:۔
(ترجمہ) "چشت کے نام کے دو مقام ہیں ایک خراسان میں جو ہرات کے قریب
واقع ہے دوسرا چشت ہندوستان میں اوچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے۔
خواجگانِ چشت خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں جس کو اس زمانہ میں "شاتلان"
ہی کہتے ہیں۔

حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی پہلے بزرگ ہیں جنہوں کے اسم گرامی کے ساتھ تذکروں
میں "چشتی" لکھا ہوا ملتا ہے مگر آپ کے تفصیلی حالات بہت کم یاب ہیں صرف کراموں
کے چند قصوں اور سماع کے چند واقعات کی تفصیل "مراۃ الاسرار" "شجرۃ الانوار" اور
خزینۃ الاصفیاء میں موجود ہے جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری شخصیت کو اجاگر نہیں
کرتی۔ آپ ایک زبردست روحانی نظام کے بانی اور فکر وعمل کی صلاحیتوں کے مالک تھے
جنہوں نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کو بہت فروغ دیا۔

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ گذرے ہیں۔
آپ کا لقب شریف الدین ہے اور خواجہ چشت کے نام سے مشہور زمانہ ہوئے۔ آپ کے
علاوہ چشت میں چار اور صاحب ولایت اور عظمت بزرگ پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں ایک
خواجہ ابو احمد ہیں جو حضرت ابو اسحاق شامیؒ سے مرید بھی ہوئے۔ دوسرے حضرت ابو محمد ابو احمدؒ
تیسرے ناصر الدین خواجہ ابو یوسفؒ تھے۔ چوتھے خواجہ مودودؒ۔ یہ پانچوں بزرگ ارادت
اور خلافت کی نسبت سے یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے اور اپنے کافی مریدین اور
خلفاء چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ ان کو خواجگانِ چشت کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ تا حال
جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

آپ نغمہ و سرود کے عادی تھے لیکن باوجود اس کے ارباب شریعت ان پر معترض نہ ہوتے تھے۔ آپ کی محفل سماع میں جو شخص بھی ایک مرتبہ حاضر ہوا معصیت سے اُسے نفرت ہو گئی۔ وجد میں اس قدر تاثیر تھی کہ تمام ارباب مجلس بلکہ در و دیوار تک جنبش میں آجاتے تھے اگر کوئی مریض آپ کی مجلس میں شریک ہوتا تو فوراً شفایاب ہو جاتا تھا

آپ دنیا والوں اور صاحبانِ دولت کو کبھی اپنی محفل میں نہ آنے دیتے۔ اگر اتفاق سے کوئی آجاتا تو پھر وہ تارک دُنیا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت خواجہ سے دریافت کیا کہ حضرت! آپ دنیا والوں کو اپنی مجلس میں شریک ہونے کے فیض سے کیوں محروم رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دُنیا اور دُنیا والے اہلِ کثافت کے گروہ میں شامل ہیں اور درویش اہلِ لطافت کے۔ کثافت اور لطافت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اضداد جمع نہیں ہو سکتے سماع کے لئے یہ شرط نہایت ضروری ہے کہ تمام ارباب مجلس حق کی طرف متوجہ اور طالب دیدار حق ہوں (الفقراء النفس واحد) یعنی سب فقراء ایک جیسے ہیں، حضرت خواجہؒ جب کسی دولت مند کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے " اتوبُ من کل المعاصی کما حفظنی " (یعنی اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میری حفاظت کر)

یہ حدیث عموماً آپ کی زبان مبارک پر رہتی۔

" اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین "۔

(ترجمہ) " اے خدا مجھے بحالت غریبی زندہ رکھ اور بحالت غریبی موت دے اور زمرۂ مساکین میں مجھے محشور فرما "

آپ کی وفات ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ مزار شریف عکہ میں ہے یہ بلادِ شام کا ایک قریہ ہے [۱]

---

[۱] سیر الاقطاب تذکرہ خواجگان چشت از اللہ دیا ابن شیخ عبدالرحیم ص ۸۳ تا ۸۶

ارشادات

۱) خواجہ ابو احمد چشتیؒ نے فرمایا "اے ابو احمد درویشی عرب و عجم کی بادشاہی سے بڑھ کر ہے۔ خدا کی قسم ابو اسحاق کو ملک سلیمان بھی دیں تو وہ قبول نہ کرے" اصل عبارت ملاحظہ کریں "اے ابو احمد درویشی بالا تر ست از بادشاہی عرب و عجم و اللہ اگر ابو اسحاق را ملک سلیمان دہند ہم قبول نکند"[1]

(۲) درویش وہ ہے جو تمام اسباب سے الگ ہو جائے اور کوئی چیز اس کی ملکیت نہ رہے۔

(۳) جس کو اللہ تعالیٰ محرم اسرار بناتا ہے اس کو بھوکا رہنے کی توفیق بھی عنایت فرماتا ہے۔

ابتداً ہی برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ اور سہروردیہ کے مشائخ نے اصلاحی و تبلیغی کام انجام دیا۔ بعدازاں قادریہ اور نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخ تشریف لائے۔ تبلیغ اسلام اور تہذیب معاشرہ کے باب میں ان سلاسل کے صوفیاء کی بڑی خدمات ہیں مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلسلہ چشتیہ کے سالار اعظم حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔ اور مشائخ چشت پر ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے۔ آپ کی آمد سے قبل کچھ چشتی بزرگ برصغیر پاک و ہند میں براشارہ غیبی تشریف لا چکے تھے جن میں حضرت خواجہ ابو محمد بن ابو احمد چشتی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ حملہ ہندوستان میں تشریف لائے[2]۔ جب کہ آپ کی عمر عزیز ۷۰ برس تھی۔ شاہان وقت

---

[1] رسالہ احوال پیران چشت از تبیرہ بندگی مخدوم قاضی حمید الدین ناگوری المعروف بہ براجا بیان کرتے ہیں۔ یہ قدیم قلمی نسخہ کبھی شاہان اودھ کے کتب خانہ میں رہ چکا ہے۔ اب کسی شاہی کتب خانہ میں ہے۔ تاریخ موجود کی ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء درج ہے۔ تصنیف کی تاریخ کا پتہ نہیں چل سکا

[2] نفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامی ص ۲۲۳

تو ملک فتح کرتے تھے مگر صوفیاء و مشائخ دلوں پر حکمرانی کرتے تھے بلکہ آج بھی کرتے ہیں
ان کی زندگی اسلام کے عین مطابق ہوتی تھی۔ قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا تھا
یہ ہی سبب تھا جو کام تلوار نہیں کر سکتی تھی وہ کام صوفیاء کے میٹھے بول انجام دیتے تھے
وہ دُور دراز علاقوں، غیر معروف دیہات بلکہ جنگل، پہاڑ اور ریگستانوں میں بیٹھ جاتے
تھے اور اپنے وعظ، درس و تدریس، شیریں گفتار، اخلاق و کردار اور کرامتوں سے لوگوں
کے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے۔ اور نئی نئی بستیاں بسا دیتے تھے۔ ان اکابر مشائخ نے برصغیر
پاک و ہند میں اسلام کی ایسی آبیاری کی کہ وہ دیکھتے دیکھتے ایک تناور درخت کی شکل اختیار
کر گیا۔ دوسرے چشتی بزرگ حضرت سیّد احمد المعروف بہ سخی سر گرد المتوفی ۷۵ ھ/...
ہیں مگر سلسلۂ چشتیہ کو برصغیر پاک و ہند میں جاری کرنے کا شرف اور سہرا حضرت خواجہ معین الدین
حسن چشتی" کو حاصل ہوا۔ آپ سات واسطوں سے حضرت ابو اسحٰق شامیؒ جو سلسلۂ چشتیہ کے
مُوجد اور جن کا شمار خواجگانِ چشت کے پہلے پانچ اکابرین میں ہوتا ہے سے منسلک ہیں
آپ راجہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ
اشاعت کا کام انجام دیا۔ میر خوردؒ نے آپ کو نائب رسول اللہ فی الہند لکھا ہے[۱] شیخ الحق محدث
دہلویؒ نے آپ کو برصغیر ہند و پاک سے بڑے بڑے مشائخ کے سرحلقہ اور سلسلۂ چشتیہ
کے بانی اور مورثِ اعلیٰ بیان کیا ہے[۲]

مولانا غلام علی آزاد تحریر کرتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگان سلسلۂ چشتیہ
کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے اور بانی سلسلۂ چشتیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں[۳]
صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان میں ان کے دم قدم کی برکت سے
اِسلام کی اشاعت ہوئی۔ اور کفر کی تاریکی جاتی رہی[۴]۔ ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے

---

[۱] سیر الاولیاء (فارسی) ص ۴۵۔ [۲] اخبار الاخیار۔
[۳] ماثر الکرام ص ۷۔ [۴] سیر الاقطاب ص ۱۰۱۔

ان کے انفاس قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی ؎۱

یہاں بیان کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی رح کا ہندوستان تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا جس نے چھوت چھات کے بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریۂ توحید عملی حیثیت سے پیش کیا اور ہندوستان میں بسنے والے ہزاروں مظلوم انسانوں کو خوشی کی زندگی بخشی ؎۲

سیر الاولیاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری آپ کے حلقۂ مریدین میں شامل تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور آپ کی نظر جس فاسق پر جاتی وہ تائب ہو جاتا پھر کبھی گناہ کے پاس نہ جاتا۔ آپ نے قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب کیا، سلسلہ چشتیہ کی خانقاہ قائم کی۔

خواجہ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" جسے خانقاہی نظام کا ضابطہ بیان کرتے ہیں۔ اکثر سلسلہ چشتیہ کے اولیائے کرام نے خانقاہی نظام کو بہتر بنانے کے لئے اس سے مدد اور راہنمائی حاصل کی۔ یہی وجہ تھی کہ مشائخ چشت کی درسگاہوں اور خانقاہوں میں حدیث کے بعد تصوف خاص کر متقدمین صوفیاء کے حالات کا مطالعہ بہت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ عوارف المعارف، کیمیائے سعادت، راحت القلوب، انیس الارواح، کشف المحجوب، نفحات الانس، فصوص الحکم، تذکرۃ الاولیاء، لمعات، شرح لمعات، لوائح اور شرح لوائح کے مطالعہ کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔ ان سے "برکات" (BLESSINGS) حاصل کرتے تھے۔ اس سلسلہ کی برکت سے دینی و علمی خاص کر تصوف کی چند کتابیں ظہور میں آئیں ؎۳ جن کا ذکر آنے والے صفحات میں کیا جا رہا ہے۔

؎۱ آئین اکبری ص ۲۷۰ (سر سید ایڈیشن) ؎۲ سیر الاولیاء (فارسی) ص ۴۷، ماخذ و تذکرہ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۴۲ ؎۳ ماخذ عہد سلطنت میں صوفی لٹریچر کا ایک جائزہ از ڈاکٹر بروس لارنس، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ص ۹

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ

ابتدائی حالات تعلیم و تربیت

اسم مبارک خواجہ معین الدین حسن، لقب خواجۂ خواجگان غریب نوازؒ اور سلطان الہند ہے آپ سنجبان میں پیدا ہوئے اور شہر خراسان میں نشو و نما پائی سجستان کی نسبت سے آپ کو سجزی[1] کہے جاتے ہیں اور اس نام سے معروف زمانہ ہوئے۔

بعض تذکروں میں آپ کا مولد اصفہان یا قصبہ سنجر لکھا ہوا ملتا ہے جو درست نہیں بزرگوں کے حلقے میں اللہ کی صفات (عطائی) سے موصوف تھے۔ ہندوستان کے تمام قطب و غوث حضرت خواجہ بزرگ کے حلقہ بگوش تھے۔ حضرت کی تاریخ پیدائش سے لے کر تاریخ وفات تک تضاد موجود ہے لیکن خزینۃ الاصفیاء کے حوالے سے آپ کی ولادت ۵۳۷ھ میں ہوئی[2]

سیر الاقطاب کے حوالہ سے لکھا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ کی پیدائش صفاہان اور پرورش خراسان میں ہوتی ہے[3]۔

آپ کے پدر بزرگوار خواجہ غیاث الدین حسنؒ نہایت پرہیزگار، متقی اور نیک آدمی تھے آپ نے ۵۵۲ھ[4] میں وفات پائی اس وقت خواجہ غریب نوازؒ کی عمر پندرہ سال کی تھی والد ماجد کی طرف سے آپ حسینی اور والدہ ماجدہ ماہ نور کی طرف سے حسنی تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت خراسان میں پائی۔ ترکہ میں، جائیداد سے ایک پن چکی اور ایک باغ حصہ میں آیا جس کی دیکھ بھال

---

[1] صحیح لفظ "سجزی" (س، ج زی) ہے سنجری نہیں لفظ سنجری کاتب کی غلطی سے مشہور زمانہ ہو گیا ہے۔

[2] حضرت خواجہ بزرگ کی تاریخ ولادت اور وصال میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ وحید احمد مسعود مؤلف سوانح خواجہ معین الدین چشتی نے تمام ماخذات کو پیش نظر رکھ کر ۵۳۴ھ کو سالِ ولادت قرار دیا ہے (ک ص ۵۵ تذکرہ)

[3] ص ۱۳۷ [4] بعض تذکروں میں آپ کا سال وفات ۵۵۱ھ درج ہے۔

ذکر کرتے تھے اور اسی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔

ایک روز آپ اپنے باغ میں تشریف فرما تھے اور درختوں کو پانی دے رہے تھے ایک قلندر شیخ ابراہیم قندوزی آپ کے باغ میں آیا۔ حضرت نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے اُسے بٹھایا اور باغ سے انگوروں کا ایک خوشہ پیش کیا۔ قلندر نے برغبت تمام یہ انگور کھائے اور اس قلندر نے اپنی بغل سے تھوڑی سی کھلی نکالی۔ دانتوں میں چبائی اور اپنے منہ سے نکال کر اپنے ہاتھ سے حضرت خواجہ بزرگ کے منہ میں ڈال دی۔ جیسے ہی انہوں نے وہ کھلی کھائی ایک نور آپ کے اندر روشن ہو گیا۔ آپ کا دل پورے طور سے املاک اور گھر کی جانب سے ہٹ گیا۔[1] حضرت خواجہ بزرگ نے دو تین روز کے بعد املاک اور اسباب فروخت کر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور مسافرت اختیار کر لی۔ آپ ایک زمانہ تک سمرقند و بخارا میں رہے قرآن کریم حفظ کیا اور ظاہری علوم پڑھے پھر وہاں سے عراق اور عرب روانہ ہوئے جب آپ قصبہ ہرون جو نیشاپور کے نواح میں واقع ہے تشریف لے گئے تو حضرت شیخ الشیوخ غوث العالم خواجہ عثمان ہرونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریباً اڑھائی سال ان کی خدمت میں رہے۔[2] ریاضت و مجاہدہ میں سخت کوشش کی جب وہاں سے آپ کا کام انجام کو پہنچ گیا تو حضرت سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور سن ۵۵۸ھ میں[3] ان سے بیعت ہوئے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۵۷ [2] تاریخ فرشتہ، اخبار الاخیار کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں بحالت سفر و حضر بیس سال حاضر رہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ بست سال در خدمت خواجہ عثمان ہارونیؒ بود در سفر و حضر جامۂ خواب نگاہ داشتے آنگاہ بہ نعمت خلافت مشرف گردید۔ تقریباً یہ مضمون عام تذکروں اور ملفوظات میں مشترک ہے۔ لہٰذا قابلِ قبول ہے [3] مؤلف معین الارواح کا خیال ہے کہ آپ ۵۶۲ میں بیعت ہوئے ص ۲۲

حضرت شیخ اکبر خواجہ عثمان ہرونی رح سے خرقۂ خلافت و سندِ ولایت حاصل کرکے سفر حرمین شریفین اختیار کیا۔ جب آپ واپس آئے تو حضرت شیخ اکبر رح سے سیر آفاق کی اجازت حاصل کی۔ [1]

آپ کا سفر و حضر اور تبرک

سب سے پہلے شہر بغداد کا قصد فرمایا جو اُس زمانہ میں علم و فضل اور کاملین کا مرکز تھا۔ راہ میں قصبہ سنجار پڑتا تھا وہاں قیام کیا۔ اِس غرض سے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی صحبت حاصل ہوئی ہے لیکن ملاقات نہ ہوسکی کیونکہ اُن دنوں آپ قصبہ جیل گئے ہوئے تھے۔ جو حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا مولد و مسکن تھا۔ چند روزہ قیام کے دوران بہت تشنگانِ ہدایت آئے اور فیضِ صحبت سے مستفیض ہوئے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رح بانی سلسلہ سہروردیہ آپ کی خدمت میں رہ کر استفیض ہوئے۔ اسی طرح شیخ اوحدالدین کرمانی رح جو اُس وقت عرفان کے ابتدائی مراحل طے کر رہے تھے حاضرِ خدمت ہوکر درجہ عالی تک پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ بزرگ رح نے اُن کے ذوق و شوق کی قدر کرتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں میں شامل کیا اور خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ [2]

تذکروں اور کتبِ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ رح سن ۵۶۲ھ میں اپنے حضرت شیخ اکبر سے رخصت ہوئے تھے اور حضرت پیرانِ پیر عبدالقادر جیلانی رح کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوچکا تھا۔ ایسی حالت میں ان ہر دو بزرگوں کی ملاقات ممکن نہیں ہوسکی۔ اُن کی زندگی تک حضرت خواجہ بزرگ رح اپنے پیر و مرشد کے آستانۂ فیض سے باہر نہیں نکلے۔ جب آپ بغداد میں داخل ہوئے تو وہ سن ۵۶۳ھ

---

[1] ماخذ سیر الاقطاب [2] ماخذ تاریخ فرشتہ

تھا۔ یعنی حضرت پیران پیر کے وصال کے دو سال بعد آپ بغداد میں داخل ہوئے پس ہر دو بزرگ کا قصہ ملاقات بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہم عصر مؤرخ اور مستند سوانح نگار کی تحریروں سے بھی یہ ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔

بغداد کے بعد حضرت خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ ہمدان تشریف لائے اور اُس زمانہ کے مشہور شیخ محمد یوسف ہمدانی سے ملاقات ہوئی۔ تبریز میں آپ کی ملاقات ولیٔ کامل شیخ ابو سعید تبریزیؒ سے ہوئی اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ آپ ہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ جب آپؒ اصفہان میں داخل ہوئے تو وہاں کے مشہور ولی اللہ شیخ محمود اصفہانیؒ سے ملاقات ہوئی۔ الغرض حضرت خواجہ بزرگ نے چند روز اصفہان میں گزارے۔ ان دنوں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اصفہان میں موجود تھے۔ آپ کے مریدوں میں شامل ہوئے۔

حضرت خواجہ بزرگؒ کا معمول تھا کہ ایک دوتہی اوڑھا کرتے تھے۔ جب وہ کسی جگہ سے نکل جاتی تو اسے سی لیا کرتے تھے۔ یہی دوتہی حضرت خواجہ بزرگؒ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بطور خرقہ عطا فرمائی۔ وہی دوتہی بطور سند معرفت و خرقہ خلافت بابا فرید الدینؒ گنج شکر کو حاصل ہوئی۔

آپ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے خدارسیدہ محبوب مرید سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ کو عطا فرمائی۔ یہ قدیم تبرک خلعت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو مرحمت ہوئی[1] گویا کہ یہی مبارک خرقہ معرفت تھا جس نے ہندوستان کی سرزمین میں ہدایت کی شمع کو روشن کیا جس کی روشنی آج تک اس وسیع ملک کے دور دراز حصوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

آپ نے خرقان، مصار اور بلخ میں بھی قیام کیا۔ خرقان میں آپؒ نے ابوالحسن خرقانیؒ

---

[1] ماخذ تاریخ فرشتہ، تاریخ شیراز از عبدالحلیم شرر لکھنؤ

کے مزار سے فیض حاصل کیا۔ علاقہ حصار کی راہ سے آپ بلخ تشریف لائے بمقام معانی فرحا
شیخ احمد حضرویہؒ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ یہ خانقاہ بہت مشہور اور مقدس جگہ تھی۔
بے شمار آدمی حصولِ فیض و برکت کی غرض سے یہاں آتے رہتے تھے۔ خواجہ بزرگؒ نے چند
روز تک قیام فرمایا کہ اُس زمانے میں بلخ کے قریب موضع زینا میں ایک عالم مولانا
ضیاء الدین فلسفہ پڑھاتے تھے۔ عقیدہ فاسد رکھتے تھے۔ درویشوں کا انکار کرتے تھے
ایک دن مولانا نے آپؒ کے شکار کئے ہوئے جانور کا گوشت کھایا۔ اُن کے قلب کی تاریکیاں
چھٹ گئیں۔ خود مع شاگردوں کے مرید ہو گیا اور فلسفہ و حکمت کے مسائل جن میں دن
فلسفی محو رہتا تھا، ذہن سے دُور ہو گئے۔ پھر آپ شہر غبن تشریف لے گئے۔ وہاں
حضرت شمس العارفین شیخ عبدالواحدؒ پیر و مرشد حضرت شیخ نظام الدین ابو المویدؒ سے
بھی ملاقات ہوئی۔ اِس کے بعد حضرت خواجہ بزرگؒ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ یہ زمانہ
راجہ پرتھوی راج کا تھا۔ اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دیا
اُن دنوں اجمیر ہندوؤں کا ایک زبردست سیاسی اور مذہبی مرکز تھا۔ آپ نے اِس خطۂ
زمین کو اشاعتِ دینِ اسلام کے لئے منتخب کیا۔[1]

اشاعت دین اسلام

اِس برِ عظیم میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی آمد اسلام کی تاریخ میں ایک عظیم واقعہ
ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ شہاب الدین غوری کی فوجوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے
اور اجمیر کو اپنا صدر مقام بنایا۔

اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ "اجا" ایک ہندو راجہ کا نام تھا جس کی حکومت حدود
غزنی تک پھیلی ہوئی تھی۔ "اجا" کے معنی زبان ہندی میں "سورج" کے ہیں اور "میر"

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۵

ہندی میں کوہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ راجہ نے یہاں پہاڑ پر قلعہ بنوایا تھا اس لئے اس جگہ کا نام اجمیر پڑ گیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اجمیر ہی میں پہاڑ پر عمارتیں بنائی گئی تھیں اور سب سے پہلا حوض (تالاب) جو ہندوستان میں تعمیر ہوا ”پھکر“ ہے۔

یہ تو حقیقت ہے کہ شمالی علاقوں میں غزنوی حکمرانوں کے زیر اثر مسلمانوں کی کثیر آبادیاں قائم ہو چکی تھیں لیکن راجپوتانہ (وسطی ہندوستان) کے دُور دراز شہر اجمیر میں حضرت کا قیام ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے[1] کہ ان دنوں اجمیر ہندوؤں کا ایک بڑا مقدس شہر تھا اور دُور دراز سے لوگ یہاں زیارت کے لئے آتے تھے۔ حضرت کے اس جگہ قیام سے اسلام کے حلقۂ اثر میں توسیع ہوئی۔ اور بہت جلد ان کی ذات سے یہ علاقے اسلام کے پیغام سے مانوس ہونے لگے۔ آپ کی روحانی کشش تھی کہ لوگ برابر خدمت میں آ کر دولتِ اسلام سے مالامال ہو رہے تھے۔ ہر شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان آپ کی عظمت و احترام میں یکساں سرگرم تھا اور گھر گھر آپ کی شہرت کا چرچا تھا۔

آپ کی زندگی بہت سادہ لیکن دلکش تھی۔ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی پرانی دوتہی میں لپٹے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں نہ آتی لیکن آپ کی نظر کی تاثیر سے لوگ متاثر ہو جاتے۔ جس فاسق پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا اور پھر کبھی گناہ کے پاس نہ جاتا۔[2]

گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستانی کی سماجی حالت بہت ابتر تھی۔ ہر انسان ایک دوسرے سے برسرپیکار تھا۔ اتحادِ فکر و عمل کا نشان تک نہ تھا۔ مسئلہ چھوت چھات نے غریب عوام کو سخت مصائب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اور یہی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ جو ہندوؤں میں اتحاد کے منافی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چھوت کے اس بھیانک

۱۔ اخبار الاخیار ص ۵۵ ۲۔ سیر العارفین ص ۱۴ عارف

ماحول میں اسلام کا نظریۂ توحید علمی حیثیت سے پیش کیا جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو گئی۔ یہ ایک زبردست ذہنی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا جسے ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں مظلوم انسانوں نے قبول کیا اور سن کر دوبارہ زندگی کا لطف محسوس کرنے لگے اور بقول "سیر الاولیاء"[1]

"ظلمت ایں دیار بنورِ اسلام روشن و منور گشت"۔

لاکھوں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ۶۰۲ھ میں پھر سفر کیا لاہور اور دہلی سے ہو کر اجمیر لوٹے۔ اس سفر میں آپ نے حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ کے مزار پر انوار پر چلّہ کشی کی اور یہ شعر فرمایا ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

اس زمانے میں قطب الدین بختیارؒ بغداد میں تھے۔ ۶۱۱ھ میں واپس دہلی آئے اور اجمیر آنے کی خواجہ صاحبؒ سے اجازت مانگی لیکن غریب نوازؒ خود ہی دہلی تشریف لے آئے اور . . . . قطب الدین بختیارؒ کو دستار و دیگر لوازماتِ خلافت سے سرفراز کیا اور دہلی میں ہی رہنے کا حکم دیا۔

کشف و کرامات

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی کرامتوں کے بہت واقعات مشہور ہیں۔ ان جملہ کرامتوں میں سب سے بڑی کرامت آپ کی سیرت، آپ کی محبت و شفقت اور اچھی شخصیت تھی۔ آپ ہندوستان میں محبت اور اخوت کا پیغام لے کر آئے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہندوستان اس پیغام کا بھوکا تھا۔ سارا ملک اونچ نیچ کا شکار تھا اور

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۷

ملک سماج برہمن، کھتری، ویش اور شودر نام کے چار طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان سب میں شودر بڑا حقیر سمجھا جاتا تھا۔ اس بیچارے کو یہاں تک حق نہ تھا کہ وہ اپنی مذہبی کتاب کو پڑھ سکتا۔ یا اس کے اشلوک ہی سن سکتا۔ اگر کسی طرح اُس کے کان میں وید کا بول پڑ جاتا تو اُس کے کان میں سکہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا اور اس طرح اس کو وید سننے کی سزا دی جاتی۔ ہندوؤں کے مشہور ماہر قانون منوجی نے اس شودر کو قتل کرنے یا غیر معین مدت کے لئے قید کرنے کی سزا تجویز کی ہے۔ اگر بھولے سے برہمن کے پاس سے گزر جاتا تو مسلسل نفرت و حقارت کا شکار ہو جاتا۔ اور اس کے مقابلے میں کتوں، بلیوں، سانپوں اور گایوں کو خدا بنا لیا گیا تھا۔ ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ یہ ظالمانہ عدم مساوات کا دور تھا جب حضرت خواجہ بزرگ رح تشریف لائے۔

حضرت خواجہ اجمیری کو عام طور پر لوگ "غریب نواز" کہتے ہیں اور کہیں بھی کیوں نہیں انہوں نے بڑے محبت بھرے انداز میں دھتکارے ہوئے انسانوں کو سینے سے لگایا صدیوں سے ظلم و ستم کے شکار شودروں، مفلس و قلاش جذام زدہ انسانوں کو اپنے دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھایا اور عوام نے غریب نواز کے پیار بھرے نام سے پکارا۔

بیان کرتے ہیں کہ اجمیر میں راجہ کے دربار کا برخاست شدہ ملازم آپ کی خدمت میں آیا اور اُس نے سارا ماجرا بیان کر کے آپ سے استدعا کی کہ وہ راجہ سے اُس کی بحالی کی سفارش کر دیں۔ آپ نے راجہ کو ایک رقعہ لکھا اور اس کی سفارش کی کہ اس سے . . حسن سلوک رکھا جائے۔ راجہ اس رقعہ کو دیکھ کر بگڑ گیا اور اس نے حکم دیا کہ آپ تین دن تک اجمیر چھوڑ کر چلے جائیں۔ جب راجہ کا قاصد آپ کے پاس پیغام لایا تو آپ نے فرمایا: "تین دن کی مدت ہی کیا ہے۔ جانے والا چلا جائے گا۔" بعض بیان کرتے ہیں آپ نے اس موقع پر یہ فرمایا: "ما اُو را زندہ گرفتار کردیم و (لشکرِ اسلام را) دادیم۔" اِدھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا اُدھر شہاب الدین غوری نے خواب میں ایک نورانی صورت

بزرگ کو دیکھا کہ وہ اسے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں سلطان نے اپنے وزیروں اور فوج کے اعلیٰ افسروں کو یہ خواب سنایا اور ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ پرتھوی راج تین لاکھ فوج لے کر سلطان کے مقابلہ پر روانہ ہُوا۔ اِس مقابلے میں سلطان شہاب الدین غوری کو فتح ہوئی اور حضرت خواجہ بزرگ رح اجمیری کی پیشین گوئی کے مطابق پرتھوی راج لشکرِ اسلام کے ہاتھوں گرفتار اور پھر قتل ہُوا۔ اِس طرح تین دن کے اندر اندر جس کو جاتا تھا وہ اجمیر سے چلا گیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے فتح یابی کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری دی اور جب اُس نے آپ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسے خواب میں حملہ کرنے کی بشارت دینے والے حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رح خود ہی تھے۔

حضرت خواجہ اجمیری رح نے اِس فتح کے بعد اسلام کی تبلیغ کی اور اپنی روحانیت اور سیرت و کردار کا نور پھیلایا۔ آپ کے پاس کوئی سپاہ اور کوئی تلوار نہیں تھی مگر یہی اسلوبِ دلنوازی تھا جس نے آہستہ آہستہ ہندوستان میں برادری اور چھوت چھات کا خاتمہ کر کے ایک مستحکم اسلامی سلطنت کی زمین ہموار کر دی۔

پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ "پریچنگ آف اِسلام" میں بیان کرتے ہیں کہ جب آپ رح اجمیر جاتے ہوتے راستے میں دہلی ٹھہرے تو وہاں آپ نے سات سو (۷۰۰) ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا[1]۔

شیاطین کو زیر کرنے کے بعد حضرت خواجہ بزرگ رح نے اجمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ اور وہاں ایک مسجد، خانقاہ اور درسگاہ تعمیر فرمائی۔ اور دینِ اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ اہلِ ہند پر حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز رح کا سب سے بڑا احسان یہ ہے

---

[1] ص ۲۷۹

کہ انہوں نے یہاں ان وقتوں میں دینِ اسلام کی اشاعت کی جب کہ کفر اور بُت پرستی عروج پر تھی۔ اور یہاں کے بت پرستوں کو "توحید" کی دولت سے مالامال کیا۔

سماع

"سماع" ہندوستان میں جس کا حضرت خواجہ بزرگؒ کو "موجد" کہا جاتا ہے ایک تبلیغی اقدام تھا کیونکہ یہاں مختلف موسیقی کے آلات پر "بھجن" وغیرہ جپنے کا عام رواج تھا اور اُن کی عبادت کا ایک حصّہ بن چکا تھا جس سے لوگ بہت متاثر ہوتے تھے حضرت خواجہ بزرگؒ کی تبلیغی کوششوں کی بدولت ان سازوں پر خالص "توحید" کی تعلیم دی جاتی تھی جس کا لوگوں پر بے حد اثر ہوتا تھا بعض روایات کے مطابق حضرت خواجہ بزرگؒ کو سماع سے دلچسپی ہندوستان میں تشریف آوری سے قبل ثابت ہوتی ہے مگر اس بارے تاریخ سے مستند معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ خاصا تضاد اب بھی موجود ہے۔ بہرحال "سماع" کو حضرت خواجہ بزرگؒ کی زندگی میں ایک جزوی حیثیت حاصل تھی اور ذریعہ تبلیغ تھا حضرت خواجہ بزرگؒ اکثر سماع کی حالت میں بے خود ہو جاتے تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجہؒ کی محفلِ سماع میں اکثر علمائے متبحر و مشائخ کبار جیسے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ شیخ محمد کرمانیؒ۔ شیخ محمد صفاہانیؒ۔ مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتیؒ۔ مولانا بہاؤ الدین بخاریؒ۔ مولانا محمد بغدادیؒ۔ خواجہ اجل سجزیؒ۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ۔ شیخ احمد بن محمد اصفہانیؒ۔ شیخ جلال تبریزیؒ۔ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ شیخ احمد واحدؒ۔ شیخ برہان الدین غزنویؒ۔ خواجہ سلیمانؒ اور عبدالرحمٰنؒ شریک ہو کر فیضیاب ہوتے تھے[1]

حضرت خواجہ اجمیریؒ کی تصانیف اور تعلیمات

---

[1] اللہ دیا بن شیخ عبدالرحیم: سیر الاقطاب تذکرہ خواجگانِ چشت ص ۱۳۸

تصانیف

کتب تاریخ سے حضرت خواجہ بزرگ کی تصانیف کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی معلوم
ہوتا ہے کہ آیا آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ جو بالعموم خواجہ صاحب
منسوب کی جاتی ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کی تصنیف کردہ ہیں۔ خواجہ صا
ایک بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کو اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا
آپ اہم مقصد کو لے کر چلے تھے یعنی اشاعت دین اسلام۔ اسی مقصد کے حصول کا ایک ط
تصنیف و تالیف تھا۔ اور اس لئے اس امر کا امکان غالب ہے کہ جو تصانیف آپ
منسوب ہیں وہ درحقیقت آپ کی ہی تصنیف کردہ ہوں اور جس طرح آپ کی زندگی
بے شمار اہم واقعات سے تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں یہ ہی معاملہ آپ کی تصانیف کے سا
ہو اس لئے آپ کی کتابوں کا تذکرہ ضروری ہے جو آپ کی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔

۱۔ انیس الارواح

یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات، ارشادا
اور تعلیمات کا مجموعہ ہے جو خواجہ اجمیری نے جمع کی
اور ترتیب دیا۔ اصل رسالہ فارسی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے انیس الا
کے نئے مؤرخ متفق ہیں کہ خواجہ صاحب کی تالیف ہے۔ یہ مجموعہ شریعت و طریق
مفاہیم یقین و تصوف کے موضوعات پر ہے اور ۲۸ مجالس پر مشتمل ہے [۱]

۲۔ گنج الاسرار

اصل کتاب نظر سے نہیں گزری اور ترجمہ "مخزن الانوار" کے نام
موسوم ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب حض
خواجہ عثمان ہارونی کے حکم سے سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تربیت کے لئے خ

---

[۱] خطی نسخہ (فارسی) لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

نے لکھی ہے۔ اِس کے لئے خواجہ صاحبؒ نے ستر کتب فراہم کیں اور خواجہ صاحبؒ نے دہلی میں مرتب کی۔ اِسی نام کی ایک کتاب مخطوطات شیرانی دانش گاہ پنجاب لاہور میں موجود ہے۔ اِس کا نام یہ ہے "ملفوظات گنج الاسرار مؤلفہ خواجہ معین الدین سجزی" جو ۲۵ (معرفت) ابواب پر مشتمل ہے[1]

۳۔ حدیث المعارف

مشہور ہے کہ اس نام کی ایک کتاب خواجہ صاحبؒ کی تصنیف سے ہے لیکن تلاش و جستجو کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکی۔ کتب تاریخ اور تذکروں میں اس کا ذکر آتا ہے مگر وجود نہیں[2]

۴۔ رسالہ وجودیہ

یہ رسالہ وجود کی حجت میں معرفت خواجہ بزرگؒ نے لکھا تھا۔ ایک نسخہ سید مغیث الدین لاہور کے ذاتی کتاب خانہ میں موجود بیان کرتے ہیں دوسرا نسخہ مخطوطات شیرانی دانش گاہ پنجاب لاہور میں محفوظ ہے[3]

۵۔ ملفوظات

آپ کے ملفوظات کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے یکجا ترتیب دیا ہے اس رسالہ کا نام "دلیل العارفین" ہے۔ اصل کتاب زبانِ فارسی میں ہے لیکن اس کا اردو ترجمہ اور شرح بھی ہو چکی ہے اور دستیاب ہے۔ اِس میں وہ عارفانہ اقوال اور پند و نصائح جمع ہیں جو خواجہ بزرگ نے مختلف صحبتوں میں اپنے مریدین و معتقدین کو ارشاد فرمائے۔ "دلیل العارفین" میں بارہ مجالس کا ذکر ہے فقر و ثواب، مکتوبات و تسبیحات، اوراد، سلوک و معرفت اور فقر و صلوات کے متعلق آپ کے ارشادات ہیں۔ یہ رسالہ ۵ رجب ۶۱۴ھ کو مکمل ہوا۔ یہ مختصر رسالہ گویا حضرت خواجہ بزرگ رحؒ کے

---

[1] فہرست مخطوطات شیرانی پنجاب یونیورسٹی لاہور ج ۲ ص ۲۵۷ [2] کتاب ہائے تصوف بزبان فارسی در شبہ قارۂ پاکستان و ہند ص ۱۱۲ (استفادہ) [3] فہرست مخطوطات شیرانی پنجاب یونیورسٹی لاہور ج ۲ ص ۲۶۴

ارشادات و مواعظ کا مجموعہ ہے۔

۶۔ رسالہ تصوّف منظوم

خانم ڈاکٹر ممتاز بیگم نے اِس رسالہ کو حضرت خواج[illegible]
کی تصنیف بیان کی ہے۔ یہ تالیف بھی فارسی زبان [illegible]
ہے۔ یہ رسالہ آپ کے پند و نصائح اور افکار و طرزِ شاعری کی آئینہ دار ہے [1]

۷۔ رسالہ در کسب نفس

مولانا صباح الدین خواجہ بزرگؒ کی تالیفات میں
ایک تالیف بیان کرتے ہیں اور ساں ہی کے نام پر[illegible]
کرتے ہیں مگر اس کے وجود کی نشان دہی نہیں ہو سکتی۔

۸۔ دیوانِ معین

یہ ایک فارسی دیوان جو حضرت خواجہ بزرگؒ سے منسوب کیا ج[illegible]
اِس دیوان میں کُل ۱۲۱ غزلیں اور ایک قطعہ ہے۔ دوسر[illegible]
کا کلام نہیں ہے۔ صاحب دیوان کا تخلص "معین" ہے مگر بعض جگہ "معینی" بھی اختیا[illegible]
گیا ہے۔ غزلیات کا رنگ تصوف آمیز ہے۔ مضامین اعلیٰ پایہ کے باندھے گئے ہیں۔ اکثر [illegible]
پر ہندیت (ہندوازم) کی جھلک ہے۔ حضرت خواجہ بزرگؒ کا وطن فارس تھا اور زبان اصل [illegible]
تھی اس لئے یہ حضرت خواجہ بزرگ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ دیوا[illegible]
حضرت خواجہ بزرگ کا نہیں ہے حالانکہ حضرت خواجہ بزرگؒ کی طبیعت میں شعریت ضرور تھی۔ آ[illegible]
کی مندرجہ ذیل رُباعی بہت مشہور ہے اور محققین اسے سند کے طور پر پیش کرتے ہیں ۔ ر[illegible]

شاہ ہست حسین و بادشاہ ہست حسین
دین است حسین و دین پناہ ہست حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقّا کہ بنائے لاالٰہ است حسین

---

[1] کتاب ہائے تصوف بزبان فارسی در شبہ قارہ ص ۴۴ (استفادہ)

مگر تعجب ہے کہ مذکورہ رباعی مطبوعہ نسخوں میں نہیں پائی جاتی بہر حال دیوان معین
ہند کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔
قاضی نور الدین کا شمار جہانگیر بادشاہ کے عہد میں نامور علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے
اخلاق جہانگیری[1] کے عنوان سے اخلاقیات کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھ کر بادشاہ کی
خدمت میں پیش کی تھی۔ قاضی نور الدین ہرات کے مشہور واعظ معین الدین مسکین ——
صاحب معارج النبوت کا پوتا تھا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کا دیوان خواجہ معین الدین اجمیریؒ
کے نام سے بھی چھپ چکا ہے[2]۔ پروفیسر حافظ محمود شیرانیؒ نے اپنے ایک فاضلانہ مضمون میں
ثابت کیا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگؒ کے نام سے جو "دیوانِ معین" چھپا ہے[3] قاضی نور الدین نے
اخلاقِ جہانگیری میں اپنے دادا شیخ معین کی بہت غزلیں درج کی ہیں جو اب دیوان خواجہ
معین الدین اجمیریؒ میں شامل ہے۔ آپ عمدہ عمدہ کتابیں لکھواتے اور مقابلہ کر کے جلد
بندی کروا کر طالب علموں کو تقسیم کر دیتے تھے۔ تمام عمر یہی شغل رہا۔ ہزاروں کتابیں للہ تقسیم
کر دیں۔

۹۔ کشف الاسرار

خانم ڈاکٹر ممتاز بیگم بیان کرتی ہیں کہ یہ رسالہ خواجہ بزرگؒ نے اپنے مریدوں، عقیدت مندوں اور طالبانِ علم کے لئے سرزمین
ہند میں تالیف فرمایا۔ یہ رسالہ "معراج الانوار" کے نام سے بھی معروف ہے۔ حبس دم و فکرِ خفی و چہار
منزل ناسوت، ملکوت، جبروت و لاہوت کی تعلیمات[4] پر مبنی ہے۔

---

[1] نور الدین: اخلاقِ جہانگیری، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن نمبر ریتھے ۲۲۰۷
[2] رک: دیوان خواجہ معین الدین مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۰ء
[3] مقالات حافظ محمود شیرانی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ج ۶، ص ۱۷۱، ۱۹۴
[4] کتاب ہائے تصوف بزبان فارسی در شبہ قارہ ص ۱۲۶-۱۲۷ (استفادہ)

۱۰- مکاتیب

حضرت خواجہ بزرگ رحؒ کے چند مکتوبات کی بھی نشان دہی ہو
ترقی اردو کراچی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، بودلین (۱۸۸۱/۷
انڈیا آفس لندن کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ یہ خطوط آپ نے گاہے بگاہے اپنے
خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کو تحریر فرماتے تھے۔ یہ مکتوبا
کا گنجینہ ہے اور سالکان کی تربیت اور طالبان کی ہدایت پر مشتمل ہیں[1]

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ دلیل العارفین کے علاوہ آپ کی بیان کردہ تمام
منسوب شدہ ہیں۔ ان کی سند اور موجودگی کے بارے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جا

تعلیمات

حضرت خواجہ بزرگ رحؒ کی تعلیمات کیا تھیں اسے جاننے کے لئے آپ کے زما
تحریری ریکارڈ دستیاب نہیں۔ چند کتابیں اور مکتوبات جن کا ذکر اوپر کر چکے ہیں
طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان مذکورہ کتابوں اور مکتوبات کے بارے آج تک اخ
رائے پائی جاتی ہے۔

چند مستند تذکروں میں جستہ جستہ آپ کے جو اقوال نقل ہوئے ہیں پیش
جاتے ہیں:-

فرمایا:-

★ "خواجہ بایزید بسطامی رحؒ نے جو مرتبہ پایا، خدمتِ والدین سے پایا۔ والدین کے
محبت سے نگاہ کرنا بھی عبادت ہے۔"

---

[1] فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی احمد منزوی (مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
ج ۲ ص ۱۴۴۸ دیگر ج ۱ ص ۱۰۷۵ (استفادہ)

ہو مرشد کامل صادق سے کوئی امر فرمائے تو طالب کا فرض ہے کہ اس کی تعمیل میں سرِ مُو فرق نہ کرے۔

فرمایا: "مَیں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبان سے خود سُنا ہے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اولیاء بھی ہیں کہ اگر اس دنیا میں ایک لمحہ بھی اس سے حجاب میں آجائیں تو نیست و نابود ہو جائیں۔

فرمایا: عارف وہ ہے کہ جو کچھ چاہے وہ فوراً اُس کے سامنے آجائے اور جو کچھ بات کرے تو فوراً اس کی جانب سے اس کا جواب سُن لے۔"

فرمایا: "نیک لوگوں کی صحبت نیکی کرنے سے بہتر اور بُرے لوگوں کی صحبت بد کرنے سے بدتر ہے۔"

فرمایا: "علم ایک بے پناہ سمندر ہے اور معرفت اس کی ایک نالی، سو کہاں خدا، کہاں بندہ، علم اللہ کے لئے ہے اور معرفت بندہ کے لئے۔"

- فرمایا: "اہلِ معرفت ایسے آفتاب ہیں جو تمام عالم پیہ درخشاں ہیں اور تمام عالم اُن کے نور سے روشن ہے۔"
- فرمایا: "بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلانا، غرباء کی فریاد سُننا، حاجت روائی کرنا اور درماندوں کی دست گیری کرنا، عذاب دوزخ سے بچنے کی بہترین تدابیر ہیں۔"
- فرمایا: "نیکی اور بدی کا تصوّر آپ نے یہ دیا ہے کہ گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتا جتنا مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنا۔"
- فرمایا: "خدا کا دوست وہ ہے جس میں یہ تین اوصاف ہوں (۱) دریا جیسی سخاوت (۲) آفتاب جیسی شفقت اور (۳) زمین جیسی عاجزی۔"
- "حق تعالیٰ کا قرب نماز ادا کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ سمجھو کہ نماز ہی مومن کی معراج ہے۔"

* "جب تک مرشد کی تربیت حاصل نہیں ہو گی، منزل پر نہیں پہنچے گا۔"
* "اے غافل! اس سفر کا توشہ تیار کر جو تجھے درپیش ہے یعنی سفرِ آخرت۔"

مبارک ہے وہ سرزمین جہاں ان بزرگوں کے آستانوں سے لوگ آج بھی فیض یاب ہو
ہیں اور نورِ معرفت سے اپنے سینوں کو منور کرتے ہیں جس سے بے قرار دل چین پاتا ہے۔

وصال

حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ کی تاریخ ولادت کی طرح تاریخ وفات بھی ٹھیک سے معل
نہیں۔ اس ضمن میں تذکرہ نویسوں اور مورخین کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد
کہ کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہے۔ مشہور اور معروف قول کے مطابق بحوالہ خزینۃ الاصفیاء[۱]۔
سیر الاقطاب[۲]، اخبار الاخیار[۳] اور سوانح خواجہ معین الدین چشتیؒ از وحید احمد مسعود[۴] میں آپ کا
وفات ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء قرار پایا ہے اور آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا جہاں آپ عباد
کیا کرتے تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے فخر الدین ابوالخیرؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقو
مؤلف "معین الارواح" آپ نے ۶۲۷ھ میں وفات پائی اور آپ کی عمر عزیز ۹۰ سال تھ
"بزم صوفیہ"[۵] میں آپ کی تاریخ وفات ۶۳۲ھ/ ۳۵-۱۲۳۴ء درج ہے اور آپ
ستانوے ۹۷ سال کی عمر پائی۔ آپ کا وصال باختلاف روایت ۶۳۲ھ یا ۶۳۳ھ بعہد
شمس الدین التمش انار اللہ برہانہ میں ہوا۔ آپ کا مزار پُر انوار اجمیر میں ہے جو مرجع خلائق
ایک زمانہ تک یہ مدفون اپنی اصلی حالت پر رہا۔ غیاث الدین خلجی کے دور میں خواج
نامی ایک بزرگ جو حضرت کے خلیفہ خواجہ شیخ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے انہوں
مرقدِ مبارک کا موجودہ گنبد تعمیر کروایا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ غیاث الدین خلجی نے خواجہ حسینؒ
خدمت میں ازراہِ عقیدت کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہا۔ آپ نے اس کے قبول کرنے میں کچھ کیا

---

[۱] ص ۲۶۵ [۲] ص ۱۵۵ [۳] ص ۱۲۳ [۴] ص ۴۷ [۵] ص ۴۵ — بقول ڈاکٹر طاہر وس لا
تصنیف "عہد سلطنت میں صوفی لٹریچر کا ایک جائزہ" آپ کی تاریخ وفات ۱۲۲۳ء بیان کر

آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ حضرت خواجہ بزرگ کے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرا دو چنانچہ بادشاہ کی طرف سے گنبد تعمیر ہوا، گنبد پر طلائی کلس ہے جو نواب کلب علی خاں والی رام پور کے بھائی نواب حیدر علی خاں نے نذر کیا۔ گنبد کے چاروں طرف کی دیواروں پر سنہری کلسیاں ہیں اور اندرونی حصے میں لاجوردی کا کام ہے۔ یہ کام مشتاق علی خان والئ رامپور نے کرایا تھا۔ خاص مزار کے حصے پر زردوزی کے شامیانے بندھے ہوتے ہیں۔ ایک نواب ابراہیم علی خاں والئ ٹونک دوسرا نواب کلب علی خان والئ رامپور نے نذر کیا ہوا تھا۔ مزار کے قریب دیگر عمارات کے علاوہ مسجد صندل خانہ ہے۔ یہ مسجد سلطان محمود خلجی نے تعمیر کرائی۔ نور الدین جہانگیر بادشاہ نے پہلے تین دروں میں چار دروں کا اضافہ کیا اور نئے سرے سے بنوایا۔ سلطان اورنگ زیب نے اپنے عہد میں اس کی خاطر خواہ مرمت کرائی۔ ہر زمانہ میں ضرورت کے مطابق کمروں اور برآمدوں کا اضافہ ہوتا گیا۔

آپ نے تعلیمات کے ذریعے حلقۂ ارادت میں ایسے مردانِ باصفا پیدا کر دیئے جن کی زبان اور دل میں کوئی فاصلہ نہ تھا بلکہ ایک ہوتی جو وہ کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ ان میں آپ کے مرید و خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ قابلِ ذکر ہیں۔

قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

ابتدائی حالات، رسمِ ولادت اور وطن

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے خلیفہ حضرت شیخ بختیار کاکیؒ دہلی میں مقیم تھے اور اپنے مرشد کی طرح خلقِ خدا کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ جب حضرتؒ دہلی میں موجود تھے تو انہوں نے چند وجوہ کی بنا پر حضرت شیخ بختیار کاکیؒ کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانا چاہا تو اہلِ شہر کا جمِ غفیر اور سلطان شمس الدین التمش احتجاج کے طور پر جمع ہو گیا۔

عاشقِ زار کی طرح آہ و بکا کرنے لگے، جس جگہ حضرت شیخ بختیار کاکیؒ پاؤں رکھتے تھے وہاں کی خاک اُٹھا کر آنکھوں سے لگاتے تھے اور چیخیں مار مار کر روتے تھے۔ حضرت خواجہ بزرگؒ اجمیری نے آپ کے عوام کی یہ عقیدت اور محبت دیکھی تو آپ کو اپنے ساتھ لیجانے کا ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا:

"بابا قطب الدین ہم دریں مقام باش کہ خلائق از بیرون آمدن تو در اضطراب وخراب اند، اما ندارم کہ چندیں خراب وکباب باشند۔ بردا ایں شہر را در پناہ تو گزاشتم"[1]

(ترجمہ) "بابا قطب الدین تم یہیں رہو، تمہارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کو صدمہ پہنچے گا۔ میں اِس شہر کو آپ کے سپرد کرتا ہوں"۔

اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام کو ان لوگوں کی کتنی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت مادّی اور روحانی دونوں قسم کی تھی۔ لوگ اپنی تکلیفیں لے کر آتے اور ان کی مجالس میں انہیں ذہنی سکون ملتا۔ آپؒ نے بین الاقوامی مقام دہلی میں اپنے پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق سکونت اختیار فرمائی اور روحانی سلطنت کی بنیاد دہلی میں رکھی جس کے آثار آج تک نمایاں ہیں۔ زمین۔ زمان۔ زمانہ اور حالات و واقعات اس سلطنت کو مٹا نہ سکے۔ دہلی نورِ اسلام سے منوّر ہوئی اور اس کے اکناف و اطراف نے شمعِ اسلام سے روشنی پائی۔ اسلام کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔

اس سلطنت کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی گئی تھی وہ اصول انسانیت کی فلاح کے ضامن ہیں۔ اپنی روحانی طاقت، کردار و گفتار، اپنے ایثار اور اپنے خلوص اور رواداری سے ایک نئے سماج کی تشکیل کی، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ جو عہد کر لیتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں اور اپنے اقرار کو نہیں توڑتے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۴ - ۵۵

آپ اولیائے اکابر اور اصفیائے اجلا میں سے تھے۔ ترک دنیا، گوشہ نشینی اور فقر و فاقہ کمال تک پہنچے۔ پھر یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کی جائے پیدائش "اوش" ہے اور اس "اوش" کو بغداد کے مضافات میں بتایا گیا ہے[1]۔ اس "اوش" کو فارس میں بھی بیان کرتے ہیں[2]۔ بعض نے "اوش" کو قصبات ماوراء النہر میں لکھا ہے[3]۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ "اوش" فرغانہ کے نواح میں ایک بڑا شہر ہے۔ بعض تذکروں میں ولایت فرغانہ میں توابع اندجان لکھا ہوا ملتا ہے[4]۔ شہزادہ دارا شکوہ نے آپ کی جائے پیدائش اوش ولایت فرغانہ توابع اندجان لکھتے ہیں:

"مولد و اصل ایشاں از اوش فرغانہ است و آں قصبہ ایست از توابع اندجان"[5]۔

(ترجمہ) "آپ کی پیدائش در اصل خاندان اوش فرغانہ (ولایت فرغانہ) سے ہے اور وہ قصبہ اندجان میں ہے"۔

آپ اسی نسبت سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کا اسم گرامی بختیار اور خطاب قطب الدین تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید کمال الدین احمد بن سید موسیٰ تھا جو حسینی سادات سے تھے۔ ڈیڑھ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے[6]: آپ کی والدہ نے آپ کی بہت اچھی طرح پرورش کی۔ پانچ برس کی عمر میں ایک نیک اور صالح بزرگ شیخ ابا حفص اوشیؒ کے سپرد کیا۔ شیخ ابا حفص اوشیؒ نے کہا "اے بچے تو بڑا بختیار ہے اور صاحب نصیب ہے اور حضرت خضر علیہ السلام نے میرے حوالہ کیا ہے"۔ مناقب المحبوبین[7] کے مطابق بختیار ایک قوم کا نام تھا جو سادات سے تھی۔

آپ نے علوم دینی کی تحصیل میں کوشش بلیغ فرمائی اور تھوڑے عرصہ میں تحصیل علم

---

1 صولت افغانی ص ۶۹۳ 2 مرقع خواجگان ص ۶۶ 3 سیر العارفین
4 مسالک السالکین۔ استفادہ 5 سفینۃ الاولیاء (از شہزادہ دارا شکوہ) ص ۹۴۔
سیر الاقطاب ص ۱۶۸ 6 ص ۲۶ 7 ص ۲۵۔ فرشتہ جلد دوم حالات قطب صاحب،
صولت افغانی ص ۶۲۹ سیر العارفین ص ۱۷۔

میں سند تکمیل حاصل کی اور علم باطن کی تلاش میں رجوع ہوئے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ قطب الاسلام (حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ماہ رجب المرجب ۵۲۲ھ میں درمیان مسجد فقیہہ ابو اللیث سمر قندی کہ شہر بغداد میں ہے روبرو ئے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ، شیخ برہان الدین چشتیؒ و شیخ محمود اصفہانیؒ کی بیعت اور خواجہ بزرگؒ سے فیض یاب ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ غریب نواز اس وقت دوتائی (دوتہی) اوڑھے ہوئے تھے۔ وہ دوتائی آپ نے قطب صاحبؒ کو عطا فرمائی۔ دوتائی کے معنی یہ ہوتے کہ خواجہ غریب نوازؒ نے حضرت قطب صاحب کو شرفِ مریدی بخشا۔

آپ عبادت و ریاضت اور زہد و قناعت میں کمال درجہ رکھتے تھے۔ فقر و فاقہ میں یگانہ وقت تھے۔ آپ کے ہاں اکثر فاقہ ہوتا تھا۔ خلوت و گوشہ نشینی آپ کی عادت تھی۔ کم کھاتے کم سوتے تھے اور کم ہی بولتے تھے۔ ہمیشہ پوشیدہ ذکر کرتے اور حالات کے چھپانے میں کوشاں رہتے۔ آپ کسی بادشاہ یا کسی امیر کا نذرانہ نہ قبول فرماتے تھے۔ آپ حافظ قرآن تھے۔ دن رات میں دو ختم قرآن کیا کرتے تھے اور قریب تین ہزار نفل پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے انتہا درجہ کی مشغولیت کی وجہ سے بستر پر آرام فرمانا اور سونا ترک کر دیا تھا۔ آپ شب و روز حالتِ مراقبہ میں رہتے تھے۔

ذوق و شوق اس درجہ کا تھا کہ جہاں کہیں ذکر محبوب سنتے متاثر ہو جاتے۔ کئی کئی روز عالم حیرت و بے خودی و بے ہوشی میں رہتے۔ جب نماز کا وقت آتا ہوش میں آتے اور نماز ادا کرتے پھر وہ ہی استغراق کی حالت ہو جاتی۔ آپ کو یہ کمال حاصل تھا کہ جو زبان سے کہتے تھے وہ ہی ہوتا تھا جس جگہ کی جو چیز بتاتے تھے وہ درست اور صحیح نکلتی صاحب روضۃ اقطابؒ بحوالہ تذکرۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ جب خواجہ قطب الدینؒ و

---

[۱] ص ۸۱ (فارسی) ص ۱۷۷ (ترجمہ اردو)

قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے شہر دہلی میں مجلس سماع کی تو خلقت بہت جمع ہوئی سلطان شہاب الدین غوری کو حسد ہوا اور مدعی ہوا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں حرام ہے۔ اور اگر یہ میرے شہر میں سماع کریں گے تو میں ان کو شہر سے نکال دوں گا۔ جب خواجہؒ نے یہ سنا تو فرمایا جو شخص محض ظالم ہے سماع اس پر حرام ہے اور ہم پر کہ اس کام کو کرتے ہیں حلال ہے اور یہ بھی فرمایا کہ سلطان کو بہت جلد سفر پیش آئے گا اور اس سفر سے زندہ پھر کر دہلی میں نہیں آئے گا چنانچہ انہیں دنوں میں سلطان کو سفر درپیش ہوا اور اس سفر میں اس کی جان عزیز جاتی رہی۔ زندہ دہلی میں نہ آیا کہ موجب آزار ان دوستان خدا کا ہوتا۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الدینؒ کی آخر عمر ہوئی تو ماہ رمضان تھا آپ کو ضعف ہونا شروع ہوا مگر آپ نے سب روزے رکھے کوئی روزہ فوت نہ کیا جب عید ہوئی تو عید گاہ میں گئے اور وہاں سے اپنے جائے مدفن پر پہنچ کر کھڑے رہے اور بہت دیر تک تامل کیا۔ آپ کے عزیز حاضر تھے۔ عرض کیا کہ حضرت گھر تشریف لے چلیں کہ خلق اللہ زیارت و مبارک باد کو منتظر ہے۔ اور تھوڑا کھانا تناول فرماویں اور خلقت کو رخصت فرماویں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: "مرا ازیں زمین بوئے دلہا می آید۔ مالک ایں زمین را حاضر کنید۔" ۔ "مجھے اس زمین سے پاکوں (نیک لوگ) کی خوشبو آتی ہے اور دل یہ چاہتا ہے کہ میرا مدفن اسی زمین میں ہو۔ اسی وقت مالکِ زمین کو حضور میں بلا کر اس زمین کی قیمت اپنے صرف خاص میں سے دے دی[1]۔ اس وقت آپ دولت خانہ تشریف لے گئے۔ اب یہ جگہ قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔

بحوالہ سیر العارفین بیان کیا جاتا ہے کہ جب خواجہ قطب الدین اوشیؒ کی عمر آخر ہوئی اور وقت وفات قریب آیا تو قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۵۹، سیر الاولیاء بروایت حضرت نظام الدین اولیاء ص ۵۵

حضور کی حالت دگرگوں ہے لازم ہے کہ خلفا میں سے کسی کو جانشین مقرر کیا جائے۔ آپ کا بڑا صاحبزادہ اُس وقت موجود تھا مگر حضرت خواجہؒ نے اس پر کچھ التفات نہ کی، فرمایا:

"یہ خرقہ و نعلین و عصا بطریق امانت کے میرے پیر سے مجھ کو پہنچا ہے جس وقت فرید میرا مرید ہانسی سے یہاں آوے اُس کو یہ سب دے کر میرا جانشین کریں۔" جس رات کو آپ کا انتقال ہوا اُس رات کو حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے خواب دیکھا کہ خواجہؒ کو خدا بلاتا ہے۔ آپ نے جانا کہ خواجہؒ نے وفات پائی۔ صبح کو ہانسی سے زار زار روتے ہوئے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ اُدھر سے شیخ حمیدالدین ناگوریؒ نے ایک قاصد خواجہ فریدالدینؒ گنج شکر کے پاس روانہ کیا کہ اس واقعہ کی خبر شیخ فریدالدین کو ہو جائے۔ الغرض جب خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ قصبہ "مہم" میں کہ درمیان دہلی اور ہانسی کے ہے پہنچے تو قاصد حمیدالدین ناگوریؒ کا تھا آپ سے ملا اور حمیدالدین ناگوریؒ کا خط آپ کو دیا۔

جس طرح خواجہ معین الدین چشتیؒ کے انتقال کے وقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حاضر نہیں تھے اسی طرح خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ آپ پیر کے وصال کے وقت حاضر نہیں تھے۔ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ آپ کی وفات کے پانچویں روز آپ کے مزار پر پہنچے۔ قاضی حمیدالدینؒ و بدرالدینؒ نے خرقہ اور سب چیزیں جو امانت تھیں سپرد کیں اور پیر و مرشد کی جگہ پر بٹھلایا گویا یہ جانشینی کا اعلان تھا۔ خواجہ فرید گنج شکرؒ نے دوگانہ پڑھ کر اس کو زیب تن کیا اور اپنے شیخ کے جانشین ہو گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال بروز دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ[۱] کو اس شعر پر ہوا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

---

[۱] بعض تذکروں میں حضرت قطب الاسلام کا سن پیدائش ماہ رجب ۵۱۲ھ اور سال وفات ۶۳۵ھ بھی لکھا ہوا ملتا ہے، د.ک: تذکرہ سیر الاقطاب از حضرت اللہ دیا بن شیخ عبدالرحیم رح ص ۱۸۳

کاکی کی وجہ تسمیہ

حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی اہلیہ محترمہ آپ کے ارشاد کے مطابق مقررہ جگہ سے گرم روٹیاں لے آتی تھیں اور مہمانوں اور افرادِ خانہ کو کھلادیا کرتی تھیں۔ کاکی خشک روٹی کو بھی کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ خواجہ صاحبؒ تنگیٔ معاش کے سبب شرف الدین بقال سے قرض لے کر گزارہ کرتے تھے۔ ایک روز بقال کی بیوی نے آپ کی اہلیہ محترمہ سے کہا کہ اگر ہم نہ ہوتے تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ آپ کو یہ بات پسند نہ آئی اور آپ نے اس کا ذکر خواجہ صاحبؒ سے کیا۔ انہوں نے کہا:

"آج سے قرض لینا بند کردو اور ضرورت کے وقت فلاں طاق میں ہاتھ ڈال کر اپنی ضرورت پوری کرلیا کرو۔" چنانچہ آپ کی اہلیہ محترمہ ایسا ہی کرتیں۔ طاق میں ہاتھ ڈالتیں تو گرم گرم کاک (روٹی) نکل آتے [1]۔

افضل الفوائد میں درج ہے کہ ایک روز آپ حوض شمسی پہ بیٹھے ہوئے تھے ہوا سرد تھی۔ ہمراہی دوستوں نے کہا کہ اس وقت کا "کہالے" (کھانا) گرم ملتا تو کیا اچھا ہوتا۔ آپ نے تالاب میں ہاتھ ڈال کر گرم "کاک" نکالے اور دوستوں کے آگے رکھ دیئے اور اس روز سے کاکی مشہور ہوئے [2]۔

خلفاء

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ کے بائیس [3] خلفاء تھے۔ ان خلفاء میں سے تین مشہور خلفاء ہیں جن سے آگے سلسلہ جاری ہوا۔ پہلے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۹۴-۹۵ [2] روضۃ الاقطاب ص ۱۸ [3] حضرت خواجہؒ کے خلفاء کی تعداد جن کے نام تذکرہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں ۹ یا ۱۰ سے کم نہیں۔ ۲۲ خلفاء کے اسم گرامی کسی تذکرہ میں نہیں ملتے۔

جو آپ کے قائم مقام تھے اور آپ کے خلیفہ بزرگ تھے۔ سلسلہ چشتیہ فریدیہ آپ سے آگے چلا۔ دوسرے شیخ بدرالدین غزنوی جن کے خلیفہ عمادالدین ابدال تھے اور ان کے خلیفہ شہاب الدین عاشق اور ان کے خلیفہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر تھے۔ تیسرے شاہ قلندر جن سے آگے سلسلہ قلندریہ جاری ہوا۔

آپ کا علمی ذوق

آپ ایک بلند پایہ مصنف اور ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل بیان کرتے ہیں :

۱۔ دلیل العارفین : اِس کتاب میں آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات تحریر کیے ہیں۔

۲۔ زبدۃ الحقائق : یہ کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔

۳۔ آپ نے ایک رسالہ بھی مرتب کیا جس کی نشان دہی نہیں ہو سکی۔ ایک مثنوی بھی آپ سے منسوب کی جاتی ہے جو نایاب ہے۔

۴۔ آپ کا ایک دیوان فارسی بھی ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ اس میں حضرت قطب صاحب کا تخلص "قطب الدین" ہے اور کہیں "قطب دین" ہے۔ اصل مخطوطہ دست یاب نہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کے نام کی املا ایک ہی ہو، کتابت میں فرق پایا جاتا ہو۔ بہرحال آپ نے اپنی شاعری کو توحید و عرفان اور حقیقت و معرفت کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔

۵۔ فوائد السالکین (فارسی) مطبوعہ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء مطبع مجتبائی دہلی (انڈیا)۔ یہ کتاب قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی المتوفی ۶۳۳ھ ۱۲۳۴ء کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے جسے حضرت بابا

فریدالدین مسعود گنج شکرؒ المتوفی ۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء نے جمع کیا۔ یہ مجموعہ ملفوظات سات مجالس پر مشتمل ہے۔ ہر مجلس کے آغاز میں لفظ مجلس اور اس کا شمارہ جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جس سے مجالس کی ترتیب اچھی طرح واضح اور نمایاں ہے۔ "مطلوب الطالبین" کے نام سے "فوائد السالکین" کا اردو ترجمہ مولوی عبدالاحد مرحوم نے ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع کیا۔ اس کے مترجم محمد بیگ تھے۔ مولوی غلام احمد خاں بریاں مرحوم نے ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں ہشت بہشت خواجگان چشت رح کے آٹھ ملفوظات کا اردو ترجمہ کیا جس میں فوائد السالکین کا ترجمہ شامل ہے۔ فوائد السالکین کے قدیم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے بزرگ خلیفہ مولانا برہان الدین غریبؒ المتوفی ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء نے اپنے مرید مولانا رکن الدین عماد دبیر کاشانیؒ سے تصوف میں کتاب "شمائل الاتقیاء[1] و دلائل الاتقیاء" مرتب کرائی تھی۔ اس کی فہرست ماخذات میں فوائد السالکین کا بھی ذکر آتا ہے جو اس کی قدامت کی دلیل ہے اور اس کتاب کا وجود[2] مسلم ہے مگر اس کا ذکر فوائد الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیاء میں نہیں۔ بغور مطالعہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مندرجات بذاتِ خود اس کے وجود کی اور اس کے قدیم ہونے کے ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ فوائد السالکین تاریخی اندراجات سے مُبرّا ہے۔ یہ کتاب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بیعت ہونے کے وقت سے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے آخری ایام حیات تک کے بیانات و واقعات کی جامع ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا سن وفات ۶۷۰ھ/ ۱۲۷۱ء ہے اور مدت عمر ۹۳ سال ہے۔ تو سن ولادت ۵۷۷ھ/۱۱۷۸ء برآمد ہوتا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی رح

---

[1] یہ مخطوطہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے ذخیرہ مخطوطات، فارسی مخطوطات کی فہرست مطبوعہ ۱۹۲۶ء/۱۹۲۷ء ص ۵۷۱ نمبر ۱۱۹۷ء یہ کتاب ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں حیدر آباد دکن سے شائع بھی ہو چکی ہے جو شمائل الاتقیاء کے نام سے مشہور ہے (معارف۔ اعظم گڑھ ماہ مئی ۱۹۷۹ء ص ۳۵۸)

[2] آئینہ ملفوظات از علامہ اخلاق حسین دہلوی ص ۹۹ (استفادہ)

کے ارشاد کے مطابق بوقت بیعت حضرت بابا صاحبؒ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ مولانا حامد جمالی

سیر العارفین میں لکھتے ہیں کہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے

جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں حضرت

بابا صاحبؒ شرف بیعت و ارادت سے مشرف ہوتے۔ آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔[1]

لحاظ سے حضرت بابا صاحبؒ کا حضرت محبوب الٰہی کے ارشادات کے مطابق سن بیعت

۵۹۵ھ/ ۱۱۸۶ء ہے۔ لہٰذا فوائد السالکین کا عہد تدوین ۵۹۵ھ/ ۱۱۸۶ء مانا جاسکتا ہے

یہ کتاب ۳۸ سال کے عرصہ تک ان مجالس کے بیانات و واقعات کا مجموعہ ہے جو

لگاتار منعقد ہوتی تھیں۔ اس کتاب کا اسلوب بیان سادہ، سلیس، شگفتہ اور عام فہم ہے

مذکورہ بیان کے مطابق اس کتاب ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء کو پوری ہوئی ہوگی اور اسی سال

کا وصال ہوا۔ اکابر اولیاء چشتیہ ان کو مستند نہیں مانتے اور اس پر اعتماد نہیں کرتے

ملفوظات میں حضرت بابا صاحبؒ کا سن ولادت ۵۶۹ھ ہے اور مدت عمر ۹۵ سال

سن وفات ۶۶۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ نے سن ۵۸۴ھ میں حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کاکیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی جب کہ آپ کی عمر عزیز ۱۵ سال کی تھی

یہاں بیان کرنا بے محل نہ ہوگا۔ ہندوستان کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ۵۸۴ھ

فتح نہیں ہوئی تھی اور حضرت قطب صاحبؒ دہلی میں تشریف فرما بھی نہیں تھے۔

۵۸۹ھ میں فتح ہوئی اور ۵۹۰ میں دہلی کو پایۂ تخت بنایا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سن ولادت، سن بیعت و ارادت، عمر بوقت بیعت و ا...

وفات کے وقت حضرت بابا صاحبؒ کی عمر اور سن وفات میں خاصہ تضاد پایا جاتا

اور اس بارے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

---

[1] سیر العارفین فارسی ص ۳۶ [2] سیر الاولیاء ص ۸۰، ۶۰، ۶۱ ۔ سیر الاقطاب ص...
روضۃ الاقطاب ص ۵۹، اقتباس الانوار۔

چند ارشادات

۱- مرید صادق کو طاعت میں مزہ آتا ہے اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

۲- سماع مخصوص شرائط کے ساتھ سننا جائز ہے

۳- سالک کو چاہیے کہ اسرارِ الٰہی کو چھپائے۔ کشف و کرامات کا اظہار باقی درجات سے دور رکھتا ہے۔

۴- عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صفاتِ الٰہی اس میں پائی جائیں۔

۵- سالک وہ ہے جو ہر وقت یادِ الٰہی میں غرق رہے اور شریعت کی پابندی کو نہ چھوڑے کم کھائے صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے۔

۶- حضرت قطب صاحبؒ اپنے حال کو ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ زہد و ریاضت عبادات و مجاہدات کو چھپاتے تھے[1] اپنے مریدوں کو بھی اس بات کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے آپ سے چلہ کشی کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا "اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ان باتوں سے بھی شہرت ہوتی ہے اور فقیروں کے لئے شہرت کا ہونا آفت ہے۔ ہمارے پیروں میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔"

۷- آپؒ نے فرمایا "جب درویش کامل ہو جاتا ہے تو جو کچھ کہتا ہے وہی ہوتا ہے اور ذرہ بھر بھی اُس کی بات میں فرق نہیں آتا۔" فرماتے ہیں "جب لطفِ الٰہی کی نسیم چلتی ہے تو لاکھوں شرابیوں کو صاحب سجادہ بنا دیتی ہے اور بخشش دیتی ہے اور خدا نہ کرے اگر قہر کی ہوا چلے تو لاکھوں سجادہ نشینوں کو راندۂ درگاہ بنا دیتی ہے اور سب کو شراب خانوں میں دھکیل دیتی ہے۔ اے بھائی! اس راہ

---

[1] فوائد الفوائد   [2] فوائد السالکین

میں کامل سلوک والے دن رات ہر وقت فراق کے ڈر اور خوف سے حیرا
اور غمگین رہتے ہیں کیونکہ انجام کسی کو معلوم نہیں کہ کس طرح ہوگا۔

۸۔ "کامل مردوں کا حال یوں ہے کہ وہ خوفِ الٰہی کے مارے حیران رہتے ہیں۔
معلوم نہیں کہ ہم کس گروہ میں ہیں"۔

۹۔ فرمایا: "اگر چلنے والا ایک خاص سمت میں چلتا ہے اور اس کا یقین کامل ہے
کمالیت کی اُمید رکھتا ہے تو یقیناً وہ کمالیت کو پہنچ جائے گا"۔

۱۰۔ آپ نے فرمایا: "دُعا دو قسم کی ہوتی ہے ایک نیک دوسرے بد۔ کسی کے ح
بددُعا نہیں کرنی چاہیئے"۔

حضرت شیخ شیوخ العالم بابا
فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائی حالات، خانوادہ، ولادت، تعلیم و تربیت اور بلادِ اسلامیہ کا سفر

تیرھویں صدی عیسوی میں ایک طوفان برپا ہوا منگولوں کے درندہ صفت لشکروں نے ایران، بغداد، شام، ترکستان اور افغانستان میں آگ اور خون کے ہولناک مناظر پیش کئے۔ اِن وحشیانہ حملوں سے مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق خون آلود ہو گئے تہذیب و تمدن، بود و باش اور ثقافت کے صدیوں پرانے مینار لڑکھڑا کر گر پڑے۔ ہر طرف لوٹ مار، غارت گری کا دَور دَورہ تھا صنعت و حرفت اور تجارت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ خوش حالی ختم ہو گئی اور زبوں حالی کہیں زیادہ ہو گئی مسلمانوں کا یہ سیاسی اور اخلاقی زوال منگولوں کے حملہ کا نتیجہ تھا جس کے سبب خانقاہیں اور مدرسے بے نور و چراغ ہو گئے۔ کتب خانوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا سیاسی انتشار نے ذہنی انتشار کی صورت اختیار کر لی۔ ان رُوح فرسا مناظر کو دیکھ کر اقوام کی طبیعتیں خود بخود تصوف کی طرف راغب ہوئیں۔ تصوف کے ذریعے سے یہ اقوام پھر ایک بار زندہ ہوئیں اور ترقی کا سامان پیدا ہوا۔

چنگیزی یلغاروں کی وجہ سے بے شمار مسلمان اپنا اپنا وطن چھوڑ کر برصغیر پاک و ہند میں پناہ گزین ہوئے۔ ہجرت کرنے والوں میں بڑی اہم اور ذی شان و ذی اقتدار شخصیتیں بھی تھیں۔ ان میں بزرگ، اہل طریقت، صوفیاء اور کاملین بھی تھے جو چنگیز خان اور اس کے منگول جانشینوں کے ظلم و ستم اور جبر و استبداد سے نہ بچ سکے۔

جب روزگار کے حوادث سے کابل کی سلطنت کو زوال پہنچا تو حضرت بابا فرید گنج شکر

کے آبائو اجداد[1] سلطان شہاب الدین غوری کے عہدِ سلطنت میں کابل سے ہندوستان تشریف لائے اور ملتان میں سکونت اختیار کی۔ یہ عہدِ سلاطینِ غور تھا۔

آپ فرخ شاہ بادشاہ کابل کے خاندان سے اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد سے تھے۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے:

"حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ بن حضرت جمال الدین سلیمانؒ بن قاضی شعیبؒ بن شیخ محمد احمدؒ بن حضرت محمد یوسفؒ بن حضرت شہاب الدین احمدؒ فرخ شاہ کابل بن نصیر الدین بن شیخ سلیمانؒ بن شیخ مسعودؒ بن شیخ عبداللہؒ المعروف بہ واعظ الاصغر بن شیخ ابو الفتحؒ المعروف بہ واعظ الاکبر بن شیخ اسحاقؒ بن شیخ ابراہیمؒ بن شیخ ادہمؒ بن شیخ سلیمانؒ بن شیخ منصورؒ بن شیخ ناصرؒ بن شیخ عبداللہؒ بن حضرت امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)"

بعض تذکرہ نویسوں نے ۲۴ واسطوں سے آپ کا شجرہ حضرت فاروق اعظمؓ تک پہنچایا ہے۔ سیر الاقطاب نے کل پندرہ واسطے لکھے ہیں۔ گلزارِ ابرار میں دس واسطے تحریر ہیں[2]۔ آپ کے تیسرے دادا یوسفؒ[3] چنگیزی عہد میں ہندوستان تشریف لائے لاہور میں قیام کیا، پھر قصور کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے "کھوتیوال" (ضلع ملتان) میں ٹھہرے۔ یہ جگہ ان کی آب و ہوا آپ کو پسند آئی اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ حضرت بابا فریدؒ کے دادا

---

[1] سیر الاولیا ص ۵۹ میں درج ہے "جد بزرگوار شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز درحرب کفار شہادت یافت۔" سیر الاقطاب میں مذکور ہے کہ "بابا فرید کے والد ماجد سلطان محمود غزنوی کے بھانجے ہیں۔" تاریخ فرشتہ میں تحریر ہے کہ "آپ کے والد سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے ملتان آئے۔" مگر سیر العارفین سے مذکورہ بیانات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ درج ہے "جمال الدین سلیمان از طرف کابل در عہد سلطان شہاب الدین محمد غوری خواہر زادہ سلطان محمود غزنوی در طرف ملتان آمدہ" (جمال الدین سلیمان کابل سے شہاب الدین محمد غوری خواہرزادہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ملتان آئے): [2] گلزارِ ابرار ص ۴۸

ی شعیبؒ تھا۔ آپ کے ترک دہلی کا عہد خسرو شاہ غزنوی (۵۴۷ھ تا ۵۵۵ھ / ۱۱۵۲ء تا ۱۱۶۰ء) ہے۔

قاضی شعیبؒ کے تین لڑکے تھے۔ پہلے بیٹے کا نام قاضی جمال الدین سلمان تھا۔ دوسرے

بیٹے شیخ عبداللہ تھے جن کی اولاد جونپور میں آباد ہے۔ حضرت بابا فرید کے والد شیخ جمال الدین سلمانؒ

قاضی شعیب کے بڑے بیٹے تھے۔ شیخ جمال الدین کی شادی شیخ وجیہہ خجندیؒ کی صاحب زادی

بی قرسم خاتون سے ہوئی جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ بی بی صاحبہ قائم اللیل اور صائم النہر تھیں

آپ کے والد ماجد کھوتیوال (ضلع ملتان) کے ایک بزرگ عالم تھے۔ بی بی صاحبہ کے بطن سے تین

لڑکے پیدا ہوئے اور آپ بیوہ ہوگئیں۔ بڑے لڑکے کا نام شیخ اعزازالدین محمودؒ، منجھلے کا شیخ

فریدالدین مسعودؒ تھا اور چھوٹے کا نام شیخ نجیب الدین متوکلؒ رکھا گیا۔ حضرت بابا فرید بتاریخ

۲۹ رمضان المبارک ۵۶۹ھ شب سہ شنبہ کھوتیوال[1] میں پیدا ہوئے۔ آپ کا جدّی مستقر اور مقام ولادت

کے بارے سیر الاولیاء اور خیر المجالس کی عبارت ملاحظہ ہو:

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں: "کھوتیوال کہ معاش کمتر باشد و مقام

مجہول است و آں مقام از ملتان نزدیک است (سیر الاولیاء) حضرت مخدوم نصیر الدین

چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں: "والد شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ قاضی کھوتیوال بود"

(خیر المجالس ص ۲۱۹)

حاصل بحث یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کا جدّی مستقر اور مقام ولادت کوٹھے والا

ہے جس کا مفرس کھتیوال اور کھوتیوالا ہے۔ جو ملتان کے نزدیک ہے۔

کوٹھے والا ملتان شہر سے مشرق میں کوئی دس بارہ میل کے فاصلے پر سنت بدلہ روڈ پر

ہے۔ یہ مقام چک دیوان صاحب چاولی نہیں ہے۔ جہاں راستے چاولہ حاجی شیر شہید کا مزار

ہے جو ملتان شہر سے ۱۲۱ میل دور ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کھوتیوال میں حاصل کی۔ جب آپ کی عمر ۱۳ سال کی ہوئی تو آپ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۹۱

اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے ملتان تشریف لے گئے۔ ان دنوں ملتان علم وفضل کا بہت بڑا مرکز تھا جس کی تاریخ لاہور سے بھی پرانی ہے۔ اس شہر کی اسلامی تاریخ کا باب محمد بن قاسم کی فاتحانہ یلغار کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ ملتان میں آپ نے مولانا منہاج الدین کی مسجد میں اقامت اختیار کی اور ان سے فقہ کی کتاب "نافع" پڑھی۔ پھر آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے قندھار تشریف لے گئے۔ تحصیلِ علم کے بعد غزنی، بغداد، بدخشاں، بخارا اور سیوستان کی سیاحت فرمائی۔ دورانِ سیاحت آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، سیف الدین باخرزیؒ، سعد الدین حمویؒ اور شیخ اوحد الدین کرمانیؒ جیسے اکابر اولیاء کی پاکیزہ صحبتوں سے فیض حاصل کیا[2]۔ آپ ساری ساری رات بیدار رہتے اور اس قدر زار وقطار عشقِ الٰہی میں روتے کہ ریش مبارک کے بال آنسوؤں سے تر ہو جاتے۔ مسلسل چالیس سال عبادت وریاضت میں اس طرح محو ہوئے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ آپ سن ۵۸۴ھ[3] میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان کی نگرانی میں سلوک کے منازل طے فرمائے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے بوقت بیعت حضرت بابا صاحبؒ کی عمر پندرہ سال بتائی ہے[4]۔ حضرت خواجہ بزرگ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے سبق عرفان لے کر فیض یاب ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت بابا فریدؒ مشہور دینی کتاب پڑھ رہے تھے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی نگاہوں نے بابا فرید کی روحانیت کو بھانپ لیا۔ آپ نے پوچھا "اے نوجوان کون سی کتاب

---

[1] سیر الاولیاء ص ۶۰-۶۱۔ ثمیر المجالس ص ۲۲۔ سیر العارفین ص ۳۶۔ گلزارِ ابرار ص ۴۸-۴۹

[2] AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY BY BEALE. P. 129

[3] اقتباس الانوار، سیر الاولیاء ص ۸۰

[4] سیر الاولیاء ص ۶۰-۶۱۔ سیر الاقطاب ص ۱۶۴۔ روضۃ الاقطاب ص ۵۹۔
مگر سیر العارفین میں بوقت بیعت حضرت بابا صاحبؒ کی عمر ۱۸ سال بتائی گئی ہے۔
(ص ۳۶ فارسی)۔ اس لحاظ سے سنِ بیعت ۵۸۷ھ برآمد ہوتا ہے۔

زیر مطالعہ ہے؟" آپ نے جواب دیا "نافع" پڑھ رہا ہوں"۔ حضرت قطب العالمؒ نے فرمایا۔
انشاء اللہ تعالیٰ تیرے لئے نافع ہو گی"۔ حضرت بابا فریدؒ اس ملاقات سے بہت متاثر ہوئے
اور علمی و روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ اجمیریؒ حضرت بابا فریدؒ کے زہد و تقویٰ علم و
عمل کی استعداد اور روحانی گہرائیوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے ایک دن اپنے
مرید حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمۃ سے فرمایا:

"بابا بختیار! شہباز عظیم بقید آوردہ کہ جز بہ سدرۃ المنتہیٰ آشیاں نگیرد۔ ایں فرید
شمع است کہ خانوادہ درویشاں منور سازد"۔[1]

اس مرد کامل کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ آپ کی روحانی بلندیوں
کی کوئی مقام نہیں۔ اگر کوئی مقام تھا تو سدرۃ المنتہیٰ۔ یہ وہی شمع درخشاں تھی جس نے
پنجاب کے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دیا اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اور لستی
کلیر کے تاج الاولیاء حضرت خواجہ مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ جو شاہانِ روحانیت کے
لقب سے پکارے جاتے تھے آپ کے خلفاء میں سے تھے۔

اشاعتِ دینِ اسلام

اولیائے کرام کی تبلیغ اور اشاعتِ دینِ اسلام کے دو پہلو تھے ایک مسلمان کو دین
دار متقی اور پرہیزگار بنانا، کتاب و سنت کی پیروی کرنا پھر ان کی باطنی تعلیم و تلقین
کرنا اور مدارجِ سلوک قطع کرانا، دوسرا غیر مسلموں کو اپنے اخلاق و محبت اور کردار کی
کشش سے کفر و شرک کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی سے منور کرنا، بڑے محبت بھرے
انداز میں دھتکارے ہوئے انسانوں کو سینے سے لگانا اور ان کی دلجوئی کرنا۔

---

[1] سیر العارفین ص ۲۳

مفتی غلام سرورؒ خزینۃ الاصفیاء میں حضرت خواجہ ابواسحاق گازرونیؒ کے اخلاق کے متعلق بیان کرتے ہیں:

"بست و چہار ہزار کس بر دست شیخ مسلمان شدند و قریب صد ہزار اہلِ اسلام در حلقۂ ارادت شیخ آمدہ بودند۔"

ترجمہ: "چوبیس ہزار آدمی شیخ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور تقریباً ایک لاکھ مسلمان شیخ کے سامنے تائب ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔"

صوفیائے کرام نے جس احسن طریقہ سے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا۔ ان میں چشتی بزرگوں کا طریقۂ تبلیغ خاص کر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ جب زنگ و نسل کا امتیاز پورے عروج پر تھا تو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنی خانقاہ کے دروازے

---

[۱] اسم گرامی شیخ ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونیؒ مرتبہ کے لحاظ سے "المرشد" مشہور ہوئے۔ سلسلہ "المرشدیہ" یا "گازرونیہ" آپ سے منسوب ہے۔ آپ طریقہ اولیسیہ سے بھی منسلک تھے۔ آپ کا سلسلہ طریقت چار واسطوں سے حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ المتوفی ۲۹۸ھ تک منتہا ہوتا ہے۔

"ابواسحق ابراہیم بن شہریارؒ مرید ابو علی حسینؒ بن محمد الفیروز آبادی الاکارؒ مرید ابو عبداللہؒ بن الخفیف الشیرازی مرید شیخ ابو محمدؒ بن احمد دویمؒ مرید سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادیؒ۔ آپ کا شجرہ طریقہ اولیسیہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے" شیخ ابواسحاق گازرونیؒ مرید حضرت شیخ الاکارؒ مرید حضرت ابو تراب بخشیؒ مرید حضرت ابو علی شفیق بلخیؒ مرید حضرت ابراہیم ادہمؒ مرید حضرت ابو زید راعیؒ (حبیب بن مسلم) آپ حضرت اویس قرنیؒ اور سلمان فارسیؓ دونوں سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت اویس قرنیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اخذِ فیض ہوئے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بحکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسیؓ نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پایا۔

(ماخذ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۲۵ نفحات الانس ۱۷۶، طرائق الحقائق ص ۲۹۶ ج ۲)

ہر کس و ناکس کے لئے کھول دیتے تھے۔ آپ کی زبان اور نظر میں ایک ایسی تاثیر تھی جو
لوگوں کو متاثر کرتی اور وہ مشرف باسلام ہوتے۔

یہ وہ وقت تھا جب عالمِ اسلام مصائب و آلام اور ابتلائے عظیم کی زد میں تھا اور
اِس ابتلاء نے اسلامی دنیا کو تہ و بالا کیا ہوا تھا۔

اِن حالات میں آپ نے اجودھن میں قیام کیا۔ قیام کے دوران آپ نے اس قدر مجاہدے
ریاضت اور نفس کشی سے کام لیا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ کئی کئی روز متواتر روزے
رکھتے۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس رہتے۔ جنگل کے پتے کھا کر گزارہ کر لیتے۔ آپ نے اتنے
مجاہدے کئے کہ ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ آپ کے حجرے میں تشریف لائے۔
تو آپ ضعف سے اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہو سکے۔ آپ کے اس تقویٰ، پرہیز گاری،
قناعت اور نفس کشی کو دیکھ کر بے شمار حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ اور غیر مسلموں کو جو اسلام
سے اجتناب اور تعصب تھا وہ جاتا رہا[1]۔

جب آپ اجودھن تشریف لائے تو شہر اور مضافات میں بکثرت غیر مسلم قومیں آباد
تھیں۔ یہ لوگ سخت وحشی، اوہام پرست، جاہل اور چھوت چھات والے تھے۔ حضرت بابا فرید
گنج شکرؒ نے ان کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا۔ آپ کے فیض سے ہزاروں آدمی حلقہ بگوش
اسلام ہوئے۔

اصغر علی چشتی صاحب جواہر فریدی[2] نے باب پنجم کی فصل سوم میں اُس وقت کی غیر مسلم
قوموں کا ذکر کیا ہے جو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں:
سرہنگوالیاں، بھٹیاں، ادھکاں، جھکروالیاں، لکاں، ہکاں، ان قوموں کا نشان

---

[1] سید صباح الدین عبد الرحمٰن بزم تیموریہ۔ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء ص ۳۳۹ - ۳۴۰
[2] یہ قلمی نسخہ اب چھپ گیا ہے۔ اصغر علی چشتی کا شمار عہد جہانگیری کے مشہور و معروف تذکرہ نگاروں میں ہوتا ہے

نہیں ملتا۔ البتہ سیال، کھوکھر، ڈھاڈی، جوئیے، نیاریئے، بھاکری، ملینہ، ڈوگر وغیرہ موجود ہیں۔[1]

بیان کرتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر ۴۲ قوموں نے بیک وقت اسلام قبول کیا۔ ان میں جاٹ، راجپوت، دٹو، سیال، جوئیہ، کاٹھیا، اوان، کھگا، کھرل اور دہنی وال قابلِ ذکر ہیں۔ خلاف اس کے اصغر علی چشتی صاحب جواہر فریدی نے صرف سولہ قوموں کی فہرست دی ہے جو آپ کے وعظ و نصیحت سے مسلمان ہوئیں مگر آپ نے ان کی تبلیغ کی تفصیل بیان نہیں کی۔ درس و تدریس، ہدایتِ خلق اور تبلیغ دینِ اسلام میں آپ نے جس قدر خدمات انجام دی تھیں یہ سعادت بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

مشہور[2] انگریز مصنف آرنلڈ اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں دو بزرگوں کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے پنجاب میں نورِ اسلام پھیلایا۔ ایک بابا فرید اور دوسرے حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی تحریر کرتے ہیں۔

"پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ اور پاک پتن کے بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے خاتمے اور چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں گزرے ہیں۔"

آپ کی تعلیمات

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اجودھن (جسے بعد میں مغل بادشاہ اکبر نے ازراہ عقیدت پاک پتن کا نام دیا) کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور یہاں ایک جماعت خانہ قائم کیا۔ اس جماعت خانے میں مختلف مذاہب اور فرقوں کے متعلق بولیاں بولنے والے لوگ

---

[1] منٹگمری گزیٹیر ۱۹۰۴ء ملتان گزیٹیر ۱۹۰۴ء

[2] دعوتِ اسلام مترجم ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب ص ۲۷۹۔ مطبوعہ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور

نے سچ اور جھوٹ کا فرق سمجھنے، کھرے کھوٹے میں تمیز سیکھنے اور حق و باطل انہیں اپنی
اصل صورت میں الگ الگ نظر آنے لگتے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے جماعت خانے میں
جو چراغ روشن کئے انہوں نے تیرہ و تار راہوں کو بقعۂ نور بنا دیا۔ پھر چراغ سے چراغ اور
جوت سے جوت جلی اور منزل منزل روشنیاں اندھیروں کو سمیٹتی چلی گئیں۔ برصغیر کے باسی
جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

یہ جماعت خانہ علم و فضل کا مرکز تھا۔ اصولاً اصلاحی جدوجہد کا آغاز دینی
تربیت سے ہوتا تھا اور آپ ارکانِ اسلام کی پابندی پر بہت زور دیتے تھے۔ معمولی
سے معمولی شرعی فروگزاشت پر مواخذہ فرماتے تھے۔ مرید کرتے وقت یہ عہد لیتے تھے:
یعنی "میں حضرت رب العزت سے عہد کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی خلاف
شرع سے حفاظت کروں گا اور احکام شریعت بجا لاؤں گا انشاء اللہ تعالیٰ[1] فرماتے کہ
ارکانِ اسلام کی پابندی کے بغیر روحانی ترقی ممکن نہیں ہے۔ راہ طریقت کی پہلی منزل
ہے۔ جماعت خانہ میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہ ہوتا تھا۔ بحث مباحثہ اور دل
آزار گفتگو روک دی جاتی تھی۔ سب زمین پر سوتے تھے۔ شب بیداری، ہر وقت با
وضو رہنا، نوافل کی کثرت، تلاوت کلام پاک، ذکر و فکر، مراقبہ سب کے لئے ضروری تھا۔
غرض کہ اصلاح نفس اور تزکیۂ باطن کے لئے جن پابندیوں کی ضرورت ہوتی وہ سب
اس جماعت خانہ میں موجود تھیں۔ ہر آنے والے کے ساتھ نہایت محبت و اخلاق سے پیش
آتے۔ خانقاہ کے دروازے نصف شب تک کھلے رہتے تھے۔ ہر ایک کو کھانا دیا جاتا تھا[2]
کسی کی تفریق نہ تھی۔

ملفوظات

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۷۰ [2] فوائد الفواد ص ۱۲۵

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے دستیاب ملفوظات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسرار الاولیاء (فارسی نسخہ) مطبوعہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء (بار ششم) مطبوعہ نول کشور کانپور۔ اس کتاب میں حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات ہیں جو بائیس۲۲ فصلوں پر مشتمل ہے۔ ہر فصل کا عنوان جدا گانہ ہے۔ اس کتاب کے جامع مولانا بدرالدین اسحاقؒ ہیں جو حضرت بابا صاحبؒ کے خلیفہ اور داماد تھے۔ ہمیشہ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان کے بارے شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں "ان کا ایک رسالہ ہے جس کا نام اسرار الاولیاء ہے جس میں انہوں نے حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور علم صرف میں ایک کتاب نظم کی ہے[۱]"۔ مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء میں لکھتے ہیں کہ کتاب اسرار الاولیاء مولانا بدرالدین اسحاقؒ کی تصنیف سے ہے[۲]

اس کے علاوہ مفتی غلام سرور لاہوری امیر خورد کرمانی کے ذکر میں بیان کرتے ہیں:

" اس خاندان میں سیر الاولیاء نام سے دو کتابیں معروف و مشہور ہیں۔ ایک مولانا بدالدین اسحاقؒ کی تالیف ہے جس میں حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں دوسری سیر الاولیاء سید محمد بن مبارک کرمانیؒ کی تالیف ہے[۳]"۔ اس بیان سے یہ علم ہوتا ہے کہ اسرار الاولیاء کے علاوہ ایک اور کتاب سیر الاولیاء مولانا بدرالدین اسحاقؒ کی تالیف ہے جو حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس نام کی کتاب آج تک ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی۔ ہوسکتا ہے کہ کتابت کی غلطی ہو اور اس سے مراد اسرار الاولیاء ہی ہو۔ تاہم وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

---

[۱] اخبار الاخیار (مجتبائی ص ۷۶) فارسی۔ [۲] خزینۃ الاصفیاء جلد۱ ص ۱۳۹
[۳] خزینۃ الاصفیاء۔ ج ۱ ص ۳۶۶ (نول کشور)۔ مقابیس المجالس ص ۳۶۵ (اردو ترجمہ المعارف لاہور)

حضرت خواجہ غلام فرید چشتی رح المتوفی ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء "مقابیس المجالس" میں فرماتے ہیں :

" بدرالدین اسحاق قدس اللہ سرہ جو سیر الاولیاء کے جامع ہیں ان کا ضبط تاریخ والفاظ اس قدر پختہ ہیں کہ جو کچھ انھوں نے شیخ شیوخ کی زبان دُرفشاں سے سُنا اسی طرح لکھ دیا۔ اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے[1]۔" اس بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کو اس کتاب کی صحت پر کامل بھروسہ اور اعتقاد ہے۔ استفادہ کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے۔

—— اسرار الاولیاء ایک تبلیغی کارنامہ کا ذکر ہے جو ہماری معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ اور — حضرت بابا صاحبؒ کے استاد محترم کا نام نامی مولانا بہاء الدین بخاریؒ سے بھی آگاہ کرتا ہے جب کہ دیگر ملفوظات اس بارے کم روشنی ڈالتے ہیں۔

اسرار الاولیاء (فارسی نسخہ) کے ۹۴ صفحات ہیں اور ۲۱ سال میں مرتب فرمایا اور حضرت باباجی کے اسفار و مشاہدات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی زبان سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ پڑھنے والا مفہوم و مضمون کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

۲۔ راحت القلوب

یہ چوبیس مجالس ملفوظات کے بیانات کا مجموعہ ہے جو حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ قدس سرہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس کے جامع حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ ہیں۔ یہ ایک قدیم کتاب ہے۔ اس کی قدامت کا ہمارے پاس یہ ثبوت ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے بزرگ خلیفہ مولانا برہان الدین غریب المتوفی ۷۳۸ھ / ۱۳۳۷ء نے اپنے مرید مولانا رکن الدین عماد دبیر کاشانیؒ سے تصوف میں کتاب "شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیاء[2]" مرتب کرائی تھی اس کی فہرست ماخذات

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد ا ص ۲۶۶ (نول کشور) مقابیس المجالس ص ۳۶۵ (اردو ترجمہ المعارف لاہور) [2] مذکورہ کتاب کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ کے ذخیرہ مخطوطات میں ہے دوسرا نسخہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں ہے تیسرا نسخہ حضرت مولانا نسیم احمد فریدی صاحب مفتی امروہہ کی نجی لائبریری میں ہے (استفادہ) راقم کے پاس جو فارسی مخطوطات کی فہرست ہے اس میں صرف خدابخش لائبریری کی درج ہے ۱۷۵۲

میں راحت القلوب کا نام بھی ہے۔ راحت القلوب کے دو نسخے میری نظر سے گزرے ہیں۔ ایک قلمی نسخہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور دوسرا پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ دونوں نسخوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں مختلف مجالس کی تاریخوں کے اندراج میں کتابت میں غلطیاں ہیں۔ جو نسخہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری میں ہے اس میں ۱۵ رجب چہارشنبہ ۶۵۵ھ کی پہلی مجلس سے شروع ہو کر مؤرخہ ۲ ربیع الاول ۶۵۵ھ کی آخری مجلس پر ختم ہوتا ہے[۱] اس کے علاوہ مجلس گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، پندرھویں، سولہویں اور انیسویں کی تاریخ ۷۵۵ھ دی گئی ہے جو غلط ہے[۲] بقول صاحب سیر الاولیاء اور اخبار الاخیار حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی تاریخ وفات ۶۶۴ھ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں جو مخطوطہ ہے اس میں پہلی مجلس کی تاریخ گیارہ رجب ۶۵۵ھ درج ہے۔ اسی طرح آخری مجلس کی تاریخ ۶۵۶ھ ہے۔

میرے ایک دوست ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب نے اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب"[۳] میں تحریر کیا ہے" یہ کتاب (راحت القلوب) عقائد و آراء یا واقعات کا یادداشت نامہ ہے۔ اس کو شیخ فریدؒ کے مرید اور خلیفہ نظام الدین اولیاء نے مرتب کیا اور راحت القلوب نام رکھا۔ یہ گویا ایک قسم کی ڈائری ہے۔ مؤلف نے گیارہ رجب ۶۵۵ھ سے لے کر آخر صفر ۶۵۶ھ تک مختلف مجالس کا حال لکھا ہے۔"

کتاب راحت القلوب حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات کا مجموعہ کہا جاتا ہے یہ کتاب علمی اور تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ علمی اعتبار سے اس لئے مفید ہے کہ اس میں حضرت بابا فریدؒ کے ارشادات پر مشتمل ہے اور ان کو بیان فرماتے ہوئے حضرتؒ نے مشہور صوفیائے

---

[۱] ۶۵۵ھ کی بجائے ۶۵۶ھ ہونا چاہیئے۔ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ماہ ربیع الاول نئے سال سن ۶۵۶ھ میں داخل ہو جاتا ہے۔ [۲] یہ بھی کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے [۳] ص ۳۱۲

صوفیائے کرام کی تصنیفات کا بھی حوالہ دیا ہے۔ کم و بیش چونتیس ۳۴ حوالہ جات ہیں۔ بعض وہ کتابیں ہیں جو اس عہد میں متداول تھیں جو مستند اور معتبر ہے۔ آگاہی کے لئے چند کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کشاف[۱] (زمخشری معتزلی کی تفسیر) قوت القلوب[۲] ابو طالب مکیؒ تفسیر زاہدی[۳]، شرح شیخ الاسلام شیخ معین الدین چشتیؒ[۴]، کفایہ[۵] (امام شعبیؒ)، فتاوی ظہیری[۶]، عوارف المعارف[۷] وغیرہ۔ تاریخی اعتبار سے یہ کتاب حضرت بابا فریدؒ کے حالات و واقعات کا مجموعہ ہے۔ راحت القلوب میں ایک جگہ آپ کا ارشاد ہے "علم فاضل تر از جملہ عبادت ہا است نزدیک خدائے تعالیٰ از نماز و روزہ و حج و جز آں"۔ اس کتاب میں بعض ایسی روایت ہے جسے تاریخ بھی رد کرتی ہے مثلاً "حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی زبانی حضرت غوث بہاء الحقؒ کے انتقال کا واقعہ ۶۵۵ھ میں لکھا گیا ہے حالانکہ آپ کا انتقال ۶۶۱ھ کے کئی سال بعد ہوا۔ اس طرح کی بہت سی باتیں اس مجموعہ میں موجود ہیں جو معتبر نہیں مگر یہ حیرانی کی بات ہے کہ اس کتاب کا وجود سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے دوران زندگی میں نہیں تھا اور یہ بعد کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ مجموعہ ملفوظات ـــــ فوائد الفواد میں اس کتاب کا بالکل ذکر نہیں پایا جاتا بلکہ بیان کرتے ہیں کہ یہ تو کتاب فوائد الفواد کا چربہ معلوم ہوتی ہے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حالات و واقعات اس کتاب سے اخذ کئے گئے ہیں[۸]۔

یہاں یہ بیان بے محل نہ ہوگا کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلی خلیفہ اعظم و جانشین

۱؎ راحت القلوب (ناشر ضیاء القرآن لاہور) ص ۱۴۸ ۲؎ راحت القلوب (ناشر ضیاء القرآن لاہور) ص ۱۵۳

۳؎ راحت القلوب (ناشر ضیاء القرآن لاہور) ص ۱۲۰ ۴؎ راحت القلوب (ناشر ضیاء القرآن لاہور) ص ۱۶۴ ۵؎ راحت القلوب (ناشر ضیاء القرآن لاہور) ص ۱۵۴ ۶؎ راحت القلوب (ناشر ضیاء القرآن لاہور) ص ۱۴۳ ۷؎ راحت القلوب (ناشر ضیاء القرآن لاہور) ص ۱۲۷ ۸؎ Page 146, Development of Muslim Religious thoughts in India 1200 A.D to 1450 A.D by Muhammad Noor Nabi Sahil

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے خود فرمایا کہ میرے شیخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے خود
فرمایا کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اور شیخ الاسلام حضرت بابا صاحبؒ اور شیخ الاسلام
حضرت قطب صاحبؒ اور دوسرے خواجگانؒ جو ہمارے شجرہ میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی[1]
خواجہ سید محمد گیسو دراز حسینیؒ (المتوفی ۸۲۵ھ) نے فرمایا "میں نے حضرت بابا فریدؒ کا ایک مجموعہ ملفوظات
دیکھا جو مولانا بدرالدین اسحاق غزنویؒ کا تحریر کردہ بتایا جاتا ہے مگر ایں سر بسر ہمہ افترا است
(یہ سب بہتان ہے)

جوامع الکلم حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ان کے فرزند سید محمد
حسینیؒ المتوفی ۸۱۲ھ نے مرتب کیا۔ ملفوظات نویسی کا مقابلہ ۱۸ رجب ۸۰۲ھ سے ہوا
اور ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۳ھ کو مکمل ہوئی۔ جوامع الکلم میں تحریر کرتے ہیں[2] کہ یہ ملفوظات لکھ
کر حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے ان کا لفظاً لفظاً اور حرفاً
مطالعہ کیا اور تصحیح فرمائی۔ اس میں درج ہے[3] "ملفوظی از آں شیخ فرید الدینؒ در اجودھن دید
کہ آں را نسبت مولانا بدرالدین اسحاقؒ می کند کہ سر بسر ہمہ افترا است می گویند جمع کردہ مولانا
بدرالدین اسحاق نیست و فرمود محمدؐ نام بارے بود از آں خواجہ جنید گاہے امامت پیش خواجہ کر

اس کے علاوہ حمید قلندر مصنف خیر المجالس (مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۹ء) میں تحریر کرتے
ہیں: "از مشائخ شجرہ ما ہیچ شیخ تصنیف نہ کردہ است"[4]

پروفیسر محمد نور نبی صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ کے ملفوظات میں فقط امیر حسن شاہ کا
جمع کردہ مجموعہ ملفوظات فوائد الفواد معتبر ہے۔ باقی تمام یا درہوا ہیں۔[5]

---

۱ اخبار الاخیار ص ۸۱ - خیر المجالس ص ۱۵۲ - فوائد الفواد ص ۴۵ - قول حضرت نظام الدین
"تفاوت گفتہ است من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام" ۲ ص ۲۷۱ ۳ ص ۱۳۴-۱۳۵ ۴ مقدمہ
ترجمہ خیر المجالس ص ۳۵-۵۳ - ۵ DEVELOPMENT OF MUSLIM RELIGIOUS THOU-
GHT IN INDIA 1200 A.D to 1450 A.D. PAGE. 146.

پروفیسر محمد حبیب مرحوم (سابق صدر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) لکھتے ہیں :

"فوائد الفواد مصنفہ امیر حسن علاء سجزی، خیر المجالس مصنفہ حمید قلندر اور سیر الاولیاء مصنفہ سید مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خورد مستند کتابیں ہیں۔ سیر العارفین مصنفہ حامد بن فضل اللہ المعروف بہ شیخ جمال، فوائد السالکین، ملفوظات شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ منسوب بہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، راحت القلوب، ملفوظات شیخ فرید الدینؒ منسوب بہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ، راحت المحبین، ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاءؒ منسوب بہ امیر خسروؒ غیر مستند کتابیں ہیں[1]۔ ان کے علاوہ بعض تذکرہ نگار سلسلہ چشتیہ کے ملفوظات کو مشکوک خیال کرتے ہیں۔

ان کتابوں کا ذکر قدماء کی تصانیف میں ملتا ہے مگر وہ کتابیں آج کل دستیاب نہیں ہوتیں۔ اگر ان کتابوں کے کوئی کامل نسخے دستیاب ہو جائیں تو حقیقت حال زیادہ آشکار ہو سکتی ہے۔ دیگر حوالہ جات اور ماخذ مل جانے سے یہ الجھن بھی رفع ہو سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان کتابوں میں متعدد حوالہ جات، ماخذات، ذاتی معلومات اور ان کتابوں کا ذکر جو اس عہد میں متداول تھیں اور آج بھی مستند و معتبر ہیں، سے ان کی اہمیت، سند اور معتبر ہونا پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے جن کے مطالعہ سے ہماری بدگمانی، شک و شبہ بھی رفع ہو سکتے ہیں۔ نقاد، محقق اور سیرت نگار جذبہ تلاش جو نیک نیتی اور اخلاص پر مبنی ہو، مدِّ نظر رکھ کر عمل کرے، نیک نتیجہ حاصل کرے گا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کے چند اقوال

فرمایا:

(۱) دین کی حفاظت علم کے ساتھ کرو۔

---

[1] پروفیسر محمد حبیب مرحوم حضرت نظام الدین اولیاء حیات اور تعلیمات ص ۲ تا ۱۸ (شائع کردہ دہلی یونیورسٹی دہلی)

(۲) عدل و انصاف میں عزّت و حشمت ہے۔

(۳) جاہ و جلال کے لئے جان کا خطرہ مول نہ لے

(۴) موت کو کسی وقت مت بھُول

(۵) اپنی خاندانی عزت کا خیال رکھو

(۶) دولت مند کے پاس بیٹھے تو اپنے دین کو نہ بھول

(۷) قیاس پر بات مت کہو

(۸) وقت کا کوئی بدل نہیں

(۹) احمق کو زندہ مت سمجھ

(۱۰) وہ چیز فروخت نہ کر جو خریدی نہ جا سکے

(۱۱) ہر ایک کی روٹی نہ کھا البتہ ہر ایک کو کھلا دے۔

(۱۲) تلاوت کلام مجید سے افضل تر کوئی عبادت نہیں۔

(۱۳) فقیر علماء میں ایسا ہوتا ہے جیسے تاروں میں چاند۔

(۱۴) باجماعت نماز کی ادائیگی ایک بہتر عمل ہے۔

(۱۵) فقراء کو امانت رکھنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا اردو زبان پر احسان

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا اُردو زبان پر بے حد احسان ہے۔ درج ذیل نظ

کی طرف منسوب کی جاتی ہے:

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے — خیز در آں وقت کہ برکات

نفس مبادا کہ بگوید تیرا — خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات

یار م ہمدم و ہشیار باش — صحبتِ اغیار بوری (بری) با

مذکورہ نظم اردو زبان، مقامی زبان (بھاشا پنجابی) میں عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب
آمیزش سے وجود میں آئی ہے اور ماہر لسانیات اسے "قدیم اردو" کا نام دیتے ہیں۔ یہ
بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ حضرت بابا فریدؒ گنج شکر نے اسلامی تصوف کو اسلامی تحریک کے
قالب میں ڈھال دیا اور اسے "لوک گیت" کی صورت عطا کر دی۔ آج کل بھی ساہیوال شہر
اور اس کے مضافات میں یہ "لوک گیت" سننے میں آتے ہیں۔ اس کے بعد امیر خسروؒ نے بھی
ان میٹھی اور رسیلی زبان میں رس بھرے بول سنانے شروع کئے۔

بابا فریدؒ گنج شکر نے کوئی شلوک بیان نہیں کئے۔ آپ کا دور غیاث الدین بلبن کا ہے
جب کہ گورونانک جی شہنشاہ بابر کے معاصرین میں سے ہیں اور آپ کے ہم عصر نہیں سکھوں
کے گرنتھ میں آپ کے شلوک موجود نہیں۔ دراصل یہ شلوک ابراہیم ثانیؒ یا شیخ بہرامؒ کے بیان
کئے جاتے ہیں۔ مسٹر میکس آرتھر میکاف اپنی کتاب سکھ مذہب اور مسٹر جے ایس مون پنجابی صوفی
شعراء میں یہ کلام شیخ بہرام کا ہی تصدیق کرتے ہیں۔ مزید تصدیق کے لئے جواہر فریدی مؤلفہ
محمد اصغر سے ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ دراصل یہ شلوک بہرام کے ہیں جو حضرت
بابا فرید گنج شکرؒ کی گیارھویں پشت سے ہیں اور جنہیں "فرید ثانیؒ" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ گورونانک
کے ہم عصر تھے اور ان کی ملاقات جناب بہرام سجادہ نشین درگاہ حضرت بابا فریدؒ سے پاک پتن
میں ہوئی۔

وصال، مزار اور خلفاء

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) میں وفات پائی۔ آپ کے
سال وفات کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ تاریخ فرشتہ ۶۶۰ھ، سیر الاولیاء، سفینۃ الاولیاء،
اخبار الاخیار اور جواہر فریدی میں شب سہ شنبہ ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ، سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ
خزینۃ الاصفیاء و سلسلۃ الاولیاء میں چہار شنبہ ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ اور آئین اکبری

۶۶۸ھ[1] درج ہے۔ مولوی محمد صالح کنجاہی نے سلسلۃ الاولیاء[2] میں مرزا مظہر جان جاناں
نور اللہ مرقدہٗ کا ایک تاریخی قطعہ پیش کیا ہے جس سے ۶۷۰ھ تاریخ برآمد ہوتی ہے
قطعہ یہ ہے

فریدالدین کہ اُو گنج شکر بود
چو در ذات خدا تن محو مطلق
بمظہر گفت ہاتف سال نقلش
فریدالدین ولی واصلِ حق

فوائد الفواد[3] میں درج ہے کہ آپ نے ۹۳ (نوزوسہ) سال عمر پائی "
پیر ید فرمود کہ نو روسہ سال بود" ان سب اختلافات کے باوجود یہ بات ثابت ہے
کہ آپ نے خاصی طویل عمر پائی اور اجودھن (پاک پتن شریف) میں دفن ہوئے۔
خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اطلاع ہوئی تو وہ پاک پتن تشریف آئے۔ حضرت بابا
کا مزار شریف تعمیر کرایا اور اس اہتمام سے کہ ہر اینٹ پر ایک قرآن شریف ختم کیا۔
مزار مرجع خلائق ہے۔

اولادِ امجاد اور خلفاء

آپ کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں:

(۱) شیخ نصیر الدین نصر اللہؒ (۲) شیخ شہاب الدینؒ (۳) شیخ بدرالدین سلیمانؒ (۴)
نظام الدینؒ (۵) شیخ یعقوبؒ۔

صاحبزادیوں کے اسمائے گرامی بھی درج ذیل ہیں:

(۱) بی بی مستورہ (۲) بی بی فاطمہ (۳) بی بی شریفہ

---

[1] بحوالہ "اردو قدیم" از شمس اللہ قادری [2] سلسلۃ الاولیاء قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر احمد حسن قریشی۔ (گ
[3] فوائد الفواد ص ۵۳

آپ کی رحلت کے بعد شیخ بدرالدین سلمانؒ سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ محمد تغلق بادشاہ کا مرید تھا۔ آپ کے خاندان کو بالعموم "فریدی" کہا جاتا ہے۔

آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر تمام خلفاء میں سے درج ذیل خلفاء سے خاص تقرب حاصل تھا۔

شیخ علاءالدین علی احمد صابرؒ جن سے سلسلہ چشتیہ صابریہ جاری ہوا۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جن سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ جاری ہوا۔

شیخ جمال الدین ہانسویؒ۔ آپ سلسلہ جمالیہ کے بانی ہیں۔

حضرت غوث بہاء الحقؒ سے تعلقات اور چار یار

(۱) حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا ملتانی اور حضرت باباصاحبؒ کے درمیان بہت محبّت تھی۔ باباصاحبؒ جب بھی انہیں کوئی خط تحریر کرتے تو "شیخ الاسلام بہاء الحق زکریاؒ" لکھتے۔ ایک دفعہ آپ کے مریدوں نے دریافت کیا آپ جب بھی حضرت کا نام لیتے ہیں تو شیخ الاسلام ضرور کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے لوحِ محفوظ پر ان کے نام نامی کے ساتھ شیخ الاسلام لکھا ہوا دیکھا ہے[1]

ایک دفعہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے حضرت بابا فریدؒ کو خط لکھا جس میں فقرہ بھی تھا " میان ما و شما عشق بازی است "۔ حضرت بابا فریدؒ نے جواب میں لکھا " میانِ ما و شما عشق است بازی نیست "[2]

(۲) حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا ملتانیؒ تنہا سفر پر بہت کم روانہ ہوتے ہیں۔ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے ساتھ زیادہ وقت گزارتے تھے یا پھر چار یاروں سے مل کر کشمیر سے ساحل سمندر تک دورے کرتے تھے۔ چار یار سے مراد حضرت شیخ الاسلام

---

[1] سیر الاولیاء ص ۸۲ [2] سیر العارفین ص ۵۴۔

اور اُن کے رفقاء بابا فریدؒ، لعل شہباز، سیّد جلال بخاریؒ اور حمید الدین حاکمؒ

(۳) حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ پاک پتن میں تھے اور ذکر و مراقبہ میں مصروف تھے۔ دفعتہً آپ پر غشی کا عالم طاری ہو گیا۔ جب اس حالت کو کافی دیر گزر گئی تو خدام کو سخت فکر ہوئی۔ ایک صاحب حجرہ شریف سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا خرقہ اُٹھا لائے اور اسے حضرت کے اُوپر ڈال دیا۔ اس سے آپ ہوش میں آ گئے اور آبدیدہ ہو کر شیخ عبداللہ بلخیؒ کی طرف دیکھا، فرمایا:

"آج برادرم بہاء الدین کا وصال ہو گیا۔ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے کہ ایک ہزار فرشتے ان کے آگے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ان کے پیچھے ہیں۔ اور شیخ بہاء الدینؒ کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔" پھر فرمایا "آئیے! تاکہ اپنے بھائی کا جنازہ پڑھیں"۔ [1] چنانچہ خانقاہ کے تمام افراد وضو کر کے جمع ہو گئے اور حضرت کی امامت میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔

(۴) خزینۃ الاصفیاء[2]، سیر الاقطاب اور اخبار الاخیار میں مرقوم ہے کہ آپ حضرت بابا فریدؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مگر یہ درست نہیں [3] گلزارِ ابرار میں لکھا ہے کہ حضرت بابا فریدؒ کے نانا کا اسم گرامی مولانا وجیہہ الدین خجندیؒ اور حضرت بہاء الحق ملتانیؒ کے نانا کا اسم مبارک مولانا حسام الدین ترمذیؒ تھا۔ اس لئے خالہ زاد بھائی نہیں ہو سکتے۔

---

[1] تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۱۳۶ (مطبع ناصری واقع دہلی) [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۹۹ [3] گلزارِ ابرار مؤلفہ غوثی مانڈوی۔

بہشتی دروازہ

حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک کا جنوبی دروازہ
ںدیوں سے بہشتی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس کی پیشانی پر "باب جنت" کے حروف کندہ
ں۔ نہایت خوبصورت پرکشش، جاذب نظر۔ سرکار گنج شکر کے عقیدت مند
س دروازے سے گزرنا باعث سعادت و برکت سمجھتے ہیں۔ سالانہ عرس مبارک
حرم الحرام کے موقع پر پہلے دو راتوں کو کھلتا رہا ہے محکمہ اوقاف نے عوام کی آسانی کے
لیے چار راتوں کو کر دیا ہے۔ عرس کے دنوں میں موجودہ سجادہ نشین جن کو دیوان کہا جاتا
ہے ۱۵ محرم کی شب کو کھولتے ہیں۔ جو نماز فجر تک کھلا رہتا ہے۔ اس وقت بھی دیوان
صاحب بند کرتے ہیں۔

حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری قبر اور منبر کے درمیان
جو جگہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ہے۔ اس فرمان کی رو سے یہ دروازہ اتباع رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش لاہوری علیہ الرحمۃ کشف المحجوب
میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو نصر سراج علیہ الرحمۃ جو کہ عالی مقام بزرگ ہیں، انہوں نے
اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ جو میت میرے مزار کے سامنے لائی جائے
گی اس کی بخشش ہو جائے گی۔ حضور غوث اعظم جیلانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو کوئی
مسلمان میری مسجد اور میری خانقاہ میں سے گزرے گا، اس پر عذاب قیامت نہ
۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کو بشارت ہوئی کہ فرید تیرے

مرقد پاک ایک دروازہ ہوگا، تا قیامت جو کوئی اس دروازے سے گزرے گا اس پر آتشِ دوزخ حرام ہوگی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو ایک دفعہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت ہوئی کہ جو شخص اس دروازہ میں (ایمان و اخلاص کے ساتھ) داخل ہوا وہ امن میں ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ نے منادی کرادی کہ جو شخص سچے دل سے تائب ہو کر اس دروازے سے گزرے گا، اللہ تعالےٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک "یا نظام من دخل فی ھذہ الباب کان آمنا۔ یعنی جو اس دروازے سے ایمان و اخلاص کے ساتھ داخل ہوا وہ امن میں ہے۔ اس لحاظ سے آج تک اس کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں۔

زائرین کی زبان پر "اللہ محمد چار یار حاجی خواجہ قطب فرید" کا نعرہ ہوتا ہے اور بہشتی دروازہ گزر کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رح

ابتدائی حالات، خانوادہ، اسم و القاب، وطن، تعلیم و تربیت

اِسم و القاب

آپ کا اِسم گرامی محمد بن احمد بن علی البخاری ہے۔ ماں باپ دونوں کی طرف سے حسینی سیّد ہیں۔ آپ کو آپ کے عقیدت مند مختلف القابات سے خطاب کیا کرتے ہیں: محبوبِ الٰہی، سلطان الاولیاء، سلطان المشائخ اور سیّد نظام الدین کے اسمائے گرامی ہیں۔ آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے مرید خلیفہ اکبر اور جانشین ہیں۔ حضور بابا صاحبؒ آپ کو "بابا نظام" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مذکورہ القابات کے علاوہ نظام نظام الاولیاء، عارفِ اطوار اور کاشفِ اسرار کے لقب سے ملقب ہیں۔

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے خاندان کے افراد بخارا کے رہنے والے تھے[1] آپ کے دادا حضرت سیّد علیؒ اور آپ کے نانا حضرت سیّد عربؒ بخارا سے ہجرت کر کے مع اہل و عیال لاہور تشریف لائے۔ چند روز لاہور میں قیام کیا۔ اِس بات کا علم نہیں ہو سکا کہ آپ نے لاہور میں کس مقام پر سکونت اختیار کی۔ ان دنوں بدایوں صوفیوں اور عالموں کا مرکز تھا۔ بدایوں تشریف لے گئے اور اس مقام کو پسند کیا۔ حضرت سیّد علیؒ اور سیّد عرب نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ دینی اور دنیاوی عزت و دولت سے مالامال تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ سیّد احمد تھا۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ ارادت و خلافت اپنے والدِ محترم حضرت خواجہ سیّد علیؒ سے حاصل کی تھی۔ آپ کچھ عرصہ قضاء کے عہدے پر بھی مامور رہے۔ آخر ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خواجہ سیّد عربؒ کی صاحبزادی تھی۔ صبر و شکر اور تسلیم و رضا میں یکتا تھیں اور زہد و تقویٰ اور علم و حلم میں معروف تھیں۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۹۴۔

آپ کا نسب نامہ پدری اور مادری اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

نسب نامہ پدری

"حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بن سیّد احمدؒ بن سیّد علی بخاریؒ بن سیّد عبداللہؒ بن سیّد حسنؒ بن سیّد علیؒ بن سیّد احمدؒ بن سیّد عبداللہؒ بن سیّد علی اصغرؒ بن سیّد جعفرؒ بن امام علی ہادی نقیؒ بن امام محمد تقیؒ بن حضرت امام علی رضاؒ بن حضرت امام موسیٰ کاظمؒ بن حضرت امام جعفر صادقؒ بن حضرت امام محمد باقرؒ بن حضرت امام زین العابدینؒ بن حضرت سیّدنا امام حسینؓ بن حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ"

نسب نامہ مادری

"حضرت بی بی زلیخا بنت خواجہ سیّد عرب بخاریؒ بن سیّد ابوالمفاخرؒ بن سیّد محمد اظہرؒ بن سیّد حسینؒ بن سیّد علیؒ بن سیّد احمدؒ بن سیّد عبداللہؒ بن سیّد علی اصغرؒ بن سیّد جعفرؒ بن امام علی ہادی نقیؒ بن امام محمد تقیؒ بن حضرت امام علی رضاؒ بن حضرت امام موسیٰ کاظمؒ بن حضرت امام جعفر الصادقؒ بن حضرت امام محمد باقرؒ بن حضرت امام زین العابدینؒ بن حضرت سیّدنا امام حسینؓ بن حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ"

وطن اور تعلیم و تربیّت

آپ سن ۶۳۶ھ[1] میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ۵ سال کی عمر[2] میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ یتیم ہو گئے۔ آپ کی تعلیم و تربیّت کی ذمّہ داری آپ کی والدہ ماجدہ کے

---

[1] سیر الاولیا مؤلفہ امیر خورد اور دیگر ملفوظات میں ماہ صفر ۶۳۴ھ پیدائش کی تاریخ پائی جاتی ہے [2] ایضاً و سیر العارفین

کندھے پر آپڑی۔ آپ کی والدہ ماجدہ اپنے وقت کی ایک با خُدا خاتون تھیں۔ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو مکتب میں بھیجا۔ وہاں آپ نے حضرت مولانا شادی مقریؒ سے ایک ہی پارہ پڑھا اور اس ہی پارہ کی برکت سے آپ نے تمام قرآن شریف ختم کیا[۱]۔ پھر دوسری کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ آپ نے مشہور کتاب "قدوری" حضرت مولانا علاء الدین اصولیؒ سے پڑھی۔ جب کتاب ختم ہوئی تو مولانا علاء الدین اصولیؒ نے تمام علماء اور اولیاء کی موجودگی میں آپ کی دستار بندی کی۔ اُستاد کے حکم کے مطابق آپ نے دستار اپنے سر پہ باندھی۔ آپ نے مولانا شمس الدین خوارزمی سے جو شمس الملک کے خطاب سے معروف تھے "مقامات حریری" حفظ کی۔ مولانا شمس الملک ادب و لغت میں دوسرا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ شہر کے بہت علماء و فضلاء اُن کے شاگرد تھے۔ تمام علوم ظاہری فقہ، حدیث، تفسیر، کلام معانی، منطق، حکمت، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، لغت، ادب اور قرأت وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔ سات قرأتوں کے ساتھ آپ نے قرآن شریف یاد کیا۔ دہلی پہنچ کر آپ نے مولانا کمال الدین محدثؒ سے مشارق الانوار کی سند حاصل کی۔ آپ نے مولانا امین الدین احمد صاحب محدثؒ کی صحبت سے کافی فیض اُٹھایا۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی خدمت میں اجودھن میں رہ کر قرآن شریف کے چھ پارے پڑھے تین کتابیں اور بھی پڑھیں جن میں ایک قاری اور دو سامع تھے۔ ان کتابوں کے علاوہ آپ نے "عوارف" کے پانچ باب بھی پڑھے[۲]۔ اور تمام تمہید المهتدی ابو شکور سالمیؒ بھی اجودھن میں رہ کر پیر و مرشد کی خدمت میں شروع سے آخر تک پڑھی۔ آپ علوم ظاہری میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ اس کمال کے سبب آپ علماء، فضلاء اور ساتھی طلبہ کے طبقے میں "نظام الدین بحاث"، "محفل شکن"

---

[۱] فوائد الفواد [۲] پروفیسر محمد حبیب مرحوم : حضرت نظام الدین اولیاء ص ۷۶ (دہلی یونیورسٹی دہلی بھارت)

کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ بحث و گفتگو کے دوران ایسے علمی نکات بیان فرماتے کہ فضلاء حیران رہ جاتے۔

دہلی میں قیام

حضرت نظام الدین اولیاءؒ ظاہری علوم کی تحصیل کے ساتھ ہی بدایوں سے ہجرت کر کے دہلی میں تشریف لے آئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی والدہ محترمہ اور ہمشیرہ بھی تھیں۔ بعض تذکروں میں صرف والدہ کا ہی ذکر آتا ہے۔ آپ نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ اور دہلی ہی میں کئی برسوں تک تحصیلِ علم میں مشغول رہے۔ دہلی میں آپ نے حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی اور پیارے خلیفہ حضرت شیخ نجیب الدینؒ متوکل کے پڑوس میں مکان کرائے پر لے کر رہنا شروع کر دیا۔ پردیس میں آپ نے صحبتِ شیخ کو غنیمت سمجھا۔ رات دن ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی صفت آثار و احوال سُنا کرتے تھے۔ جس سے شوق قدم بوسی کا اور زیادہ ہُوا مگر اُس وقت تنگ دستی تھی۔ فاقہ پر فاقہ ہوتا تھا۔ اگرچہ اُس زمانہ میں ایک چتیل[1] کی دو تین روٹیاں بکتی تھیں لیکن چتیل کہاں تھا۔ ایک روز آپ نے دورانِ گفتگو شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے کہا کہ میرے لئے دعائے خیر فرمائیں کہ میں کسی مقام کا قاضی مقرر ہو جاؤں اور خلقِ خدا کو انصاف سے راضی کروں۔ حضرت شیخ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ "بابا نظام! قاضی مشو! چیزے دیگر شو۔" (قاضی نہ بنو کچھ اور بنو) پھر مشورہ دیا کہ "میرے بھائی شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے ملاقات کریں جو اپنے نور سے تاریک دلوں کو روشن کرتے ہیں۔ بہت لوگ اُن کے حلقہ بگوش ہیں۔" حضرت نظام الدینؒ نے جب حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی یہ تعریف سُنی تو آپ کے دل میں محبت

[1] چتیل۔ اس زمانہ میں تانبہ کا ایک سکہ تھا جس کا وزن آجکل کے پیسہ سے کم تھا۔

کا جذبہ موجزن ہُوا اور آپ سے غائبانہ ارادت پیدا ہو گئی۔ قدمبوسی کے شوق میں مزید اضافہ ہُوا۔ اس محبّت، ارادت اور عقیدت میں روز بروز ترقی ہوتی رہی۔ ہر نماز کے بعد "یا شیخ فرید" اور "یا مولانا فرید" کا ورد کرتے یہاں تک کہ آپ کے دوستوں کو بھی اس کا علم ہو گیا، آپ پر شوقِ ارادت غالب ہے بغیر کسی زادِ راہ اجودھن کی طرف" فرید فرید" کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ آپ راستہ طے کرتے ہوئے آخر کار منزلِ مقصود پر پہنچے۔ بدھ کے روز ۱۱ رجب المرجب ۶۶۵ھ میں آپ اجودھن میں داخل ہوتے ہیں[1] بعد نماز ظہر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(ترجمہ) اے کہ تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب کر دیا (اور) تیرے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو خراب کر دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء پر دہشت کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ پورا حال عرض نہ کر سکے۔ اس واقعہ کو حضرت خود بیان کرتے ہیں[2]

"جب مَیں جناب شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور آں جناب نے آثارِ دہشت میرے اندر ملاحظہ کئے، فرمایا "مرحبا! خوش آمدی و صفا آوردی واز نعمت دینی و دنیوی انشاء اللہ برخوری"۔

(ترجمہ) شاباش۔ خوب آئے انشاء اللہ دین اور دُنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو گئے۔

---

[1] سیر الاولیاء مگر فرشتہ نے جمعرات کا دِن لکھا ہے [2] فوائد الفواد۔ فرشتہ ص ۲۹۲

بیعت و خلافت

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے اسی روز حضرتؒ کو وہ ٹوپی دی جو آپ اوڑھے ہوئے تھے۔ ٹوپی کے علاوہ آپ کو اور تبرکات بھی عطا کئے۔ خرقہ نعلین، چوبیں، مصلےٰ آپ کے سپرد فرمایا۔ اس وقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی عمر شریف بلیس۲ سال کی تھی۔ اپنے پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق آپ اجودھن میں رہنے لگے۔ ان کی خدمت میں سات ماہ اور کچھ دن رہ کر آپ کے فیوضِ باطنی اور رُوحانی تصرفات سے مالامال ہوئے۔ اور ۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ کو آپ کو خلافت نامہ عطا فرمایا۔

اجودھن سے دہلی واپس آنے اور خلق اللہ کو رشد و ہدایت کرنے میں مشغول ہوئے اپنے پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق ریاضت و مجاہدہ میں وقت گزارا۔ یادِ الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔

حضرت بابا صاحبؒ نے اُن کے لئے ایک دفعہ دُعا کی کہ "اے پالنے والے تیری بارگاہ میں صمیم قلب سے دُعا کرتا ہوں نظام الدین جو کچھ تجھ سے مانگا کرے اس کو عطا فرمایا کر" یہ دُعا قبول ہوئی اور حضرت نظام الدین "محبوبِ الٰہی" کہلائے جانے لگے۔ آخری مرتبہ جب زیارت کو گئے تو حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے تم ایسے درخت ہو گے جس کے سائے میں مخلوق آرام پائے گی۔ اور یہ بھی نصیحت فرمائی کہ حصولِ استعداد کے برابر مجاہدہ کرتے رہو۔ حضرت بابا صاحبؒ کے خلفاء میں سے ایک اور بزرگ حضرت تاج الاولیاء علاء الدین صابر بھی تھے۔ ان کے بارے میں حضرت بابا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے:

"علم سینہ من بہ نظام الدین اولیا ربدا و فی رسید و علم دل من بر شیخ علاء الدین علی احمد صابر فائز گردیدہ"[1]

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۷۸

کثرت عبادت و ریاضت کی وجہ سے حضرت نظام الدین اولیاءؒ رح کو ——————
"نہنگ دریائے وحدت"۔ "پتنگ بیدائے محبت و معرفت" "مسند نشین بسر صدق وصفا"
"ملک الاتقیاء" "نقادہ مشائخ عظام" اور "عارف معارف ربانی" کہلاتے تھے[1]

اخلاق وعادات

آپ جود وسخا میں بے مثل تھے۔ کئی ہزار فقراء اور مساکین روزانہ مطبخ میں کھانا کھاتے
دن بھر جو چیزیں خانقاہ میں آتیں ان کو شام تک تقسیم کر دیا جاتا[2] نصف تنکہ (اس عہد
کا سکہ) بھی اپنے پاس ایک رات بھی رکھنا ناگوارہ ہوتا تھا۔ تقسیم کے بعد جامع مسجد میں اطمینان
سے نماز گزارنے کے لئے تشریف لے جاتے۔

حضرت سلطان المشائخؒ غربا اور مساکین کی پرورش کرتے، دو وقت آپ کا دسترخوان
لگتا اور انواع واقسام کے کھانے وافر مقدار میں چنے جاتے، امیر غریب، شاہ وگدا،
شہری و پردیسی، صالح وگناہ گار کسی کی تفریق نہ تھی۔ سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے
لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے سینکڑوں
ہزاروں غربا کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے نام ہی نام سنے تھے۔ شیخ خود کھانے
میں شریک ہوتے۔ آپ کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلہ وغیرہ کی سبزی
یا تھوڑے سے چاول ہوتے[3]

آپ کے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ بیان کرتے ہیں:

"صبح سے شام تک خلق خدا آتی رہتی تھی۔ عشاء کی نماز کے وقت بھی لنگر کا
سلسلہ جاری رہتا تھا مگر مانگنے والوں کی تعداد نذر دینے والوں سے زیادہ ہی ہوتی تھی۔
جو کوئی چیز نذر لاتا تھا وہ کچھ نہ کچھ عطیہ بھی پاتا۔ غرضیکہ آپ کی خانقاہ میں

---

[1] بزم صوفیہ ص ۲۱۱، سیر العارفین ص ۱۱۵ [2] سیر الاولیاء ص ۳ ۱۴ [3] سیر الاولیاء ص ۱۲۵

دن رات لنگر جاری رہتا تھا۔[1]

دستر خوان پہ بیٹھنے کا قاعدہ و ترتیب ہوتی تھی - آپ شفقت سے پیش آتے۔ ہر ایک کا احترام کرتے۔ دوسروں کی قلبی راحت سے آپ کو قلبی راحت ملتی تھی۔

امیر حسن علاء سجزی بیان کرتے ہیں[2] کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی۔ سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں کو فرمایا "بھائیو ذرا مل مل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کے لئے بھی جگہ ہو جائے۔ دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔" آپ غریب پرور اور ہمدرد انسان تھے۔ دنیا والوں کے غم اور خلق خدا کی فکروں اور پریشانیوں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے تھے۔ ان کا غم اپنا غم بنا لیتے تھے۔ حضرت خواجہؒ کے نزدیک لوگوں کا دل خوش کرنا اور ان کی دل جوئی راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے۔ اپنے اخلاق و محبت سے ان کی اصلاح و تربیت فرماتے۔ ایک انسان سے دوسرے انسان کا بہتر رشتہ قائم کرنا آپ کے مشن کا خلاصہ اور مقصد تھا۔

ایک بار غیاث پورہ میں آگ لگ گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت سلطان المشائخ سخت دھوپ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے آگ لگنے کا منظر اس وقت تک ملاحظہ کرتے رہے جب تک کہ وہ سرد نہ ہو چکی۔ پھر اپنے خادم خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ جا کر گھروں کی گنتی کرو کہ کتنے آگ سے متاثر ہوئے ہیں اور ہر گھر والے کو دو چاندی کے تنکے، دو روٹیاں اور ٹھنڈے پانی کی ایک صراحی پہنچاؤ۔ بستی کے لوگ اس وقت بہت ہی پریشان تھے جب خواجہ اقبال کھانے کا خوان اور پانی کی صراحی اور چاندی کے تنکے لے کر ہر ایک کے گھر پہنچے تو لوگ خوشی سے آب دیدہ ہو گئے۔ دو تنکے اس وقت اتنی قیمت رکھتے تھے کہ جلے ہوئے مکانوں کی مرمت ہو سکتی تھی[3] ۔۔۔ حضرت

۱ خیر المجالس ص ۲۵۷ ۲ فوائد الفواد ص ۹۱ ۳ جوامع الکلم (فارسی)

سلطان المشائخ ؒ مجروح انسانوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ یہ آپ میں چشتی نسبت تھی۔

خلافت دیتے وقت حضرت باباصاحب ؒ نے کثرت تلاوت قرآن مجید کی وصیت کی تھی۔ حضرت سلطان المشائخ ؒ نے یہ وصیت پوری کی اور دہلی پہنچتے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور حفظ قرآن کی بھی وصیت فرماتے تھے۔ حضرت شیخ المشائخ ؒ کو اپنے مرشد سے عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا۔ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو اُن کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی اور ایسی کیفیت طاری ہوتی جو بیان نہیں ہو سکتی۔

مولانا بدرالدین اسحٰق ؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد تھے۔ وہ حضرت سلطان المشائخ کی کفالت اور پرورش میں تھے۔ ان کو بھی قرآن مجید یاد کرایا۔ خواجہ محمد امام بڑے اچھے حافظ اور خوش الحان تھے۔ ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا۔ ان کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ ان کی قرأت سن کر رقت اور ذوق طاری ہو جاتا۔[1]

ملفوظات

۱۔ فوائد الفواد

یہ کتاب مشہور شاعر امیر حسن علاء سجزی نے مرتب کی۔ آپ ۳ رمضان ۷۰۷ھ کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے سُنا تھا اس کو غور سے یاد رکھا۔ اور گھر پر آکر قلمبند کیا۔ آپ نے ۷۰۷ھ سے ۷۲۱ھ تک جو کچھ آپ کی زبان سے نکلا قلم بند کیا۔ ۳ محرم ۷۱۴ھ کو جلد اوّل حضرت شیخ المشائخ ؒ کے فرمان کے مطابق خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ نے مطالعہ فرمایا اور تعریف کی۔ ۲۰ شعبان ۷۲۲ھ کو فوائد الفواد کی پانچ جلدیں ختم ہوئیں۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۰۰

فوائد الفواد سب سے زیادہ مستند ہے اور سلسلہ چشتیہ میں بڑی مقبول ہے جس کے متعلق امیر خسروؒ کہا کرتے تھے "کاش کہ تمامی کتب کہ عمر دراں صرف کردہ ام برادر امیر حسن را بودے و ملفوظات سلطان المشائخ کہ جمع کردہ است مرا بودے" (اے کاش میری تمام کتابیں خواجہ حسن سے نامزد ہو جائیں اور اُن کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسنِ قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا) [۱]

اسی بارے حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسو درازؒ فرماتے ہیں "ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است و ملفوظہائے دیگر ازاں شیخ بنفشتہ اند ہمہ باد ہواست"۔ (حضرت شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظات جو امیر حسن شاعر نے جمع کئے ہیں وہ معتبر ہیں اور جو دوسرے ملفوظات آپ کے لکھے ہیں وہ سب باد ہوا ہیں) [۲] جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فوائد الفواد نہایت معتبر کتاب ہے اور دستور چشتیہ ہے مگر دیگر ملفوظات چشتیہ میں بلکہ اغلب ہے کہ ان حضرات کے نہیں ہیں۔

خواجہ امیر حسنؒ کو راج دربار میں وقار حاصل تھا۔ درویشی میں بھی آپ اپنی مثال آپ تھے [۳]۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے نیاز مند مخلص اور یارانِ اعلیٰ سے تھے۔ ہر اعتبار سے لائقِ احترام ہیں۔ حضرت امیر خسروؒ جیسی باکمال شخصیت آپ کو "برادرم امیر حسن" کہہ کر یاد کرتے تھے [۴]۔ امیر حسن ۶۵۳ھ/ ۱۲۵۵ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام نجم الدین تھا۔ دہلی میں تعلیم پائی۔ متوسط حال شخص کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ تقریباً ۴۵ سال کی عمر میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت ہوئے۔ جب سلطان محمد بن تغلق نے دیوگیر (دیوگیری) میں اپنا دوسرا پایہ تخت

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۳۰۸/ دیباچہ افضل الفوائد حصہ اول مرتبہ امیر خسروؒ [۲] جوامع الکلم ص ۱۳۴۔ ملفوظ ۳ رمضان المبارک ۸۰۲ھ جو اُن کے فرزند سید محمد اکبر حسینی المتوفی ۸۱۲ھ نے مرتب کیا۔ [۳] خیر المجالس ص ۱۸۶ [۴] سیر الاولیاء ص ۳۰۸

بنایا تو آپ کو وہاں جانا پڑا اور وہیں آپ نے ۷۳۷ھ یا ۷۳۸ھ میں وفات پائی
آپ کا مزار خلد آباد ضلع اورنگ آباد میں ہے۔

ہماری تاریخوں میں صرف بادشاہوں کے حالات اور جنگی مہموں کی تفصیل ملتی ہے۔ اکثر بادشاہوں کے ملازم درباری تاریخ نویس بھی ہوتے تھے جو شاہی خزانہ سے تنخواہ پاتے تھے۔ ان کے بیان میں عوام کی زندگی اور ان کے نجی مسائل کی کہیں کوئی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مگر ان ملفوظات میں عوام کے جذبات، آرزوئیں، کشمکش حیات، مایوسیاں اور پریشانیاں، خوشیاں، بچوں کی شادی کی فکر، حاکم کی ناراضی، روزمرے کی زندگی کے چھوٹے اور بڑے مسائل میں مشائخ سے رجوع کیا جاتا تھا اور اس دور کی تصویر ہمارے سامنے آجاتی۔ خلاف اس کے مؤرخین کو بادشاہوں کا خوف ہوتا تھا اور صحیح اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ملفوظات میں بادشاہوں کی زندگی کے بعض گوشوں سے متعلق دلچسپ معلومات اور حقائق ملتے ہیں جو مؤرخین بیان نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ملفوظات ہماری تاریخی ماخذات کی کمی کو پورا کرتے ہیں۔

۲۔ خیر المجالس

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید مولانا تاج الدین تھے۔ ان کا ایک فرزند حمید الدین تھا۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی حضرت سلطان المشائخ کا مرید تھا۔ حصولِ تعلیم کے بعد قلندری وضع قطع اختیار کر رکھی تھی اور حمید قلندر کے نام سے معروف تھے۔ دہلی سے دکن تشریف لے گئے، وہاں حضرت سلطان المشائخؒ کے خلیفہ شیخ برہان الدین غریبؒ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہو گئے اور ان کے ملفوظات لکھنے شروع کر دیئے۔ لیکن جب شیخ برہان الدین غریبؒ کا انتقال ہو گیا تو آپ واپس دہلی آ گئے اور خیر المجالس کی ترتیب و تدوین کا باعث ہوئے۔ آپ نے چند کاغذات حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کو دکھائے جس میں انہوں نے شیخ برہان الدینؒ کے ملفوظ درج کئے تھے۔ حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے ان کو اپنے ملفوظات جمع کرنے کی اجازت

بے دی حمید قلندر صاحب نے خیر المجالس ۷۵۵ھ میں مرتب کرنی شروع کی اور ۷۵۶ھ میں ختم کی۔ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ لکھا ہے جس میں شیخ نصیر الدین چراغؒ کے زندگی کے حالات مختصراً درج کئے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت سلطان المشائخ کے افکار، خیالات، اور حالات زندگی بھی درج کئے ہیں۔ اس کتاب میں ایسی تفصیلات اور واقعات کا ذکر آتا ہے جو فوائد الفواد میں نہیں ہیں۔ ہم اس کو فوائد الفواد کا جربہ نہیں کہہ سکتے جیسا کہ اہل ادب وثوق سے بیان کرتے ہیں۔

۳۔ سیر الاولیاء

سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خوردؒ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کی بنیادی کتاب بیان کی جاتی ہے۔ اگر یہ کتاب زمانہ کے انقلابات سے نہ بچتی تو ہماری واقفیت سلسلۂ چشتیہ کے متعلق اتنی کم ہو جاتی جتنی کہ سلسلہ سہروردیہ کے متعلق ہے۔ مصنف کے خاندان کا حضرت سلطان المشائخؒ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ مصنف کے دادا سیّد محمد محمود کرمان کے رئیس اور خوش حال تاجر تھے۔ ملتان میں اکثر اپنے چچا سیّد احمد کرمانی کے ہاں رہا کرتے تھے جو ان دنوں ملتان کے دار الحرب کے افسر اعلیٰ تھے۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی روحانی زندگی سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے حلقۂ مریدی میں شامل ہو گئے اور مع اپنی بیوی کے اجودھن میں رہنے لگے۔ آپ اٹھارہ سال شیخ کی خدمت میں رہے۔ ان کے انتقال کے بعد اپنے پورے خاندان سمیت دہلی آ گئے۔ سیّد نورالدین مبارک کرمانی (والد محمد مبارک علوی کرمانی امیر خورد مصنف سیر الاولیاء) نے نوّے سال کی عمر پائی۔ اور ۱۵ صفر ۷۴۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کو حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں رہنے کا بہت موقع ملا۔ ایک زمانہ میں خادم اقبال کے علاوہ حضرت سلطان المشائخ کا کوئی اور خادم نہ تھا۔ سیّد نورالدین مبارک حضرت سلطان المشائخ کی تمام خدمات انجام دیتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ ؒ کے وصال کے بعد تمام مشائخ اور صوفیاء کو محمد بن تغلق کے حکم پر عمل کرنا پڑتا تھا۔ اس کے دو اہم حکم تھے۔ پہلا سلطنت کی نوکری کرو۔ دوسرا دکھن جاؤ۔ امیر خورد اپنے چچا سید کمال الدین امیر احمد جو فوج کے افسر مقرر ہوئے تھے کے ساتھ دکھن گئے۔ وہاں فوجی خدمات انجام دیتے رہے۔ جب بہمنی سلطنت قائم ہو گئی۔ آپ واپس دہلی تشریف لے آئے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کتاب سیر الاولیاء لکھی۔

سیر الاولیاء دس ابواب میں منقسم ایک ضخیم کتاب ہے پہلے پانچ ابواب میں چشتی مشائخ کے حالات زندگی دیئے گئے ہیں۔ باقی پانچ ابواب میں سلسلہ چشتیہ کے حالات زندگی اصول اور تعلیمات بیان کی ہیں۔ امیر خورد لکھتے ہیں کہ بہت سی باتیں انہوں نے اپنے باپ سے دریافت کی تھیں۔ اکثر دوسرے لوگوں کے حوالے بھی درج ہیں۔ جن کی سند پر واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں کرامتوں کا بہت ذکر کیا گیا ہے جن کی صحت پر کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ ؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بہت سے مسودات امیر خورد کو دست یاب ہوئے جو انہوں نے سیر الاولیاء میں شامل کر لئے۔

اصل متن کا حوالہ ملاحظہ ہو:

"بعضے ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق . . . . . قدس سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز بخط مبارک خود در قلم آوردہ"[1]

مذکورہ بیانات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان ملفوظات کی صحت اور صداقت پر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں بلکہ کتاب کی صورت میں پیش کیا اور محفوظ رکھا۔

۴۔ افضل الفواد

یہ کتاب امیر خسرو ؒ نے مرتب کی۔ اس میں بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ؒ کے ملفوظات ہیں لیکن یہ کتاب

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۰۷

فوائد الفواد کی طرح مقبول نہ ہوئی لیکن افضل الفواد کے اقتباسات بعض تذکروں میں ملتے ہیں۔

۵۔ راحت المحبّین یہ کتاب حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے جس کو امیر خسروؒ نے مرتب کیا لیکن غیر مستند ہے یہ ملفوظات کا مجموعہ ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک جمع کیا ہوا ملتا ہے۔

۶۔ سیر العارفین یہ کتاب حامد بن فضل اللہ المخاطب بہ جمال خاں المعروف بہ شیخ جمالیؒ کی تصنیف ہے شیخ جمالؒ ہندوستان کے بزرگ صوفیوں میں سے تھے۔ آپ نے بہت سے اسلامی ملکوں کا سفر کیا تھا۔ ہرات میں مولانا عبدالرحمٰن جامی کے مہمان رہے تھے۔ آپ نے یہ کتاب ہمایوں کے زمانہ میں لکھی حضرت سلطان المشائخ کے وصال کے دو سو یا تقریباً اڑھائی سو سال بعد منظر عام پر آئی۔ اس زمانہ میں دہلی میں بہت غیر مستند قصے اور کہانیاں رواج پا چکے تھے۔ ان قصوں کو بغیر تصدیق کے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے جس کی بنا پر اسے مستند کتاب نہیں کہہ سکتے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ ملفوظ نویسی کے باعث علم تصوف میں ایک نئے عنوان کا اضافہ ہو گیا۔ یہ ملفوظ نویسی خانقاہی نظام، تعلیم و تربیّت کا ایک اہم جزو بن گئی صوفیاء کے افکار کی نشر و اشاعت میں اس کو بنیادی اہمیّت حاصل ہو گئی۔ ملفوظات خاص طور پر صوفیاء کی زندگی اور ان کے افکار و نظریات پر روشنی ڈالتے ہیں اور اس دور کی ذہنی فضا، معاشی حالات، ادبی تحریکات اور سماجی و مذہبی رجحانات کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہماری تمدنی، تہذیبی اور فکری تاریخ کے اہم ماخذ ہیں۔ ان ملفوظات کو سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کی بنیادی کتابیں کہہ سکتے ہیں۔

آپ کے چند فرمودات اور تعلیمات

حضرت سلطان المشائخؒ کی اخلاقی تعلیم کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں :

۱۔ جدّوجہد

اخلاقی زندگی کے لئے انسانی کوشش (یعنی جدّوجہد) ضروری ہے۔

۲۔ خدمتِ خلق

حضرت سلطان المشائخ رح کے فلسفے میں اخلاق کی بنیاد خدمتِ خلق پر ہے۔

۳۔ طاعت

دو قسموں کی ہوتی ہے لازمی اور مقصدی طاعت لازمی وہ ہے جس کا فائدہ صرف طاعت کرنے والے کے نفس کو پہنچے۔ مثلاً روزہ۔ حج۔ اوراد اور تسبیحات وغیرہ۔ طاعت مقصدی وہ ہے جس کی راحت اور فائدہ دوسروں کو پہنچے۔ انسان محبّت، شفقت اور دوسروں کی خدمت کرے۔

۴۔ حسنِ عمل

آپ مشائخ کی طرح نماز روزہ کی تلقین کرتے تھے، لیکن آپ کی تلقین کا بڑا اصرار حسنِ عمل یعنی نیک کام کرنے پر تھا۔

۵۔ راہِ تصوّف

راہِ تصوّف صدق اور سچائی کا راستہ ہے۔

۶۔ اور فضیلتِ طعام

خلق کو کھانا دینا بہت نیک کام ہے۔

۷۔ سخی اور جواد

سخی وہ ہے جو زکوٰۃ سے زیادہ دے اور جواد وہ ہے جس کی بخشش بہت زیادہ ہو۔

۸۔ لقمہ حلال

کوئی لقمہ لقمۂ تجارت سے بہتر نہیں ہے[1]۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے صاف کہہ دیا کہ تاجر کو ایماندار

---

[1] خیر المجالس، مجلس پنجاہ و ہفتم (۵۷) ص ۱۸۲ - ۱۸۳

ہونا چاہیئے۔ اور خریدنے والے کو قیمت میں دھوکا نہ دینا چاہیئے۔

۹۔ حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص دوسرے پر ظلم کرے اور دوسرا شخص تحمل سے ظلم کو برداشت کرے تو برتری اس شخص کو حاصل ہے جو ظلم کو برداشت کرتا ہے نہ کہ اس شخص کو جو ظلم کرتا ہے[1]

۱۰۔ حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں: "دین بیچنے کے یہ معنی ہیں کہ درویش پھٹے کپڑے پہنے۔ سر پر ٹوپی رکھے اور ملوک اور امراء کے گھر جائے اور کہے کہ میں درویش ہوں مجھے کچھ دو۔ یا کسی دولت مند کی مسجد میں جاتے اور بہت نماز پڑھتا ہے تاکہ صاحب مسجد کو خبر ہو۔ یا پانچ سات آیات قرآن پڑھتا ہوا گھر گھر جائے" (کچھ حاصل کرنے کی امید میں)[2]

۱۱۔ ترک ماسوی اللہ

ترک ماسوی اللہ ایک بھید ہے۔ انبیاء اور اولیاء کے لئے۔ ترک ماسوی اللہ عوام کے لئے نہیں الا بطریق ندرت"[3]

۱۲۔ جذبہ الٰہی

فرمایا کہ محبت تین طرح کی ہوتی ہے۔ اوّل محبت اسلامی، دوم محبت موہبی جو کسب یا محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تیسرے محبت خاص اور یہ نتیجہ ترک ماسوی اللہ کا ہے۔ محبت خاص کا نتیجہ جذبہ الٰہی ہے پھر آپ نے فرمایا کہ جذبہ من جذبات الرحمٰن اس محبت خاص کا پھل ہے[3]

۱۳۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی صورت نہیں بیان کی جا سکتی۔ چونکہ وہ شکل و صورت سے پاک ہے[4]

۱۴۔ فرمایا "جو کرامت کا دعویٰ کرتے ہیں اور خود کو کشف و کرامات سے مشہور کرتے ہیں یہ ایک بے معنی بات ہے۔ اولیاء پر کرامت کا پوشیدہ رکھنا فرض کیا ہے۔ فرض کو توڑنا نہیں چاہیئے"

---

[1] فوائد الفواد مجلس ۱ جمادی الاول ۷۱۵ھ) [2] خیر المجالس، مجلس بست ویک ص ۷۷۔ [3] فوائد الفواد مجلس پنجم ص ۲۵۔ ۲۸ [4] ایضاً ص ۵۷۔ ۱۹۴

کشف و کرامات

حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے لیکن ان چیزوں کی آپ کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کشف و کرامات راستہ میں حجاب ہیں۔ محبت میں کام استقامت سے نکلتا ہے۔ عاجز بن کر رہنا چاہیئے تاکہ اصلی مقصد حاصل ہو۔ کرامتیں ظاہر کرنا بزرگی اور برگزیدگی کی دلیل نہیں۔ اسرار کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے لیکن اس کے واسطے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے[1]

بخوفِ طوالت آپ کی صرف ایک دو کرامات بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ آپ کی خانقاہ میں باولی کھودی جارہی تھی۔ پانی کھاری نکلا۔ ایک روز آپ سماع میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے خواجہ اقبال سے دوات، روشنائی، کاغذ اور قلم منگایا۔ آپ نے کاغذ پر کچھ لکھ کر خواجہ اقبال کو وہ کاغذ باولی میں ڈالنے کو دیا پرچے کے ڈالنے سے پانی میٹھا ہو گیا[2]

۲۔ دہلی کے ایک بادشاہ کا واقعہ ہے۔ سلطان غیاث الدین تغلق اگرچہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ سے کچھ نہ کہتا تھا لیکن دل میں آپ کی طرف سے کدورت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بنگال سے دہلی روانہ ہو رہا تھا اُس نے حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کو پیغام ارسال کیا کہ اُس کے آنے تک وہ دہلی نہ ہوں اور اس کے بعد غیاث پور سے بھی چلے جائیں۔ آپ اس وقت کچھ پریشان ہوئے اور آپ نے جواب دیا :

"ہنوز دہلی دور است"

(ترجمہ) یعنی ابھی دہلی دُور ہے۔" آخر ایسا ہُوا کہ ابھی دہلی نہ پہنچا تھا کہ تغلق آباد کا محل غیاث الدین تغلق پر گرا اور وہ مرگیا۔ اس کو دہلی پہنچنا نصیب نہ ہُوا۔ اب بھی بطور

---

[1] دیباچہ افضل الفوائد حصہ اوّل مرتبہ امیر خسروؒ [2] جوامع الکلم

ضرب المثل کے لوگ کہتے ہیں " ہنوز دہلی دور است "[۱]

وصال مبارک

آپ چار ماہ اور کچھ دن بیمار رہے اور اٹھارہ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بروز بُدھ بعد طلوع آفتاب جوارِ رحمت میں داخل ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ شیخ الاسلام حضرت رکن الدین ملتانیؒ نے پڑھائی۔ آپ کا مزار پُرانوار غیاث پور (دہلی کے قریب جس کو اب بستی نظام الدین کہتے ہیں) میں واقع ہے۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خلق ہے اور آپ کا سالانہ عُرس بڑے تزک و احتشام سے ہوتا ہے۔ آپ کے بکثرت خلفاء ہیں حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغؒ آپ کے خلیفہ اکبر اور جانشین ہیں۔

معاصر تاریخوں کے مطالعہ سے یہ علم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ دربار شاہی کے مقابلہ میں دوسری بارگاہ تھی جہاں عوام و اُمراء کسی خوف حکومت سے نہیں بلکہ ارادت و عقیدت کے جذبات سے متاثر ہو کر سر جھکاتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ کا اتنا اثر تھا کہ سلطان علاء الدین خلجی جیسے جابر بادشاہ اُن سے خم کھاتے تھے اور اُن کی خواہشات کا احترام کرتے تھے۔ بعض بادشاہ اور شہزادے آپ کے عقیدت مند مرید تھے۔ یہ سلسلہ اُن کی ذات کے ساتھ ختم ہو گیا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات اور محمد بن تغلق کی تخت نشینی سے جو تغیر و تبدل ملک کی سیاسی حالت میں رُونما ہوا اس سے زیادہ اُنقلاب مُلک کی روحانی حالت میں حضرت سلطان المشائخ کی وفات سے ہوا اور دارالسلطنت دہلی میں کم از کم صوفیاء کا عہدِ زرّیں ختم ہو گیا۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ ص ۲۹۸

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی ؒ

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی ؒ خاندان چشت کے روشن چراغ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے جانشین ہیں۔

ابتدائی حالات

آپ کی پیدائش کے متعلق بعض تذکرہ نگاروں نے اجودھیا (فیض آباد) لکھا ہے جو رامائن کے مشہور ہیرو رام چندرجی کا مولد و منشا تھا۔ بعض کے نزدیک "بارہ بنکی" ہے مگر عام طور پر اودھ کے نام سے مشہور تھا۔ آپ کی پیدائش کا سن تاحال کسی مؤرخ نے تحقیق کرنے کے بعد نہیں لکھا ہے تاہم آپ کی پیدائش کے متعلق تذکرہ نگار بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ ؒ ۶۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔

آباء و اجداد

آپ کے جدِّ امجد کا نام عبداللطیف نیروی تھا۔ وہ خراسان سے ترک سکونت کر کے پہلے لاہور تشریف لائے۔ لاہور میں ان کے والدِ گرامی حضرت شیخ یحییٰ پیدا ہوئے یہ اب تک علم نہیں ہو سکا کہ لاہور کے کس جانب آپ کی رہائش تھی اور سنِ شعور تک پہنچنے کے بعد آپ اودھ منتقل ہو گئے۔ آپ کے والد صوفی منش بزرگ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت نیک خاتون تھیں۔ زیادہ وقت عبادت میں گزارتی تھیں۔ وہ اپنے زمانے کی رابعہ تھیں۔ آپ کے والد خوشحال تھے اور پشمینہ کا کاروبار کرتے تھے۔ آپ کے یہاں غلام بھی تھے [1]

---

[1] سیر الاولیاء (فارسی) ص ۲۲۸

آپ نسباً سادات حسنی میں سے تھے[1] آپ کا نسب نامہ پدری اس طرح بیان کرتے ہیں:

نسب نامہ پدری

"حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ بن شیخ یحییٰؒ بن عبد اللطیفؒ بن یوسفؒ بن عبد الرشیدؒ بن سلیمانؒ بن شیخ احمدؒ بن شیخ یوسفؒ بن شیخ محمدؒ بن شیخ شہاب الدینؒ بن شیخ سلطانؒ بن شیخ اسحاقؒ بن شیخ مسعودؒ بن شیخ عبد اللہؒ بن حضرت واعظ اصغرؒ بن واعظ اکبرؒ بن اسحاقؒ بن سلطان ابراہیم بن ادہم بلخی بن شیخ سلیمانؒ بن شیخ ناصرؒ بن حضرت عبد اللہؒ بن امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب۔"

ابتدائی تعلیم و تربیت

آپ نو سال کے تھے جب کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تعلیم و تربیت کے فرائض حضرت کی والدہ ماجدہ نے اپنے ذمہ لئے اور نہایت خوش اسلوبی سے انہیں انجام دیا۔ والدہ ماجدہ کے زہد و تقویٰ کے اثر سے حضرت ابتدائے عمر ہی سے نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے اور جیسے آپ نے مرتے دم تک قضا نہیں ہونے دیا۔ سات سال تک ایک اور درویش کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔

آپ کے ملفوظات "خیر المجالس" کے مطابق آپ نے فقہ کی مشہور کتاب "بزدوی" قاضی محی الدین کاشانیؒ سے پڑھی لیکن سیر العارفین میں آپ کی تعلیم کی ابتدا مولانا عبد الکریم شروانیؒ اور علامہ الزمانؒ کے دست مبارک سے ہوئی اور ان سے آپ نے "ہدایہ" اور "بزدوی" پڑھی پھر جملہ علوم مولانا افتخار الدین محمود گیلانیؒ سے حاصل کئے۔ آپ نے علوم ظاہری سے جلد

---

[1] سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۵۳

آپ نسباً سادات حسنی میں سے تھے [1] آپ کا نسب نامہ پدری اِس طرح بیان کرتے ہیں :

نسب نامہ پدری

"حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ بن شیخ یحییٰؒ بن عبد اللطیفؒ بن یوسفؒ بن عبد الرشیدؒ بن سلیمانؒ بن شیخ احمدؒ بن شیخ یوسفؒ بن شیخ محمدؒ بن شیخ شہاب الدینؒ بن شیخ سلطانؒ بن شیخ اسحاقؒ بن شیخ مسعودؒ بن شیخ عبد اللہؒ بن حضرت واعظ صغرؒ بن واعظ اکبرؒ بن اسحاقؒ بن سلطان ابراہیم بن ادہم بلخی بن شیخ سلیمانؒ بن شیخ ناصرؒ بن حضرت عبد اللہؒ بن امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب ۔"

ابتدائی تعلیم و تربیّت

آپ نو سال کے تھے جب کہ والد بزرگوار کا سایہ سَر سے اُٹھ گیا تعلیم و تربیّت کے فرائض حضرت کی والدہ ماجدہ نے اپنے ذمہ لئے اور نہایت خوش اسلوبی سے انہیں انجام دیا۔ والدہ ماجدہ کے زہد و تقویٰ کے اثر سے حضرت ابتدائے عمر ہی سے نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے اور جسے آپ نے مرتے دم تک قضا نہیں ہونے دیا۔ سات سال تک ایک اور درویش کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی ۔

آپ کے ملفوظات "خیر المجالس" کے مطابق آپ نے فقہ کی مشہور کتاب "بزدوی" قاضی محی الدین کاشانیؒ سے پڑھی لیکن سیر العارفین میں آپ کی تعلیم کی ابتدا مولانا عبد الکریم شیروانیؒ اور علامہ الزمانؒ کے دستِ مبارک سے ہوئی اور ان سے آپ نے "ہدایہ" اور "بزدوی" پڑھی پھر جملہ علوم مولانا افتخار الدین محمود گیلانیؒ سے حاصل کئے۔ آپ نے علومِ ظاہری سے جلد

---

[1] سرور لاہوری : خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۵۳

فراغت حاصل کی اور بیس سال کی عمر میں تمام علوم حاصل کر کے تعلیم کا سلسلہ ختم کیا۔

آپ چالیس سال یا تینتالیس سال کی عمر میں دہلی میں رونق افروز ہوئے۔ دہلی پہنچ کر آپ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہے۔ حاضر ہونے سے قبل آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے اور گوشہ تنہائی آپ کو پسند تھا۔

بیعت و خلافت

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی آپ پر خاص نوازش اور مہربانی تھی۔ آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور خرقہ خلافت عطا کیا۔ بعد ازیں آپ کو اپنا صاحب سجادہ اور جانشین بنایا۔ وہ تمام تبرکات جو آپ کو حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے ملے تھے حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ کے سپرد فرمائے اور نصیحت فرمائی کہ وہ ان تبرکات کو اسی طرح اپنے پاس رکھیں جس طرح انہوں نے اور خواجگانِ چشت نے بعد احترام و ادب رکھا ہے۔

حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے "علم و عقل و عشق میں آپ کا خاص مقام تھا۔ مکارم اخلاق میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ دام و دنیا سے بے نیاز تھے۔ آپ کے پسندیدہ اوصاف کی وجہ سے علماء و مشائخ آپ کے گرویدہ تھے۔

اسم و القاب

آپ کا اسم گرامی نصیرالدین ہے اور خطاب محمود ہے۔ آپ کا لقب "چراغ دہلی" ہے۔ آپ کے چراغ دہلوی کہلانے کی چند وجوہات ہیں۔ اس لقب کی وجہ تسمیہ میں

لہ تکملہ سیر الاولیاء ص ۲۹ (اردو ترجمہ)

بھی مؤلفین و محققین کے مابین اختلاف موجود ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کا خادم تیل کی کمی کی وجہ سے ایک چراغ تیل ڈلوانے کی خاطر لئے جا رہا تھا۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے خادم سے فرمایا کہ تیل کی بجائے اس میں پانی ڈال دو۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ پس وہ چراغ اس پانی سے بھی تیل کی طرح روشن ہو گیا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ جب مکہ معظمہ پہنچے اور حضرت شیخ امام عبداللہ یافعیؒ سے ملے تو باتوں باتوں میں دہلی کے بزرگوں کا ذکر آگیا۔ حضرت امام یافعیؒ نے فرمایا: "پہلے تو دہلی میں بہت بزرگان تھے وہ سب واصل بحق ہو گئے۔" پھر حضرت امام یافعیؒ نے فرمایا: "اب تو شیخ نصیر الدین اودھی کہ دہلی کے چراغ ہیں، باقی ہیں[1] ان کی ذات بابرکات نہایت مغتنم ہے۔"

حضرت سید جلال الدین بخاریؒ نے یہ سنا تو ان کو حضرت شاہ نصیر الدینؒ سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ وہ مکہ معظمہ سے آئے اور حضرت کی قدم بوسی کر کے، شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بیان کیا۔ اس کے بعد سے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب "چراغ دہلی" ہو گیا

ایک دفعہ چند درویش بسلسلہ سیاحی دہلی آئے اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے ملے۔ اتفاق سے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ بھی تشریف لے آئے حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے آپ کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ آپ نے عرض کیا: "درویشوں کی طرف میری پشت ہو جائے گی" حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا: "چراغ کی پشت نہیں ہوتی"۔ اپنے پیر و مرشد کے حکم موافق آپ بیٹھ گئے۔ آپ کی پشت یکساں ہو گئی جیسے کہ آپ آگے سے دیکھتے تھے۔ اب پشت کی طرف سے بھی دیکھنے لگے۔ اسی روز سے آپ "چراغ دہلیؒ" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ (فارسی) ص ۲۹۹، سیر العارفین

حضرت مخدومؒ کو خلق سے نجات نہ ملی اور اس قدر خلق اللہ آتی کہ دن کے وقت دوپہر میں قیلولہ بھی نہ فرما سکتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں تمام دن مجھ کو خلقت کے ساتھ رہنا پڑتا ہے بلکہ قیلولہ بھی میسّر نہیں آتا۔ چاہتا ہوں کہ قیلولہ کروں مگر خلقت نہیں کرنے دیتی کہ کوئی آنے والا آیا ہے اب جو تم کو فرصت ہے کیوں نہیں مشغول ہوتے۔ فرمایا رات کو تو میں کچھ پڑھ بھی لیتا ہوں مگر دن کو میں کچھ نہیں کر سکتا مگر میں ناامید نہیں ہوں۔ حضرت مخدومؒ نے بہ جملہ شکستہ خاطری سے فرمایا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ امیر خسروؒ کے واسطے سے مرشد سے درخواست کی کہ ان کو جنگل کی تنہائی میں عبادت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے فرمایا کہ خلق سے جور و جفا سہنا ہوگا اور اس کے بدلے میں بخشش عطا کرنی ہوگی۔ اس حکم کی متابعت میں حضرت مخدومؒ نے سب کچھ برداشت کیا۔ زبان پر کبھی حرفِ شکایت نہیں آیا۔

اصلاح و تربیّت

مشائخِ چشت اپنے سلسلہ نظام کی اصلاح و تربیّت کی طرف خاص طور پر توجہ دیتے تھے معاشرے کے فاسد عناصر کی اصلاح کے لئے اخلاقی سطح کو بلند کرنے کی کوشش کرتے۔ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ خُلقِ عظیم کا مجسم نمونہ تھے۔ اور دردمندی، خلق اور مہر و محبّت کی نورانی تصویر تھے۔ شیخ طریقت کے لئے اتباعِ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پابندیٔ شریعت نہایت ضروری تھی اور اس چیز کی تبلیغ آپ کے مشائخ اور خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی اپنے مریدوں سے بوقت بیعت کیا کرتے تھے۔ بیعت کا مقصد اُن کے نزدیک ,,دست بر دست یک دیگر نہادن و عہد بستن،، یعنی کسی کے ہاتھ پر ہاتھ

رکھ کر عہد کرنا تھا۔[1]

انسان کو اخلاقی عیوب سے بچانا اور شریعت کا راستہ دکھانا مشائخ چشت کی تعلیمات کا نچوڑ تھا۔ اور جو مرید اس مقام پر پورا اترتا تھا اُسے خلافت دی جاتی تھی۔

مشائخ چشت اپنے مریدوں پر ارکانِ اسلام کی پابندی پر خاص طور پر توجہ دیتے اور اُن کی یہ ہی خواہش تھی کہ اُن کے خلفاء اس معاملے میں سختی سے کام لیں۔ نماز پر بہت زور دیتے تھے۔ اور ہمیشہ اسے باجماعت ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے "اس سلسلے میں ہمیشہ پابندی سے کام لیا"۔[2]

حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ نہایت درجہ پابندِ سُنت تھے اور امرِ خلافِ شریعت سے کبھی ملوث نہیں ہوئے۔

پنجاب میں اس سلسلہ کی داغ بیل بابا فرید گنج شکرؒ کے ہاتھوں پڑی۔ اس کی تنظیم کا سہرا بابا صاحبؒ کے سر ہے۔ اس تنظیم کو جس خوبی اور انتھک جدوجہد سے حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور اُن کے خلیفہ چراغ دہلویؒ نے معراجِ کمال تک پہنچایا، سلسلہ چشتیہ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ نصف صدی تک ان کی خانقاہ دہلی میں ارشاد و تلقین کا مرکز رہی۔ ملک ملک سے اُن کے ملفوظاتِ گرامی سُننے کے لئے لوگ پروانہ وار دُور دُور سے آتے تھے اور اُن کی صحبت سے عشقِ الٰہی اور اسلام کی اشاعت کا جذبہ لے کر جاتے تھے۔ ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا امیر و غریب، عارف و عامی، شہری و دیہاتی، بوڑھے و بچے سب ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جھولیاں بھر کر واپس جاتے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ

---

[1]: میر عبدالواحد بلگرامی سبع سنابل ص ۳۶۰ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ

[2]: امیر حسن سجزی : فوائد الفواد ص ۱۰۶

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے بیعت کا عام دروازہ کھول دیا۔ وہ گناہ گاروں کو خرقہ پہناتے تھے اور اُن سے توبہ کراتے تھے۔ حضرت اقبال مرحومؒ نے ان مشائخ چشت کو خضر و مسیحا سے بھی اونچا مقام دیا ہے ؎

تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

مسیح و خضر سے اُونچا مقام ہے تیرا

بیعت کرنے کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اپنے مشائخ کی پیروی میں عام مریدین کو مشائخِ چشت کی چار اہم نصیحت فرمایا کرتے تھے:

(۱) نماز باجماعت پڑھنا (۲) جمعہ فوت نہ کرنا (۳) ایامِ بیض کے روزے لازم جاننا (۴) جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے اُسے نہ کرنا۔[۱]

اس زمانہ میں ہندوستان میں اگر کوئی جگہ ایسی تھی جہاں سماج کے ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ بے جھجک اور بے روک ٹوک جمع ہو سکتے تھے تو وہ انہیں صوفیائے کرام کی خانقاہیں تھیں۔ ہزار ہا انسان مختلف دنیوی مقاصد کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ہر ایک کی پرسشِ احوال کرتے تھے اور ان کو ذہنی سکون میسّر آتا تھا۔ اور وہ گرویدہ ہو جاتے تھے۔ احترامِ انسانیت کی تلقین، اخوت و مساوات کی تعلیم، خدمتِ خلق کے لئے ایک جذبۂ بے تاب، ذخیرہ اندوزی کی مذمت و دیگر تعلیمات سے روشناس کرنا اُن کا حصّہ خاص تھا۔

چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ بھی رہا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ نافع السالکین میں لکھا ہے "حضرت قبلہ من قدس سرہٗ فرمودند کہ در طریق ما ہست کہ با مسلمان و ہندو صلح باید داشت"[۲] (ترجمہ حضرت قبلہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلہ کا یہ اصول ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں سے صلح رکھنی چاہیئے)

۱ خیر المجالس ص ۴۸ ۲ نافع السالکین ص ۱۷۶

مذکورہ بالا بیانات سے یہ بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عوام کی اصلاح و تربیت کے لئے ان مشائخ چشت نے کیا انداز اور طریقہ کار اختیار کر رکھا تھا۔ ان کے نزدیک تقاضے سماجی اور سیاسی نہ تھے بلکہ اخلاق اور انسانیت کا مطالبہ تھا۔ ان کی خانقاہیں اور درس گاہیں علم اور روحانیت کا مرکز تھیں۔ علوم ظاہری اور علوم باطنی میں یگانہ عصر تھیں اور سلوک کی تعلیم ان کی توجہ کا مرکز تھا۔

آپ کی وصیّت

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ نے شیخ زین الدین ؒ اور شیخ کمال الدین کو وصیت فرمائی کہ ان کے وصال کے بعد ان کے شیخ کا خرقہ ان کی قبر میں ان کے سینہ پر اور کاسہ چوبیں ان کے سرہانے اور تسبیح ان کی انگلی میں اور عصا اور نعلین ان کے برابر رکھ لینا۔[1]

وفات

اپنے پیر و مرشد کے تینتیس [۳۳] سال بعد آپ نے ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء کو رحلت فرمائی۔[2] جس حجرے میں آپ رہتے تھے اسی میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ آپ کا عرس سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے بہت سے خلفاء ہیں۔ جن میں سے حضرت خواجہ بندہ نواز سیّد محمد گیسو دراز ؒ دہلی میں ہی مقیم رہے ہے۔ آپ ایک بڑے عالم تھے۔ اور کثرتِ علم کی وجہ سے "علامہ" مشہور تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی عبدالرحمٰن تھا[3] اور آپ کی والدہ ماجدہ اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔[4] آپ کے بھائی کا نام زین الدین علی تھا۔ وہ بھی حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ کا وصال درحقیقت چشتیہ سلسلہ کے دَورِ اوّل کا اختتام

---

[1] مراۃ الاسرار [2] سیر الاولیاء (فارسی) ۲۴۲ [3] انوار العارفین ص ۳۱۳ [4] سیر العارفین

جو خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے شروع ہوا تھا اور اپنی غیر معمولی
خصوصیات کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اسی وقت سلطنت دہلی نے بھی دم توڑا۔ ایک طرف حضرت
چراغ دہلویؒ کے وصال کے بعد سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہو گیا۔ تو دوسری جانب
فیروز شاہ تغلق کے انتقال (سن ۱۳۸۸ء) کے بعد سلطنت دہلی کی مرکزی حیثیت بھی فنا
ہو گئی۔ صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور دہلی کی امتیازی شان جاتی رہی۔

اقوال

آپ کے چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تمام کاموں میں نیت خالص درکار ہے۔

۲۔ لقمہ تجارت اچھا لقمہ ہے۔

۳۔ جس قدر سالک کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اسی قدر تعلقات کم ہوتے جاتے ہیں

۴۔ درویش کو چاہیئے کہ جب اس پر فاقہ گذرے تب بھی اپنی حاجت غیر سے
نہ کہے۔

صوفیاء کی دہلی سے نقل مکانی

جب دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہو گئی تو دہلی کی رونق بھی جاتی رہی پھر احمد آباد
جونپور، اور گلبرگہ آباد ہو گئے۔ اس زمانہ میں سلطان محمد بن تغلق کی پالیسی، تیمور کے حملے
اور دیگر سیاسی اثرات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مذہب اور روحانیت کی شمعیں دہلی میں گُل ہو کر ملک
کے دوسرے حصوں میں روشن ہوئیں۔ دہلی کی روشنی ماند پڑ گئی۔ حضرت چراغ دہلویؒ کے وصال
سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی آمد تک دہلی عظیم شخصیتوں کے وجود سے خالی رہی اور ان دو
صوبوں میں ایک بھی بزرگ ایسا مسندِ ارشاد و ہدایت پر متمکن نہ ہوا، جیسے بنگالہ کے حضرت

نور الحق قطب العالم قدس سرہ، کشمیر کے امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ، سلہٹ (آسام) کے حضرت شاہ جلال یمنیؒ اور جونپور کے سید محمد مہدیؒ، اوچ کے حضرت مخدوم جہانیاںؒ اور گلبرگہ کے حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ حالانکہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ آپ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ بھی دہلی کو چھوڑ کر بنگالہ تشریف لے آئے۔ اس نقل مکانی کا سبب دہلی میں سیاسی بدامنی اور بے چینی تھی۔ صوفیاء بالخصوص حضرت سلطان المشائخؒ کا اثر اس قدر زیادہ اور قوی تھا کہ خاص و عام کے دلوں پر ان کی حکومت تھی۔ اور سلسلہ چشتیہ کو فروغ تھا۔ بہت سے بادشاہوں نے اس اثر کو توڑنے کی کوشش کی اور ان کو حکومت ظاہری کے تابع لانے کے لئے سلطان محمد بن تغلق نے ایک بڑا قدم اٹھایا کہ صوفیاء کرام کو اپنی نجی کی خدمتیں سپرد کیں جو کوئی ان سے گریز کرتا اس سے ہر طرح کی سختی کی جاتی۔[۱] فرشتہ کہتا ہے "بادرویشاں سوء مزاج بہم رسانیدہ حکم کرد کہ درویشاں بطریق خدمتگاراں خدمتم نمایند۔ پس یکے مرا تنبول (پان) خوراند، دیگرے دستار بہ بندد، الغرض بعضے مشائخ را خدمتے مقرر کرد۔ شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلیؒ را تکلیف جامہ پوشانیدن نمود، شیخ قبول نہ کردہ بخشونت شد۔"

مشائخ کبار کو اپنی نجی خدمت سپرد کرنے سے سلطان کا ایک مقصد تو ان کا مرتبہ کم کرنا تھا اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ رہیں گے۔ ان کو اپنا اثر بڑھانے اور خانقاہی نظام کو مزید ترقی دینے کا موقع نہ ملے گا۔ مشائخ کو نجی خدمتیں سپرد کرنے کے علاوہ سلطان یہ بھی کوشش کرتا تھا کہ ان کو دار السلطنت سے منتشر کر دیا جائے۔ بعض صوفیاء کو معتوب کر کے دہلی سے نکال دیا۔ اس ضمن میں شیخ ضیاء الدین سمنانیؒ اور حضرت سلطان المشائخ کے ایک مشہور و معروف خلیفہ مولانا شمس الدین یحییٰؒ کا نام سرفہرست ہے، جو علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ شہر دہلی کے بیشتر علماء ان کے شاگرد تھے اور ان پر فخر

---

[۱] ماخذ تاریخ فرشتہ (فارسی)

کیا کرتے تھے۔

اسلامی ملکوں کے بعض علماء نے جن میں امام ابنِ تیمیہؒ بھی شامل تھے۔ خانقاہوں کی تعمیر پر اعتراض کیا اور مساجد کے ہوتے ہوئے عبادت کے لئے علیحدہ جگہ بنانے کو بدعت قرار دیا۔ صوفیاء چشت اور سہروردیہ نے اس خیال کی پُر زور تردید کی کہ جب مقصد عبادت اور ذکر الٰہی ہو تو تعمیر خانقاہوں کو کسی طرح بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

عوارف المعارف میں خانقاہ کے نظام اور رہنے والوں کی ذمہ داریوں کے متعلق نہایت تفصیل سے بحث کی ہے متقدمین صوفیاء سلسلہ چشت اپنے خاص خلفاء کو عوارف کا درس اس لئے دیتے تھے کہ وہ خانقاہی نظام کے اصول و قواعد اور مقصد و منہاج سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔[1] علاوہ ازیں اولیاء نقشبند نے بھی ہندوستان کے مختلف شہروں میں "تسبیح خانے" قائم کئے ہوتے تھے۔ جہاں وہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ دہلی کے اکثر علماء، خلفاء اور حکمراں طبقہ امام ابنِ تیمیہؒ کے مذکورہ خیالات سے بھی متاثر ہوئے۔ پھر خانقاہی نظام کی مخالفت میں اور اضافہ ہو گیا۔

سلطان محمد تغلق کا اصل مقصد یہ تھا کہ صوفیاء کا اقتدار کم ہو اور شاہی اقتدار بلند ہو۔ بادشاہ کی اس پالیسی اور ظلم و تشدد کا یہ اثر ہوا کہ دہلی میں صوفیاء اور مشائخ کا زور کم ہو گیا بعض کو سلطان نے ملک کے دُور دراز علاقوں میں بھیج دیا اور بعض ان حالات و واقعات کو دیکھ کر خود بخود چلے گئے۔ پھر مرکزی خانقاہی نظام کا زوال شروع ہو گیا۔ سلطان محمد بن تغلق سے مشائخ کی اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کا وہ قیمتی وقت جو سلسلہ تبلیغ و اشاعت

---

[1] عوارف المعارف ص ۱۰۷، ۱۱۰ سلسلہ نقشبندیہ نے بھی ملک کے مختلف مقامات پر عبادت کے لئے تسبیح خانے تعمیر کروائے جن کے نشانات لاہور بیگم پورہ میں آجکل بھی ملتے ہیں۔ یہ تعمیر نواب ذکریا خاں ابن نواب عبدالصمد خاں کے وقت کی ہے

میں صرف ہونا چاہیئے تھا اپنی مدافعت میں ضائع ہو گیا۔ ان کا ذہنی سکون جاتا رہا یہاں تک کہ دن رات دربار شاہی کے سفیر خانقاہوں میں نئے نئے احکامات لئے کھڑے رہتے تھے۔ ان احکامات کی تکمیل مشکل تھی اور خلاف ورزی بھی ایک آفت برپا کرتی تھی۔ "دہلی" جو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ کی کوششوں سے آباد تھی اور چشتیہ سلسلہ کا قلب و جگر بن چکی تھی جس کے چپہ چپہ پر خانقاہیں۔ قدم قدم پر مدرسے، نقشاخانے (جن کی تعداد ایک ہزار سے لے کر دو ہزار تک شمار کی جاتی ہے[1]) علمی و مذہبی محفلیں اور روحانی تعلیم کا مرکز سے نقل مکانی ان کے لئے ایک بہت بڑا المیہ تھا جسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

غرضیکہ سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام بربادی کی نظر ہو گیا۔ جس کا ذمہ دار سلطان محمد بن تغلق تھا۔ پھر چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں مختلف جگہوں پر قائم ہوئیں مگر اس کا مرکزی نظام کسی اہم جگہ پر قائم نہ ہو سکا۔ جو مشائخ اس طوفان سے بچ گئے انہوں نے اپنے اپنے صوبوں میں خانقاہیں قائم کر لیں اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ مگر وہ بھی صوبائی علاقوں کی سیاست سے نہ بچ سکے۔ اور پریشان رہتے تھے۔

جب سلطنتِ دہلی کا مرکزی نظام بربادی کی نذر ہوا تو بنگال، دکن، مالوہ، جونپور، اور گجرات میں خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ اسی طرح جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہوا تو مختلف صوبوں میں مرکز سے تعلق نہ رکھنے والے خانقاہیں وجود میں آئیں۔ جس سے مرکز کو شدید نقصان ہوا۔ جو تمدنی شان و شوکت صرف دہلی کو حاصل تھی وہ اب بنڈوہ۔ لکھنوتی۔ دولت آباد۔ گلبرگہ۔ برہان پور۔ زین پور۔ مانڈہ۔ احمد آباد اور ان کے نواحی علاقے کو حاصل ہو گئی۔ سلسلہ چشتیہ کی رونق دہلی میں مدھم ہونے پر مرکزی نظام پر جمود کا عالم طاری ہو گیا۔ روحانی اصلاح و تربیت کا کام سست ہو گیا۔ مشائخ

[1] ماخذ شہاب الدین احمد عباس: مسالک الابصار، پروفیسر آغا مہدی حسین: سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق

متقدمین کی روایات لوگوں کے ذہن سے اُتر گئیں۔ گویا کہ دہلی کا مرکز ایک بے جان جسم کی طرح ہو گیا۔ اور دیگر سلاسل نقشبندیہ اور قادریہ کی تعلیمات نے فروغ پایا۔ یہ حالات تقریباً دو سو برس تک رہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی کا ذکر ہے کہ مسلمانانِ ہند کا سیاسی نظام زوال پذیر ہو رہا تھا ہر طرف اخلاقی ابتری اور زبوں حالی پھیلی ہوئی تھی۔ اس بدامنی کے زمانہ میں سلسلہ چشتیہ کا دَورِ تجدید و احیاء شروع ہُوا۔ اس نشاۃ ثانیہ کا سہرا تمام تر حضرت شاہ کلیم اللّٰہ دہلوی رح کے سَر ہے جیسے حضرت مولانا محمد فخر الدین فخرِ جہاں دہلوی رح نے ترقی دی جو سلسلہ چشتیہ کے مجدّد اور گمراہی کے اندھیروں میں ہدایت کے نُور کہلائے۔

اس زبوں حالی کا پسِ منظر حق و صداقت کی راہوں سے برگشتگی تھی۔ ہم عصر علماء نے قرآن و حدیث کو بالائے طاق رکھ دیا ہُوا تھا۔ علماء اور صوفیاء کے مابین آئے دن نئے فسادات برپا ہوتے رہتے تھے۔ قرآن و سنت کی عظیم الشان تعلیمات جو دَورِ اوّل کے مسلمانوں کی سربلندی کا راز تھی، سے بہت دُور ہو گئے۔ اس برگشتگی نے مسلمان عوام کو بھی دین اِسلام سے برگشتہ کر دیا اور گمراہیوں میں گھِر گئے۔ اِس نازک دَور میں اللّٰہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس زبوں حالی پر رحم فرمایا اور حضرت شاہ کلیم اللّٰہ رح شاہجہاں آبادی جیسے مجدّد اور مصلحِ دوراں کو پیدا کیا۔

حضرت شاہ کلیم اللّٰہ شاہ جہاں آبادی رح

ابتدائی حالات، خانوادہ، پیدائش، اسم و القاب، وطن، تعلیم و تربیّت

حضرت شاہ کلیم اللّٰہ رح ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء کو دہلی میں پیدا

ہوئے۔ آپ نے اپنی تاریخ پیدائش رقعاتِ کلیمی میں تحریر فرمائی ہے۔ لفظ "غنی" سے آپ کی تاریخ پیدائش برآمد ہوتی ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام نور اللہ اور دادا کا نام شیخ احمد معمار بن شیخ حامد صدیقی تھا۔ آپ کے سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضہ سے ملتا ہے۔ آپ کو اور آپ کے خاندان کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خاندان میں سے ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے آبا و اجداد خجند کے رہنے والے تھے جو ترکستان میں ہے۔ آپ کے دادا علم نجوم، ہیئت، ریاضی اور اقلیدس میں کامل عبور رکھتے تھے۔ شاہ جہاں بادشاہ دہلی نے لال قلعہ کی تعمیر کے وقت انہیں خجند سے بلوایا تھا اور آپ نقل مکانی کر کے دہلی آگئے اور اسی مقام پر ہمیشہ کے لئے سکونت اختیار کر لی[1]۔ مؤلف مناقب المحبوبین بحوالہ فخر الاولیاء بیان کرتے ہیں کہ آپ کے والد کا نام شیخ طیبؒ تھا اور لاہور کے رہنے والے تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ دونوں آپ ہی کے نام ہوں اور پہلے خجند سے آکر لاہور میں ساکن ہوئے ہوں، پھر دہلی تشریف لے گئے ہوں[2]:

"فخر الاولیاء نوشتہ نام پدر ایشاں شیخ طیبؒ بود و لاہورے الاصل بود و کاتب الحروف گوید عجب نیست کہ ہر دو نام ایشاں باشند و از خجند در لاہور آمدہ ساکن شدہ باشند"

آپ کے والد کو "حاجی" بھی بتایا جاتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کو حاجی نور اللہ لکھا ہے اور شاہ جہاں کے زمانے میں ایک کامیاب اور قابل ماہر فن تعمیرات تھے[3]۔ اب تک یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ آپ نے لاہور کے کس جانب اور کون سے محلہ یا دروازہ میں رہائش اختیار کی۔ مگر اتنا علم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کے چند افراد لاہور میں محل نواب آصف خاں کی تعمیر کے سلسلہ میں آئے تھے پھر دہلی واپس چلے گئے[4]۔ ان دنوں

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۴۶۔ انوار العارفین ص ۲۹۴ [2] مناقب المحبوبین ص ۱۴۶
[3] انوار العارفین ص ۲۹۴ [4] معارف فروری، مارچ ۱۹۳۶ء، اور مئی ۱۹۳۷ء
اسلامک کلچر۔ اپریل ۱۹۳۷ء

یہ خاندان ماہر فن تعمیرات میں یکتا اور لاثانی تھا۔

آپ کے دادا احمد معمار (دہلوی) عہد شاہ جہانی کے مشہور و مایۂ ناز فن تعمیر کے ماہر تھے۔ شاہانِ مغلیہ کی طرف سے "نادر العصر" کا خطاب حاصل کئے ہوئے تھے۔ تاج محل آگرہ، لال قلعہ دہلی، جامع مسجد دہلی، محل نواب آصف خاں لاہور، قلعہ جات شمشیر گڑھ اور حسن ابدال، مقبرہ دل راس بانو بیگم اورنگ آباد خاندان کلیمی کے تعمیری کارنامے اور یادگاریں شمار ہوتی ہیں[1]۔ علاوہ ازیں آپ کا خاندان صاحبِ علم بھی تھا اور متعدد کتابیں تصنیف کیں جو آپ کی یادگار ہیں چند سنسکرت کی کتابوں کے فارسی زبان میں بھی تراجم کئے جن سے اس خاندان کی علمی دلچسپیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ احمد معمار نے ۱۰۵۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ عطاء اللہ۔ لطف اللہ اور نور اللہ۔ عطاء اللہ کو نظم اور نثر میں کمال حاصل تھا لطف اللہ علم ہندسہ کے ماہر تھے۔ اور ان کا "مہندس" خطاب شاہی تھا شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا۔ ایک مثنوی آپ کی علمی یادگار ہے۔ (نور اللہ (والد بزرگوار حضرت شاہ کلیم اللہ سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور فنِ تعمیرات میں باکمال شخص رکھتے فنِ تعمیر کے علاوہ خطاطی میں ماہرِ فن تھے۔ دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے درج ہیں وہ آپ ہی کی باکمال انگلیوں کا کرشمہ ہے۔ جامع مسجد دہلی کے کتبہ کے آخر جانب شمال یہ لکھا ہوا پایا گیا ہے ـــــ "کتبہ نور اللہ احمد"

آپ کا شجرہ نسب یوں بیان کرتے ہیں

شجرہ نسب

استاد حامد

احمد معمار "نادر العصر"

- عطاء اللہ رشیدی
- لطف اللہ "مہندس"
  - ابوالخیر المعروف خیر اللہ
    - محمد علی "ریاضی"
  - امام الدین "الریاضی"
- نور اللہ "معمار"
  - شاہ کلیم اللہ (چار لڑکے پانچ لڑکیاں)
    - ۱ خواجہ محمد (لاولد)
    - ۲ حامد سعید
    - ۳ محمد فضل اللہ (لاولد)
    - ۴ محمد احسان اللہ
    - ۱ لڑکی اسم نامعلوم
    - ۲ بی بی رابعہ
    - ۳ لڑکی اسم نامعلوم
    - ۴ بی بی فخر النساء
    - ۵ زینب بی بی عرف مصری بی بی

حضرت شاہ کلیم اللہ کی ابتدائی تعلیم وتربیت بہت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی۔ آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے علم حاصل کیا۔ تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:[1]

"در ایام جوانی بہ تحصیلِ علوم مشغول بودند و کمال علم کردہ بودند"

حدیث، فقہ اور دیگر علوم ظاہری آپ نے شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلولؒ بن کبیر محمد بن علی الصدیقی برہانپوری اور شیخ ابوالرضا الہندیؒ سے پڑھے۔ شیخ بہلول سید محمد غوث

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۷۵ (فارسی) ترجمہ اردو مسعود حسن شہاب ص ۱۰۱ باب نہم ص ۱۰۱ (مکتبہ الہام بہاولپور پاکستان)

الیاری صاحب جواہر خمسہ سے نسبت رکھتے تھے جن کا حلقہ ارادت و بیعت بہت وسیع تھا۔
کابر و اعاظم زمانہ میں سے تھے۔ قلوب پر تصرف کامل رکھتے تھے۔ آپ کو نسبت تلمیذ کے علاوہ
اجازت اعمال بھی ان سے حاصل تھی۔ جنہیں خرقہ خلافت حضرت عیسیٰ سندھی رح سے انہیں حضرت
شیخ لشکر محمد سے اور انہیں حضرت شیخ محمد غوث سے حاصل تھا۔

شیخ ابوالرضا الہندی رح شیخ وجیہہ الدین شہید کے فرزند اور شاہ عبدالرحیم کے بڑے بھائی
اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تایا تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں بڑی عزت واحترام کی
نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ شاہی دربار میں بھی ایک ممتاز عہدہ حاصل تھا لیکن تھوڑے
ہی عرصہ کے بعد اس زندگی سے تنگ آگئے اور مسجد فیروزآباد کے قریب ایک حجرے میں رہنا
شروع کر دیا۔ درس و تدریس کا بھی شوق تھا۔ وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ نماز جمعہ کے بعد
ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ہر وعظ قرآن و حدیث کے رنگ میں ڈوبا ہوتا تھا ہزاروں
کی تعداد میں سامعین موجود ہوتے تھے۔ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ آپ نہایت ہی
دقیق النظر، عالی ہمت، بلند حوصلہ، قوی علم، فصیح اللسان، وسیع المعرفت، شجاع اور فیاض
انسان تھے۔ ان حضرت نے بڑی محبت اور شفقت سے حضرت شاہ کلیم اللہ رح کی تربیت فرمائی۔
شاہ صاحب رح نے بھی نہایت سرعت اور برق رفتاری سے علوم عقلی اور نقلی کے ہر گوشہ پر
کامل عبور حاصل کیا۔ جب آپ فارغ التحصیل ہوتے تو آپ نے راہِ سلوک میں قدم
رکھا۔ اور علم باطنی حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

بیعت و خلافت

دہلی کے بازاروں میں ایک مجذوب پھرا کرتا تھا۔ آپ ان کی صحبت میں اکثر جایا
کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رح کی طبیعت اس مجذوب کی طرف راغب ہو گئی پہلے تو اپنی حالت
چھپاتے رہے لیکن پھر ضبط نہ ہو سکا اور بالکل مجبور ہو گئے۔ اپنی حالت بیان کی اور مدد

کے طالب ہوئے۔ مجذوب نے حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ کے پاس جو اُن دنوں مدینہ منورہ میں تھے۔ جانے کے لئے کہا۔ آپ بے اختیار مدینہ منورہ کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ کی والدہ محترمہ حیات تھیں، اور اتنی بھی تاخیر نہیں کی کہ والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل کر لیں۔ طویل مسافت کو طے کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

حضرت شیخ مدنیؒ کا نام محی الدین، لقب یحییٰ مدنی اور کنیت ابو یوسف ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام شیخ محمودؒ ہے جن کا سلسلہ نسب حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ تک یوں پہنچتا ہے "حضرت شیخ محمودؒ بن شیخ حسن محمدؒ بن شیخ احمد میاں جیوؒ بن شیخ نصیر الدین ثانیؒ بن شیخ محمد الدینؒ بن شیخ سراج الدینؒ بن شیخ کمال الدین علامہ الچشتی" ہے[1]۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی مالیہ بنت شیخ تاج محمد عرف ملک تاجو ولد ملک قطب محمد بن ملک لطف اللہ قاضی النسب تھے۔ آپ احمد آباد (گجرات) کے رہنے والے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و اشارہ سے احمد آباد (گجرات) سے منتقل ہو کر مدینہ منورہ میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔ اور اسی نسبت سے آپ کو "مدنی" کہتے ہیں۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے۔ جو کچھ زبان سے فرماتے تھے وہی واقع ہوتا۔ سنتِ رسولؐ کے سخت پابند تھے۔ آپ مکمل درویش، بے نوا اور کامل تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کے چودہ برس مدینہ منورہ میں بسر کئے۔ مدینہ منورہ میں ۲۸ صفر ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت حافظ جمال ملتانیؒ جو حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلفاء کبار میں سے ہیں لکھتے ہیں کہ میں جب حضرت شاہ کلیم اللہؒ شاہ جہاں آبادی مدینہ پہنچے تو قافلہ کے ساتھ کھجوروں کے جھنڈ کے نیچے بیٹھ گئے۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی حضرت نے اپنے ایک غلام سے فرمایا کہ شہر کے باہر جا کر قافلہ میں سے کلیم اللہ کے نام کے شخص کو بلا لاؤ۔ حضرت یحییٰ مدنی کے غلام نے شہر سے باہر جا کر کلیم اللہ کا نام لے کر آواز دی لیکن آپ سمجھے کہ شاید کلیم اللہ نام

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۵۴ (فارسی)

کوئی دوسرا شخص ہوگا، اس لئے خاموش رہے۔ خادم نے واپس جاکر حضرت یحییٰ مدنیؒ سے عرض کیا کہ اس نام کا کوئی شخص وہاں نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ مدنیؒ نے خادم سے فرمایا دوبارہ جاؤ اور کلیم اللہ جہاں آبادی کا نام لے کر آواز دو۔ جب خادم نے اس طرح آواز دی تو شیخ کلیم اللہؒ حضرت شیخ یحییٰ مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ دستِ عقیدت دراز کیا اور بیعت ہوئے۔ خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ کچھ عرصہ اپنے شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر تمام مدارج روحانی کی تکمیل فرمائی۔ تصوّف میں بھی سبق لیا۔ نیازمندی خدمت کے خوب جوہر دکھائے۔ حضرت یحییٰ مدنیؒ نے توجہات خاصہ کا مرکز بنایا اور خاندانِ چشت کا چشم و چراغ بنا دیا۔

دہلی کو واپسی

اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق آپ ہندوستان واپس تشریف لائے۔ آپ نے دہلی جاکر جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان رہنا پسند فرمایا۔ دہلی بازار خانم[1] میں آپ نے درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی شہرت بہت جلد پورے ملک میں پھیل گئی۔ دُور دُور سے طلبہ تحصیلِ علم کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض یاب ہو کر واپس اپنے گھروں کو جاتے تبلیغی نظام کو مضبوطی سے قائم کیا۔ اپنے متعدد خلفاء اور مریدین کو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بھیجا اور خود مرکز میں رہ کر اُن کی ہر طرح نگرانی کی۔ آپ نے عوام کی اصلاح کے لئے اپنے خلفاء کو خاص کر حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ اور دیگر مریدین کو جنہوں نے آپ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ ہند کے مختلف حصّوں میں پھیل جانے کے احکام صادر کئے تاکہ رشد و ہدایت کی شمع روشن ہو۔

---

[1] یہ ایک بہت بڑا پُر رونق بازار تھا آج کل اس میں ایڈورڈ پارک اور پریڈ گراؤنڈ ہے۔ ماخذ: واقعات دارالحکومت دہلی جلد ۲ ص ۱۳۲۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے وصال کے بعد سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام جو درہم برہم ہو چکا تھا اس کو قائم اور بحال کیا۔ ان نامساعد حالات میں سلسلہ کی مرکزی حیثیت کو دوبارہ قائم کیا اور اس کام میں پھر ایک بار باقاعدگی پیدا ہو گئی۔ خانقاہیں جن میں خاموشی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی جوش و حرارت میں آگئیں۔ ہزاروں انسانوں نے ان سے ہدایت پائی۔ چراغ سے چراغ روشن ہوئے۔ حق کے نعروں سے خانقاہوں کی دیواریں گونج اٹھیں۔

بیان کرتے ہیں کہ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جن کی اصلاح و تربیت کے آپ ضامن تھے۔

ذریعہ معاش

شاہ صاحبؒ نے دہلی آ کر "بازار خانم" میں رہائش اختیار فرمائی۔ آپ کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ آپ کا ایک مکان تھا۔ اس کا ڈھائی روپے ماہوار کرایہ آتا تھا آپ خود ایک کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ آٹھ آنے یعنی پچاس پیسے اس مکان کا کرایہ ادا کرتے تھے۔ اور باقی دو روپے میں اپنا اور اپنے وابستگان کا خرچ چلاتے تھے اور آپ کا وقت عسرت سے گزرتا تھا مگر آپ نے کبھی توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توکل اور قناعت کی بے پناہ دولت عطا کر رکھی تھی۔ فرخ سیر بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ شاہ صاحبؒ شاہی خزانہ سے کچھ قبول فرمائیں مگر آپ نے ہر ایسی پیش کش کو کمال بے نیازی سے ٹھکرا دیا۔ اور فقر غیور کے پاکیزہ دامن پر دنیاداری کا بدنما داغ نہ لگنے دیا۔ آپ عوام میں بہت مقبول تھے۔ اس مقبولیت کے سبب ان کے مزار کے گرد بڑی آبادی ہو گئی تھی۔ غدر میں (۱۸۵۷ء) یہ سارا علاقہ تباہ و

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۸۵ (اردو ترجمہ)

برباد ہو گیا تھا۔ مرزا غالبؔ اپنے ایک خط میں رقم طراز ہیں، یہ خط آپ نے مولانا سید احمد حسن مودودی کو لکھا تھا[1] "شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مقبرہ اُجڑ گیا۔ ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے تمام لوگ اس موضع میں سکونت پذیر تھے اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہو گا کہ کہاں ہیں۔"

سیرت

تلاوت قرآن پاک آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ فنا فی اللہ ہیں۔ مجاہدات اور ریاضات میں بے مثل تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ سُنتِ رسولؐ کے سخت پابند تھے۔ نفل بہت پڑھتے تھے۔ رات کو جاگتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ توکل اور قناعت میں یگانۂ روزگار تھے۔ ہمیشہ مریدوں کی اصلاح و تربیت میں مصروف رہتے۔ عبادت، اشغال اور اوراد و وظائف کے بارے آپ سختی سے کام لیتے تھے۔ آپ جب تقریر فرماتے فصاحت اور بلاغت کے وہ جوہر دکھلاتے کہ سُننے والے بے حد متاثر ہوتے۔ سننے والے مسلم و غیر مُسلم دونوں قومیں شریک ہوتیں۔ غیر مسلم آپ کے وعظ سے اتنے متاثر ہوتے کہ مسلمان ہو جاتے

تعلیمات

آپ نے اپنے خطبات، مکتوبات اور تصانیف سے لوگوں کو پیغامِ حق پہنچایا۔ آپ کے خطوط تصوف اور معرفت کا خزانہ ہیں۔ یہ خطوط "مکتوبات کلیمی" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں جس کے مطالعہ سے آپ کے افکار و خیالات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے مکتوبات جو آپ نے اپنے خلیفہ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے نام لکھے ہیں وہ بڑی نادر قیمت کے ہیں۔ تصوف

---

[1] اردوئے معلیٰ حصہ اول ص ۱۸۳ - ۱۸۴

میں ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی چند رقعات کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

خلاصہ مکتوب بنام حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ:

* ہر قسم کے تغیرات سے خدا آپ کو محفوظ رکھے تاکہ آپ شریعت و طریقت و حقیقت کا اہتمام کریں۔ مزید لکھتے ہیں "مسئلہ وحدت الوجود کو ہر کس و ناقص کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنے احباب و مریدین جو اس مسئلہ کو سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں ان کے ساتھ رمز و کنایہ میں بات کرنی چاہیئے۔ اگر وہ اس بات کو سمجھتے ہوں تو اس کی مزید وضاحت بھی کر دینی چاہیئے ورنہ کنایات ہی کافی ہیں"

* "امراء سے رسمی ملاقات ہونی چاہیئے۔ ان سے قطع تعلق بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر ان میں سے بعض کے ساتھ تعلقات کا سلسلہ رکھا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں"

* "امرا کے نذرانے قبول یا رد کرنا اگر محض رضائے خداوندی کے لئے ہے تو قابل تعریف بات ہے ورنہ مذموم۔

* حضرت خواجہ نورالدینؒ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے عزیز خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ کلیم اللہؒ نے ان کی تعریف نہایت شاندار الفاظ میں ادا کی ہے۔ ایک خط میں حضرت شاہ نظام الدینؒ کو لکھتے ہیں کہ خواجہ نورالدین فنافی الشیخ ہیں۔ تمہارے سب خلفاء سے افضل اور فوقیت لئے ہوئے ہیں اگر عربی علم اور حاصل کر لیں تو ایک عالم اس شخص سے روشن ہو جائے[1]

* ایک اور مراسلہ بنام شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ میں درج ہے[2] کہ "ہم چوں ایں عزیز (خواجہ نورالدین محمد) را باید کہ امتیاز دادہ در تربیت باطن البتاں کوشش لبسیار نمود"۔ (ترجمہ) "اے مرید! خواجہ نورالدین محمد کے لئے چاہیئے کہ مخصوص طریقے پر اس کی باطنی تربیت کی طرف توجہ کی جائے"

---

[1] مکتوبات کلیمی مراسلہ ۲۷ ص ۵۸ [2] مکتوبات کلیمی مراسلہ ۶۶ ص ۵۴-۵۵

اِس کے علاوہ مکتوبات میں اکثر مقام پر خواجہ نورالدینؒ کو آپ نے "محبِّ صادق و یارِ موافق" کے القاب سے مخاطب کیا ہے۔ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو بھی خواجہ نورالدینؒ سے بھی غایت درجہ محبّت تھی اور اُن کی باطنی تربیّت میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔

آپ اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی جفا و قضا برداشت کریں[1] ۔ اور لب نہ ہلائیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارا کام دلوں کو ایک جگہ کرنا ہے۔ اِس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیئے[2]

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے بھی اپنے مریدِ صادق حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو بھی اسی طرح فرمایا تھا "ان سے کہہ دو کہ شہر دہلی میں رہنا چاہیئے اور مخلوق کی جفا و قضا کو برداشت کرنا چاہیئے اور اس کے بدلے ان کے ساتھ بذل و ایثار اور عطا کرنی چاہیئے[3]

اِس واقعہ کا بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ سلطان محمد تغلق نے سب سے بڑا وار اُس نے سلطان المشائخؒ کے جانشین حضرت چراغ دہلویؒ پر کیا۔ انہیں اپنی جامہ داری اور کپڑے پہنانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں جیل خانے میں ڈال دیا۔ حضرت چراغ دہلویؒ کو اپنے مرشد کی ہدایت جو آپ کو کی تھی یاد آگئی کہ تمہیں دہلی میں رہ کر خلق کا ظلم و ستم برداشت کرنا چاہیئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی اور اپنے خدّام و متعلقین کے ساتھ جو تعلق کی جو اداسب سے نمایاں اور روشن تھی وہ حضرت شاہ صاحب کی غیر معمولی محبّت و شفقت تھی۔ نومسلم حضرات پر حضرت کی یہ شفقت اور بھی زیادہ تھی۔ ان کے ساتھ آپ کا نیک سلوک تھا۔ مکتوب کلیمی کے مطالعہ سے یہ علم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی طرف جو رقعات ارسال کئے ہیں ان میں ان کو ہدایات دی گئی ہیں کہ جوگیوں اور ہندوؤں کو

---

[1] مکتوبات کلیمی مرسلہ ۵ ص ۹ [2] مکتوبات کلیمی مرسلہ ۲۳ ص ۷۲ [3] سیر الاولیاء (فارسی) ص ۲۴۷

بھی ذکر کی تلقین کیا کرو۔ ذکر کی برکت سے ان شاءاللہ تعالیٰ ان کو ایک دن اسلام نصیب ہوجائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو بار بار لکھتے تھے کہ مجھے جلد جلد ذاکرین کے حالات سے آگاہ کرتے رہا کرو۔ جب بھی خط لکھنے میں دیر ہوجاتی تو حضرت شاہ صاحبؒ پھر لکھتے اور تاکید فرماتے کہ میں تمہارے خط کا منتظر رہتا ہوں اور بے چین رہتا ہوں۔ دیا رام (نو مسلم) کے خط کے جواب میں اُسے لکھا ہے کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ذات بابرکات پر بکثرت درود شریف پڑھا کرے۔ کیونکہ یہ سب سعادتوں سے بڑی سعادت ہے۔

★ فرماتے ہیں "جسے خلافت بخشیں اُسے کہیں کہ وہ اپنے ابتدائی اور انتہائی حالات پر مشتمل ایک تفصیلی خط مجھے لکھے تاکہ میں ہر ایک کی حیثیت و قابلیت اور استعداد سے واقف ہوجاؤں۔"

آپ کے مکتوبات آپ کی عملی سرگرمیوں کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کی زندگی کے علمی اور عملی دونوں پہلو روشن ہوجاتے ہیں اور آپ کی شخصیت پوری طرح ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ چشتیہ سلسلہ کی ترقی کے لئے مسلسل کوشش اور لشکریوں اور عوام میں روحانی تعلیم و تربیت کے لئے سعیٔ بلیغ کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ خطوط خاندانی حالات اور سماجی مشکلات کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

تصانیف

آپ شریعت و طریقت کے عالم تھے، صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ مرقع، کشکول، تسنیم عشرہ کاملہ، قرآن القرآن، سواء السبیل، الہاماتِ کلیمی، رسالہ تشریح الافلاک[1] اور شرح القانون آپ کی مشہور تصانیف ہیں جو کئی بار شائع ہوئیں اور خواص و عوام سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ کشکولِ کلیمی کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

---

[1] رسالہ تشریح الافلاک عاملی محشی بالفارسیہ۔

جناب خلیق احمد صاحب نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں "شاہ صاحبؒ کی ایک تصنیف رسالہ "ردّ روافض" کا بھی بعض کتابوں میں ذکر ہے لیکن وہ دستیاب نہیں ہو سکی۔"[1] مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ "علم منطق پر بھی ان کا رسالہ تھا۔ وہ بھی اب نایاب ہے"[2] ("یک رسالہ در علم منطق است") غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ شعر بھی کہتے تھے اور ان کا کلام غدر کی تباہیوں کی نذر ہو گیا تھا[3]

وصال

آپ نے ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ میں شہر جہان آباد (دہلی) میں رحلت فرمائی۔ آپ کو آپ کے مکان مسکونہ واقع درمیان جامع مسجد و لال قلعہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار آج مرجع خلائق ہے۔ "قطب زمانہ خوش بودہ" تاریخ وفات ہے[4]
۱۱۴۲ھ

اولاد

حضرت شاہ صاحبؒ کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام خواجہ محمد حامد سعید، محمد فضل اللہ، محمد احسان اللہ ہیں۔ لڑکیوں کے نام بی بی رابعہ، بی بی فخر النساء اور زینب بی بی ہیں۔ خواجہ محمد بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ مناقب المحبوبینؒ میں لکھا ہے کہ آپ نے دو شادیاں کیں۔ ایک بی بی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ دوسری بی بی سے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ چوتھی اور پانچویں بیٹی کا نام نہیں ملتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ مکتوب کلیمی مراسلہ چہل و دوم (۴۲) میں بیان کرتے ہیں:

---

[1] ص ۳۹۰ [2] مناقب المحبوبین ص ۴۷ مطبوعہ لاہور شیخ الٰہی بخش تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

[3] غالب کا خط حکیم سید احمد حسن مودودی کے نام اردوئے معلی حصہ اول ص ۱۸۳-۱۸۴ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت (استفادہ) [4] مناقب المحبوبین ص ۴۶ [5] ایضاً

"بتاریخ بست وچہارم شہر ربیع الثانی فرزند عزیز خواجہ محمد از دار الفنا بدار البقا رحلت نمود جدائی بر سینہ دوستاں بگذاشت۔ انا للہ و انا الیہ راجعون (۲۴ ماہ ربیع الثانی عزیز بیٹا خواجہ محمد اس دنیا سے چل بسا)

حضرت شاہ صاحبؒ مکتوب کلیمی مراسلہ صد و بست وپنجم (۱۲۵) میں تحریر کرتے ہیں :

"تین بیٹے اور تین بیٹیاں حیات ہیں۔ حامد کتب سلوک کے مطالعہ میں مشغول ہے محمد فضل اللہ کی عمر دس سال ہے۔ ۱۲ پارے کلام پاک حفظ کئے ہیں۔ محمد احسان اللہ پانچ سال کا ہے۔ مکتب میں ابجد پڑھتا ہے۔ لڑکیوں کا یہ ہے کہ ایک محمد ہاشمؒ کے نکاح میں ہے بی بی رالبعہ اس کا نام ہے دوسری بی بی فخر النساء برادر زادہ کے نکاح میں دے دی ہے (مناقب المحبوبینؒ میں ان کا نام شیخ عبدالرحیم لکھا ہے) تیسری لڑکی زینب بی بی جو بی بی مصری کے نام سے مشہور ہے ۱۴ سال کی ہے۔ ابھی کہیں اُس کی نسبت نہیں ہوئی ہے مگر بعد میں ان کا نکاح شاہ میرؒ سے ہوا،

مناقب المحبوبین کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ بی بی رالبعہ کے چوتھی یا پانچویں بیٹی بی بی رالبعہ کے انتقال کے بعد محمد ہاشم صاحب سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ اب مناقب المحبوبین کی عبارت ملاحظہ ہو:"اوّل بی بی رالبعہ کہ از محمد ہاشم خلیفہ البتاں منکوحہ شد، دوم فخر النساء کہ از برادر زادہ خود شیخ عبدالرحیم نام منکوحہ کردند، سوم زینب بی بی بعرف بی بی مصری کہ از شاہ میر منکوحہ شد، چہارم را نام دی ننوشت اما ایں دختر ہم بعد فوت بی بی رالبعہ در نکاح محمد ہاشم آمدہ بود وحال پنجم را دی ننوشت کہ نام او چہ بود و از کدام کس منکوحہ شد،" [۲]

خلفاء

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ اور آپ کے خاص خاص خلفاء کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادیؒ، حضرت محمد ہاشمؒ، مولانا شاہ ضیاء الدینؒ

---

[۱]، [۲] مناقب المحبوبین ص ۴۶، ۴۷

نظامِ خلافت

مکتوباتِ کلیمی کے مطالعہ سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ کلیم اللہؒ خلافت کو بہت اہمیت دیتے تھے اور خلافت کا نہایت مکمل اور مضبوط نظام قائم کئے ہوئے تھے۔ ہر کس و ناکس اور نا اہل لوگوں کو خلافت نہیں دی جاتی تھی۔ خلافت سے متعلق ان کے چند اصول بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ خلافت دینے کا مقصد "دست بدست دادن" نہیں بلکہ اشاعت اسلام کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔[۱]

۲۔ حضرت شاہ کلیم اللہؒ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو فرماتے ہیں کہ خلافت جس کو دی جاتے اس کے تفصیلی حالات سے مرکز کو آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ ہو سکے۔[۲]

۳۔ صرف اہلِ علم کو خلافت دی جائے۔ اس صورت میں گمراہی اور ضلالت کے پھیل جانے کا کوئی فکر اور اندیشہ نہیں ہے۔[۳]

۴۔ خلافت کی دو قسمیں کی جائیں۔ خلافت زبانی۔ خلافت سلوک۔[۴]

۵۔ بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جاتے۔[۵]

۶۔ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے اپنے پیر و مرشد کو عورتوں کی بیعت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ عورتوں کو بیعت کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی خلوت

۱۔ مکتوباتِ کلیمی مراسلہ ۹۳ ص ۳۹ ۲۔ مکتوباتِ کلیمی مراسلہ ۱۸ ص ۲۲ ۳۔ مکتوباتِ کلیمی مراسلہ ۴۷ ص ۵۴۔ ۴۔ مکتوباتِ کلیمی مراسلہ ۹۶ ص ۴۷

۵۔ مکتوباتِ کلیمی مراسلہ ۹۶ ص ۴۷

سے بچا جائے اور براہِ راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہ کیا جائے چونکہ "مسِ اجنبیہ" حرام ہے[1] روحانی ترقی کے لئے اتباعِ شریعت کی سخت تلقین کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ آپ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ ہی کی ہدایت سے دکن تشریف لے گئے تھے جہاں انہوں نے نظامیہ سلسلہ کی شاندار خانقاہ قائم کی تھی۔ جب کہ ہر طرف ہراس و پریشانی کا عالم تھا اور چاروں اطراف باغیانہ قوتیں اُبھر رہی تھیں۔ بدامنی کا دور تھا۔ ملت کی نگہبانی کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ آپ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور قدرت نے آپ کو ملت کا پاسبان بنادیا۔

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

خانوادہ، اِسم و القاب، ولادت اور وطن

آپ کا اسم مبارک نظام الدین لقب شیخ الاسلام والمسلمین ہے[2] آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاںؒ نے سلسلہ حدیث میں اپنے آپ کو صدیقی لکھا ہے[3] خواجہ محمد عاقلؒ کے سلسلہ حدیث میں مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت اس طرح درج ہے[4] "ابن الشیخ نظام الدین الغوری ثم الاورنگ ابادی قدس سرہٗ العزیز"

مذکورہ عبارت جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں سے علم ہوتا ہے آپ کا اصل وطن غور تھا

---

[1] مکتوبات کلیمی مراسلات ص ۲۵ [2] ضمیمہ کتاب آداب الطالبین از محمد عبداللہ صاحب چشتی سلمانی ص ۱۷، تذکرہ اولیائے اورنگ آباد بحوالہ خزاں و بہار ص ۹۳۔ جلد ۲ [3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴ مناقب فخریہ باب اول [4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۸

ہاں سے آپ یا آپ کے اجداد ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت سید محمد گیسو دراز رح
کے خاندان سے تھیں۔ ان کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام محمد اسماعیل رح
اور فخر الدین رح تھے۔ دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جن کے نام غلام معین الدین رح۔ غلام بہاء الدین رح
اور غلام کلیم اللہ تھے۔ محمد اسماعیل رح خواجہ کامگار خان رح کے مرید تھے۔ باقی تینوں بھائی اور ایک بہن
شاہ فخر الدین رح سے بیعت تھے [1]۔ خزاں و بہار کا مؤلف بیان کرتا ہے کہ آپ کی سات دختر تھیں۔
اولیں شجاعت علی خان بہادر شہید صوبہ دار سے منسوب تھیں۔ دوم قاضی کریم الدین محمد خان سے منسوب
تھیں (جدۂ مادری مؤلف خزاں و بہار) سوم سید شریف الدین خاں شرافت سے منسوب تھیں (والدۂ
میر مہربان) چہارم شیخ حسام الدین پنجم میر زین الدین علی بنلیسہ قابل خان برادر میر تراب علی مخاطب
سید قابل خان بہادر غالب جنگ سے منسوب تھی۔ ہفتم شیخ غلام احمد نبیرۂ حضرت شیخ یحییٰ مدنی
قدس سرہٗ سے منسوب تھی [2]۔

حضرت شاہ کلیم اللہ رح نے آپ کی شادی اپنے خاندان میں کرانی چاہی۔ ایک میاں امام الدین جو
آپ کے چچا زاد بھائی تھے ان کی ایک چودہ سالہ لڑکی تھی۔ دوسرے شاہ صاحب رح کے قبیلہ میں دو تین اور
لڑکیاں تھیں۔ ان کے والدین کے نام درج نہیں۔ چاہتے تھے کہ ان میں سے ایک لڑکی آپ کے لئے نامزد
کی جائے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ شیخ صاحب کی دوسری شادی کس جگہ ہوئی [3]۔

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رح کا سن ولادت کسی معاصر تذکرے یا ملفوظ میں درج
نہیں ہے البتہ مؤلف تذکرۃ الاولیاء اورنگ آباد (دکن) "خزاں و بہار" کے حوالے سے آپ کی ولادت
۱۰۷۱ھ بیان کرتا ہے۔ اور آپ نے اکہتر (۷۱) سال کی عمر پائی۔ گیارہ تاریخ ماہ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ
میں عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی۔ مؤلف "خزاں و بہار" نے لکھا ہے جب آپ کی
رحلت کی خبر ارکاٹ میں پہنچی ایک بزرگ کامل خیر اللہ کے کثرت افسوس سے بے خود ہو گئے دیمجری

[1] مناقب فخریہ ص ۵ (باب اول) [2] تذکرہ اولیاء اورنگ آباد (دکن) بحوالہ خزاں و بہار ص ۱۱۰۰۔ جلد دوم
[3] ماخذ مکتوبات کلیمی م ۷ ص ۱۵، م ۲۵ ص ۳۲ [4] ص ۱۱۰۰

کے عالم میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ " نظام الدین ولی بود "۔ جب ہوش میں آیا۔ فقرہ مذکورہ کے عدد شمار کئے تو ۱۱۴۲ھ تاریخ رحلت برآمد ہوئی۔ اور میر مہربان پسر سید شریف الدین خان خزانت نواسہ حضرت شاہ نظام الدینؒ نے فقرہ "سلطان المشائخ بود" میں تاریخ وفات پائی ہے[1]

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ انہوں نے ۸۲ سال کی عمر میں وصال فرمایا تھا " عمر ایشاں ہشتاد و دو سال شد کذا فی فخر الاولیاء "۔

مذکورہ بنیاد پر اگر آپ کی تاریخ پیدائش کا حساب لگایا جائے تو وہ ۱۰۶۰ھ ہوتی ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ حضرت شاہ کلیمؒ کے ہم عمر تھے اور ان ہی کے ساتھ وصال فرمایا گیا کہ مناقب المحبوبین میں بحوالہ مرآت ضیائی اور فخر الاولیاء میں لکھا ہے کہ اس وقت آپ کے پیر و مرشد کے وصال کو چھ ماہ اٹھارہ دن ہوئے تھے۔

مناقب فخریہ، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا وطن پورب میں تھا اور وہاں سے تکمیل علوم کے لئے دہلی چلے آئے تھے۔ تکمیل علوم کے بعد حضرت شیخ شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ سے بیعت ہوئے۔ کچھ مدت دہلی میں قیام کیا پھر دکن تشریف لے گئے سرسید خاں بیان کرتے ہیں[2] " آپ (حضرت مولانا فخر جہاںؒ) کے والد بزرگوار نظام الحق والملۃ والدین ساکن موضع مکرا ون میں کہ مضافات لکھنؤ سے ہے "۔ بعض شجروں میں آپ کا مقام ولادت 'نگراؤں' درج ہے[3] ۔ برکات الاولیاء[4] میں آپ کا وطن کاکوری لکھا ہے۔ اس کے علاوہ سلسلۃ الذہب میں کاکوری اور نگراؤں دونوں درج ہے مذکورہ متضاد بیانات کی روشنی میں کسی ایک مقام کے متعلق فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے " وطن اصلی ایشاں در ضلع پورب در قصبہ کاکوری و نگراؤں متصل بلدہ لکھنؤ است[5] "۔

مرزا محمد اختر دہلوی "تذکرۃ الفقراء" میں بیان کرتے ہیں کہ وطن اصلی حضرت کا ملک پورب میں

---

[1] ص ۷۴ [2] آثار الصنادید (باب چہارم۔ تذکرہ اہل دہلی) [3] شجرہ چشتیہ سلیمانیہ فخریہ از مولانا غلام فخر چشتی ص ۳۰ [4] ص ۱۴۴ [5] مناقب المحبوبین ص ۷۴۔

ایک قصبہ ہے کہ اس کو "قصبات پورہ" کہتے ہیں تذکرہ نگار مرزا محمد اختر دہلوی کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔

آپ کی بیعت و خلافت

حضرت شاہ نظام الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی پھر تکمیل کے لئے دہلی آ گئے۔ دہلی اس وقت ہندوستان کا علمی و روحانی مرکز تھا۔ آپ حضرت شاہ کلیم اللہؒ کا شہرۂ علم و فضل سُن کر حاضر خانقاہ ہوئے۔ اُس روز شیخ مجلس سماع میں حالت وجد میں تھے اور دروازہ خانقاہ کا جس میں غیروں کی شرکت بعض شرائط پر موقوف تھی، بند تھا۔ آپ نے دروازہ بند دیکھ کر دستک دی۔ شیخ نے آواز سُن کر ایک مرید کو اشارہ کیا کہ باہر جا کر دیکھیں۔ مرید نے ایک غیر متعارف شخص کو دروازہ پہ کھڑا دیکھ کر نام دریافت کیا۔ آ کر شیخ سے عرض کی کہ نظام الدین غیر شخص نا آشنا کھڑا ہے پیر شیخ نے ارشاد فرمایا کہ وہ بیگانہ نہیں ہے۔ جلد بلا لو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ خلافِ قاعدہ مردِ نا آشنا اس مجلس میں بُلانا نہ چاہیئے۔ شرائط سماع فوت ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر نظام الدین ہے تو نا آشنا نہیں ہے"۔ یہ کہہ کر اُن کی تسلّی کر دی۔ بڑے خلوص اور محبّت سے ملے۔ ظاہری تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے بعد علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے آپ کی طبیعت اِس طرف بہت راغب ہوگئی عقیدت اور ارادت میں اضافہ ہوگیا۔ ایک دن شاہ کلیم اللہ مجلس سے اُٹھے اور فرش کے کنارے تک پہنچے۔ آپ نے بڑھ کر فوراً جوتے اُٹھائے اور صاف کر کر آگے رکھ دیئے شاہ صاحبؒ کو آپ کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ شیخ نے نظرِ عنایت سے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا "نظام الدین تو ہمارے پاس علوم ظاہر حاصل کرنے آیا ہے یا فوائدِ باطنی کے لئے جو زیادہ بہتر اور اچھے ہیں"۔ شیخ نظام الدین نے فوراً جواب دیا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ا؎ مناقب المحبوبین ص ۷۳

حضرت یحییٰ مدنیؒ نے رخصت کرتے ہوئے حضرت کلیم اللہ جہاں آبادیؒ سے کہا تھا کہ ایک نیک بخت جس کا نام نظام الدین اور اس شکل و صورت کا ہے تمہارے پاس آئے گا اسے دعوتِ حق دینا۔ شاہ صاحبؒ کو اپنے پیر شیخ یحییٰ مدنیؒ کی پیشین گوئی یاد آ گئی۔ آپ کی روحانی تعلیم و تربیت خاص توجہ سے کی بیعت سے مشرف ہوئے اور چاروں سلسلوں میں خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ پھر سرزمینِ دکن کی جانب روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر آپ فیض رسانِ خلق ہوئے۔

نواب مستطاب نظام الملک آصف جاہ جدِّ امجد حضرت نواب صاحب نظام الملک غیاث الدین خاں مشرف بیعت ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت خواجہ محمد کامگار خاںؒ[1] اور حضرت خواجہ محمد نور الدینؒ کو خرقہ خلافت سے نوازا۔ دیگر اُمرائے اورنگ آباد اور مولانا ضیاء الدینؒ جے پوری کے نانا میر سیّد شریفؒ بھی آپ کے مرید ہوئے۔

تبلیغ و اصلاح

آپ نے اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق دکن جا کر تبلیغ و احیاء کے کام کو اپنا مقصدِ حیات بنایا اور کامیاب و کامران ہوئے تبلیغی سرگرمیاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہوئیں۔ آپ نے اور شیخ زین الدینؒ نے دکن میں ہزاروں غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ سیاسی بدامنی اور اخلاقی پستی

---

[1] حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ سے خواجہ محمد نور الدینؒ اور ان کے بھائی خواجہ کامگار خاں نے اجازت چاہی کہ وہ دہلی حسین علی خاں کے ساتھ جائیں اور حضرت شاہ کلیم اللہؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کریں۔ حضرت شاہ نظام الدینؒ نے صرف خواجہ کامگار خاں کو اجازت دی اور خواجہ محمد نور الدینؒ کو روک لیا کیونکہ ان کی صحت ایسی نہ تھی کہ دہلی کا سفر کر سکیں۔ آپ دہلی ہی میں تھے کہ بھائی محمد نور الدین اورنگ آباد میں انتقال کر گئے۔ دل میں خیال آیا کہ مجالسِ شیخ کا حال لکھ کر مرحوم بھائی کی روح کو خوش کریں۔ اس سبب سے مجالسِ کلیمی منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب کے پانچ نسخے ہیں۔ پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) نمبر ۳۱۰ کتب خانہ سالار جنگ ۹۲/۶۹ ۱۵۶ (حیدرآباد) خانقاہ تونسہ شریف ۱۸۹ب آصفیہ دکنی نمبر ۱۳ حاجی محمد ارشد المعارف لاہور۔ اس میں چودہ مجلسوں (۲۸ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ تا ۲۰ جمادی الاول ۱۱۴۲ھ) تک کا حال ہے۔ نجی کتب خانہ میں موجود ہیں۔

نہیں دکن میں ایک مستقل خانقاہ قیام کی جہاں ہزاروں انسان زیورِ علم سے آراستہ ہوئے۔
تابوں کو پڑھانے کے علاوہ اپنے پیر و مرشد کی تقلید میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کا بھی درس دیا
مشتاقین وہاں جمع ہوتے اور فیض یاب ہوتے۔ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں کسی
عتراض یا شبہ آتا آپ کے وعظ و تقریر سے وہ شخص مطمئن ہو جاتا تھا۔ شک و تردد دور ہو کر اعتقاد
نتقاد حاصل کرتے۔ آپ اپنی روحانی تعلیم میں پاس انفاس اور ذکرِ جہر کو خاص اہمیت دیتے تھے۔
ر فرمایا کرتے تھے کہ انہیں کے ذریعے سے باطنی اصلاح و تربیت ہو سکتی ہے۔ خواجہ محمد نورالدین
صادق" اور "یار موافق" کو حکم ہوا کہ ذکرِ جہر کی تعلیم دیا کریں۔ آپ تین تین سو مریدوں
تھ جامع مسجد میں ذکرِ جہر میں مصروف رہتے تھے۔ بچوں کو ذکرِ جہر بتانے سے گریز کیا جاتا تھا[1]
شیخ اور ادب کی تعلیم خاص طور پر دیتے تھے۔ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ ذکر واذکار کے لئے
تھ میں لینا بدعت خیال کرتے تھے اور فرمایا کرتے جس کے ہاتھ میں باطن کی تسبیح ہو وہ کیوں
تسبیح ہاتھ میں پکڑے گا[2]

حضرت شاہ محمد سلیمان[3] تونسویؒ کے ملفوظات سے علم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدینؒ اورنگ
کی خانقاہ کے دس دروازے تھے۔ ہر دروازے پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا جو حاجت مند
ں کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا۔ اس پر حضرت کی مہر لگا دی جاتی تھی جس کا سجع تھا:

"ذکرِ مولےٰ از ہمہ اولےٰ
در رعایت دلہا بکوش
نظام دین بہ دنیا مفروش"

توبات کلیمی مراسلہ ۶ ص ۱۰ مراسلہ ۲۱ ص ۲۵ ۲ے احسن الشمائل تصنیف محمد نگار خاں۔
فاده) یہ مخطوطہ کتب خانہ[1] تونسہ شریف ڈی جی خان، کتب خانہ[2] آصفیہ اور کتب خانہ[3] سالار صاحب بہادر
ر آباد (دکن) میں موجود ہے۔ ۳ے خلاصۃ الفوائد نافع السالکین ص ۹۵ مطبع مرتضوی
جیلان دہلی ۱۸۹۲ء

حاجت مند یہ پرچہ جس پر مہر کے پاس لے جاتا وہ اپنی حاجت براری کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتا تھا خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے تھے۔ اصل متن ملاحظہ ہو:

"حضرت قبلہ من می فرمودند کہ خانقاہ حضرت اورنگ آبادی قدس سرہٗ را دہ دربان ہر دو نویسندگان نشستہ بودند ہر حاجت مندے کہ مے آید او را ہر حاجتے کہ بود رقعہ نوشتہ می دادند و نیز فرمودند کہ مہر مبارک حضرت اورنگ آبادی دو عدد بود ہر یکے مہر ایں سجع بود: "ذکر مولیٰ از ہمہ اولیٰ" و بر دیگر مہر مبارک ایں سجع بود" اے نظام در رعایت دلہا بکوش دین را بدنیا مفروش"

آپ کی خانقاہ بہت جلد مرجع عوام و خواص بن گئی۔

سیرت پاک

حضرت تنہا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ چند دوستوں کو شریک طعام کرتے کبھی کوئی نہ ہوتا تو ازراہ کرم مخلصوں کے گھر پر طعام بھجوایا کرتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ شفقت سے پیش آتے اور اس کی مزاج پرسی کرتے۔ خلق اور شفقت میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ جو کوئی آپ سے نیاز حاصل کرنے کا شرف حاصل کرتا اسے خُلقِ عظیم کے معنیٰ کا پتہ چل جاتا۔ آپ کے افعال و اعمال سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھے اور اس میں ذرہ بھر فرق نہ ہوتا۔ ریاضت، مجاہدہ اور مراقبہ میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔

آپ نماز با جماعت ادا فرماتے تھے اور نماز فجر پڑھنے کے بعد اپنے حجرہ میں تشریف لے جاتے اور پانچ چھ گھنٹے یادِ حق میں مصروف رہتے۔ اس وقت آپ کے پاس کوئی نہیں جا سکتا تھا اس سے فراغت کے بعد حجرہ کا دروازہ کھلتا اور مخلصوں سے ملتے اور الطاف و عنایات سے نوازتے۔ ان کے ساتھ تشریف رکھتے۔ پھر ظہر کی نماز کے وقت باہر آتے اور نماز ظہر کے بعد حجرہ میں داخل ہو کر مشغول ہو جاتے اور باقی ماندہ وقت میں لوگوں کو شرف قدم بوسی عطا کرتے۔ خواجہ محمد نور الدین

شریف یا کوئی دوسری کتاب پڑھتے۔ نماز عصر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ نمازِ عصر کے بعد احوالِ
کے سلسلہ میں کسی کتاب کا کچھ حصہ بیان کیا جاتا۔ نمازِ مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ نمازِ مغرب
بعد حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ اس وقت مولانا خواجہ محمد نور الدینؒ آپ کی خدمت میں حاضر رہتے
کی سفارش کرتے۔ کیونکہ مسکینوں کو خوش کرنا اور محتاجوں کی حاجت پوری کرنا طاعت سے
۔ اس وقت دولت مند بھی سعادت قدمبوسی حاصل کرتے اور ہدایت پاتے۔ آپ کی ذات بابرکات
سے دنیا فیض یاب ہوئی۔

آپ تصوف کے حقائق و معارف کے متعلق کوئی بات زبان مبارک سے کہنے کی بجائے مسائل
کتاب کا حوالہ دیتے اور فرماتے کہ فلاں کتاب پڑھ کر دیکھ لو۔ آپ ہر دفعہ تازہ وضو کرتے اور
کنگھی کرتے۔ نماز باجماعت کا آپ کو بہت خیال رہتا تھا۔ اکثر مخلصوں کو یادِ الٰہی اور
یقین فرماتے۔ خلاصۃ الفوائد میں درج ہے کہ آپ پر استغراق کا عالم اس درجہ طاری رہتا
شغل دوستوں کو بھی نہیں پہچانتے تھے۔ جو شخص مشغول رہتا تھا اس پر خاص توجہ رہتی
حضرت شیخ نظام الحق والدینؒ کسی کی نذر بھی قبول نہیں کرتے تھے جب اس بات کی خبر
شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کو ہوئی تو آپ نے نہایت تحسین فرمائی اور ان کے نام اس
کا ایک عنایت نامہ تحریر فرمایا: "سنا ہے کہ تمہارے دوست اور مخلص تمہارے لئے
نذر لائیں تو تم قبول نہیں کرتے۔ اگرچہ یہ امر مستحسن ہے لیکن اس سے محبوں کی دل آزاری
ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جو شخص سچے اخلاص کے ساتھ کوئی چیز لائے وہ "لا رد ولا کد" کے
مطابق قبول کر لو اور محتاجوں میں تقسیم کر دو کیونکہ ان کی امداد بہرحال بہتر ہے۔ لینے سے
اور نہ لینے سے وحشت ہوتی ہے۔ مخلصانِ صادق کی دلجوئی ہر لحاظ سے فائق ہے" اس روز
آپ مخلصوں کی نذریں قبول کرنے لگے۔[1]

آپ کا سلوک اپنوں اور بیگانوں اور واقف و اجنبی کے ساتھ ایک جیسا تھا چھوٹا بڑا جو

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷۳ (بحوالہ مکتوبات کلیمی)

بھی آپ کے پاس آتا آپ اس کی تعظیم و تکریم فرماتے۔ شرف حاضری حاصل کرنے والوں
اگر شیرینی موجود ہوتی تو تقسیم کی جاتی۔ عطر جو ہمیشہ موجود ہوتا تھا عنایت کرتے تھے۔ کوئی
والا خالی ہاتھ نہیں گیا۔ جب تک آنے والے بیٹھے رہتے آپ دو زانو بیٹھتے۔ اگر مجلس میں
گفتگو میں مشغول ہوتا تو آپ کو سخت کوفت ہوتی۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے مخلصوں میں
ایک شخص کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ سلسلہ کی کتاب میں سے کچھ پڑھتا ہے اور
خاموشی کے ساتھ بزرگوں کے احوال سنتے رہیں۔ اپنے مخلصوں کو شغلِ باطنی کی اکثر تاکید
کرتے تھے۔

حضرت شیخ محمد کامگار خاںؒ نے جو آپ کے خلفاء میں سے تھے "احسن الشمائل" میں آپ
خصائل، لباس، خوراک، مصاحبت یا جہاد میں آپ کی کیفیتِ سلوک، سوار و پیادہ سفر
مخلصوں اور اجنبیوں کے ساتھ آپ کے حسنِ سلوک کے متعلق لکھا ہے۔ اس وقت ان
صرف چند فوائد اوپر بیان کئے گئے ہیں تاکہ معتقدان آپ کے اخلاق و عادات سیرت
حمیدہ سے آگاہ ہوں۔ یہاں یہ بات بیان کرنا بے محل نہ ہوگی کہ آپ لباس کے معاملہ میں
تکلّف نہیں فرماتے تھے جو میسّر آگیا وہی پہن لیا۔ اکثر سفید رنگ کے کپڑے کو مٹیالا
سا رنگ) کرکے بطور ملبوس استعمال کرتے تھے۔ پیراہن سیلہ[1] کا ہوتا تھا جس کی کل قیمت
تین روپے ہوتی تھی اور جامہ بھی اتنی ہی قیمت کا ہوتا تھا۔ سراویل (شلوار) سرہندی[2]
کا ہوتا تھا جس کی قیمت ڈیڑھ یا دو روپیہ ہوتی تھی۔ اکثر اوقات پیراہن پر پیوند لگے ہوتے
قیمتی کپڑوں سے آپ ہمیشہ گریز کرتے تھے۔

تصانیف

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے ایک کتاب "نظام القلوب" تصنیف فرمائی

---

[1] ہلکی قسم کا موٹا کپڑا۔ [2] سوسی ایک قسم کا کپڑا جو سرہند میں تیار کیا جاتا ہے سوسی کا رواج آجکل ختم ہو
پھر بھی ملتان میں گلبدن اور سوسی کپڑا تیار ہوتا ہے۔

کتاب ۱۳۰۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ یہ تصوف کی ایک اہم کتاب ہے جو ۲۱ فصلوں پر مشتمل ہے۔ آپ کے چند اقوال رسالہ "نظام القلوب" سے اردو زبان میں بیان کئے جاتے ہیں:

- آپ کا قول ہے کہ جب پیر مرید کو کلاہ عطا کرے تو اس راہ میں صادق وہی ہے جو قدر "نافہ" یعنی کلاہ کی قدر کرے۔
- تیرے لئے سارے جہان سے یہ ایک حرف کافی ہے کہ تیرے سینے سے "اسم الٰہی" کے علاوہ کوئی سانس باہر نہ آئے۔
- اگر تو پاس انفاس پر عمل کرے گا تو اس کی بدولت سلطانِ جہاں ہو جائے گا۔
- اگر صبح سے شام تک یہی ذکر کرتا ہے گا تو بفضلِ تعالیٰ تیرا مقصود تجھے حاصل ہو جائیگا۔
- ہر سانس کے ساتھ ذکر میں مشغول رہو تاکہ غیر کا خطرہ دل میں نہ رہے
- فرماتے ہیں! جب تک تم لاالٰہ کی جھاڑو سے اپنا راستہ صاف نہیں کروگے اقلیم الاّ اللہ میں تمہاری رسائی نہیں ہوگی۔
- جب مولیٰ تیری یاد کا موجب ہو تو پھر مجنوں بھی لیلیٰ بن جاتا ہے۔
- ہر سانس جو تم لیتے ہو وہ تمہاری زندگی کا ایک گوہر ہے اور اس کی قیمت دو جہان سے بھی زیادہ ہے۔ اِس بے بہا خزانہ کو رائیگاں نہ جانے دو ورنہ تم قبر میں خالی ہاتھ اور بے نوا ہو کر جاؤ گے۔
- فرماتے ہیں" ذکر جہر کسی وقت بھی منع نہیں بلکہ ہر وقت ماموروماجور ہے۔

وصال اور مزار مبارک

آپ کے وصال کا ذکر گذشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے بقول صاحب مناقب المحبوبین آپ کا وصال ۱۲ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ / مطابق ۲۹ مئی ۱۷۳۰ء بروز منگل کو ہوا[1] رات کو

[1] مناقب المحبوبین ص ۷۴

نماز عشاء کے بعد یا دن کو ظہر کے وقت)۔ آپ کا مزار اورنگ آباد (دکن) میں ہے۔ اورنگ آباد کا پہلا نام دھارانگری تھا پھر دیوگڑھ ہوا سلطان محمد تغلق نے اس کا نام "دولت آباد" رکھا اور اپنا پایۂ تخت بنانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے اس کا نام "اورنگ آباد" رکھا۔ آپ کے قرب میں آپ کے دو خلفاء خواجہ محمد کامگار خاںؒ اور خواجہ محمد نور الدینؒ کا مزار ہے۔ ان کے نزدیک حضرت خواجہ برہان الدینؒ بن خاوند محمدؒ نبیرہ حضرت خواجہ خاوند محمود لاہوری المعروف بہ حضرت ایشاںؒ کا مقبرہ واقع ہے جو زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔ مزار مبارک پر ایک عالی شان گنبد ہے اور اس کے قریب ہی ایک مسجد تعمیر ہے

خلفاء

آپ کے خلفاء بے شمار ہیں چند مشہور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ محمد کامگار خاںؒ۔ خواجہ محمد نور الدین المعروف حضرت بادگارہؒ۔ مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ۔ شیخ محمد یار بیگؒ۔ سید شاہ شریفؒ۔ شیخ محمد جعفرؒ۔ شیخ شیر محمدؒ اور سید کرم علی شاہؒ۔ مگر آپ کے مشہور ترین خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ ہیں جن سے خطۂ پنجاب میں سلسلہ چشتیہ آگے چلا۔

باب چہارم

حضرت شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ سلسلہ طریقت و خرقہ خلافت

یہ امر مخفی نہ رہے کہ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ سلاسل اربعہ نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کے جامع تھے۔ اور ان سلسلوں میں خرقہ خلافت سے سرفراز تھے مگر طریقہ چشتیہ پسندیدہ کی خصوصیت تھی۔ بیعت کے وقت آپ اپنے مریدوں سے استفسار فرما لیتے کہ وہ کس طریقہ میں بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ اگر مرید کسی طریقہ کا نام لیتا تو اس طریقہ میں بیعت فرماتے ورنہ اسے چشتیہ طریقہ میں بیعت فرماتے تھے[1]۔ آپ کے سلاسل اربعہ کے بزرگوں کے نام اور تفصیل بترتیب حسب ذیل ہے:

آپ کا شجرہ طریقت سلسلہ نقشبندیہ میں

حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ مرید حضرت شاہ نظام الدینؒ اورنگ آبادی مرید حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ مرید حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی مرید حضرت سید محترم اللہ نقشبندؒ مرید حضرت خواجہ محمد مسکینؒ المعروف بہ خواجہ لاہوری[2] مرید حضرت خواجہ محمد سنگتیؒ مرید حضرت خواجہ محمد لوہاشم (دہ بیدی) مرید حضرت خواجہ محمد کلاںؒ مرید حضرت مخدوم اعظم احمد کاشانی (دہ بیدی) مرید حضرت خواجہ محمد قاضیؒ مرید حضرت عبید اللہ احرارؒ مرید حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ مرید حضرت خواجہ علاء الدین عطار مرید حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ۔

---

[1] ترجمہ انوار جمالیہ مؤلفہ حافظ عبدالعزیز پٹہاری ص ۱۸، مجموعہ ملفوظات حافظ محمد جمال ملتانی بضمیمہ کتاب آداب الطالبین از محمد عبدالحمید چشتی سلمانی ص ۲۲ تا ۲۴ [2] آپ کا اسم گرامی محمد مسکین لقب خواجہ لاہوری کہ لاہور کے رہنے والے تھے اسی نسبت سے خواجہ لاہوری معروف ہوئے [3] ضمیمہ کتاب آداب الطالبین از محمد عبداللہ چشتی سلمانی ص ۲۳

بحوالہ تکملہ سیر الاولیاء[1] آپ کے سلسلہ طریقت نقشبندیہ کی تفصیل یوں ہے، جس میں خاصا تضاد پایا جاتا ہے: "حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ مرید حضرت شاہ نظام الدینؒ اورنگ آبادی مرید حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ مرید حضرت پیر محترم اللہؒ مرید حضرت خواجہ محمد مسکینؒ مرید حضرت خواجہ محمد ہاشمؒ مرید حضرت خواجہ کلاں دہ بیدی[2] مرید حضرت خواجہ امکنگیؒ مرید حضرت خواجہ محمد قاضیؒ مرید خواجہ عبید اللہ احرارؒ مرید حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ مرید حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندؒ۔"

صاحب تکملہ سیر الاولیاء نے جو آپ کا شجرہ طریقت نقشبندیہ بیان کیا ہے وہ غیر صحیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد مسکینؒ کے پیر و مرشد کا نام حضرت خواجہ محمد سنگیؒ تھا۔ وہ حضرت خواجہ محمد ہاشم (دہ بیدی) کے مرید و خلیفہ تھے۔ درمیان سے حضرت خواجہ سنگیؒ کا واسطہ حذف کر دیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ محمد سنگیؒ، حضرت خواجہ محمد یوہاشمؒ اور حضرت محمد کلاںؒ "دہ بید" سے ہیں اور "دہ بیدی" کہلاتے ہیں۔ اُن کی اولاد امجاد خطۂ کشمیر میں آج بھی آباد ہے۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ اور چشم و چراغ حضرت خواجہ خواجگی مخدوم اعظم احمد کاشانیؒ بن سید جلال الدینؒ دہ بیدی ہیں۔ آپ کاشان (جو توابع فرغانہ سے تھا) میں پیدا ہوئے۔ کاشان سے قریہ "دہ بید" میں تشریف لائے اور اسی مقام پر سکونت اختیار کر لی اور ہمیشہ کے لئے مقیم ہو گئے۔ خواجہ محمد قاضیؒ سے خرقۂ خلافت پایا۔ ۹۴۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔

---

[1] ص ۸۶ [2] یہ لفظ "دہبیری" نہیں بلکہ "دہ بیدی" ہے۔ "قریہ سفید کی" اور قریہ "دہ بید" دو گاؤں ہیں جو ایک دوسرے کے نزدیک آباد ہیں۔ یہ دونوں گاؤں مضافات سمرقند میں ہیں سمرقند سے "دہ بید" کا فاصلہ ایک فرلانگ ہے۔ (حوالہ ابوطاہر سمرقندی سمریہ البرج افشار تہران ۱۹۶۵ء ص ۸۹--۹۰) اس کے علاوہ "مقابلیس المجالس" ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید از مولانا رکن الدین صفحہ ص ۱۶۱ پر یہی لفظ "ہیبیدی" لکھا ہے۔ جو کہ درست نہیں۔ ہے +

حضرت خواجہ محمد خواجگیؒ ایک علیحدہ شخصیت ہیں۔ آپ خواجہ امکنگیؒ کے نام سے معروف
۔ امکنگ یا امکنگ مضافات سمرقند کا ایک قصبہ ہے جو آپ کا مسکن تھا اور اسی نسبت سے
کنگی منسوب ہوئے۔ ۹۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۰۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت
بہ خواجگی مخدوم اعظم احمد کاشانی سے آپ کی کوئی نسبت نہیں۔ حضرت خواجہ محمد خواجگی امکنگیؒ
ت خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند تھے اور ان ہی سے خرقہ خلافت پایا۔ حضرت
اجہ درویش محمدؒ مرید و خلیفہ اپنے ماموں حضرت مولانا زاہد ولی کے تھے۔ وہ مرید و خلیفہ حضرت
اجہ عبیداللہ احرارؒ کے تھے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ مرید و خلیفہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ
کے تھے۔ وہ حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے خرقہ خلافت حضرت
خواجہ بہاء الدین نقشبند سے پایا[1]۔ حاصل بحث یہ ہے کہ حضرت خواجہ محترم اللہ نقشبندؒ
ہ بیدی شاخ سے ہیں۔ آپ امکنگی یا مجددی لڑی سے نہیں۔ آپ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں
آبادیؒ کے پیر و مرشد تھے اور سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ آپ نے اس سلسلہ کو فروغ دیا۔
حضرت سید محترم اللہ نقشبندؒ نے ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۰ء میں وفات پائی۔ آپ کا مزار جی ٹی روڈ
نزد لیبارٹری شعاز و لیبارٹری لاہور میں واقع ہے جو مرجع خلائق ہے۔ روضہ کی دیوار پر ذیل
اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اور "قدس اللہ سرہٗ الاشرف" سے آپ کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے[2]۔

هادی سالکاں راہ نجات — آں سلیماں دل و خرد آصف

قطب حق شاہ محترم ز جہاں — رفت در بزم اولیائے سلف

---

[1] ماخذ حضرات القدس دفتر اول، انوار العارفین ص ۴۰۹، ۴۲۰، جواہر علویہ ص ۷۵، ۷۶، رشحات
عین الحیات، نفحات الانس، خزینۃ الاصفیا (حصہ نقشبند)، زبدۃ المقامات، عمدۃ المقامات، [illegible]
مشائخ نقشبندیہ از علامہ نور بخش توکلی ایم اے۔ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، [illegible]
ابوطاہر سمرقندی سمریہ مزید البریج افشار تہران ۱۹۶۵ء ص ۸۹-۹۰۔

[2] تحقیقات حسینی حال روضہ حضرت محترم اللہؒ

سال تاریخ رحلت جستم — گفت طبع سلیم نیک خلف
پنج پیر چنین زنحل وحق یگو — "قدس اللہ سرہ الاشرف"
۱۱۰۲ھ

سیّد محمد لطیف مصنف "ہسٹری آف لاہور" جو سن ۱۹۸۲ء میں دوبارہ طبع ہوئی لکھتے ہیں کہ مزار مبارک پر درج ذیل کلمات پڑھے جاتے ہیں :

اللھم اغفر لامتہ محمد — اللھم الرحم لامتہ محمد

دروازہ غربی کے اوپر زیر محراب اتنا لکھا ہوا نظر آتا ہے: اللہ - محمد علی عثمان اور باقی حروف مٹ چکے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے: کتبہٗ محمد اکرم۔ علاوہ ازیں افضل الذکر "لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" اور یا اللہ یا اللہ یا محمد یا محمد بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔ حال ہی میں راقم نے حضرت خواجہ محترم اللہ نقشبندؒ کے مزار پر حاضری دی۔ دیوار کی مرمت اور سفیدی کے باعث متذکرہ کلمات اب نہیں پڑھے جاتے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانات کبھی تھے۔ گنبد کے اندر قبر درجہ کے نشان بھی نہیں۔ فرش نما ہموار زمین نظر آتی ہے۔ عقیدت مند محکمہ اوقاف اور محکمہ آثار قدیمہ جو کہ قدیم آثار کی حفاظت کا ذمہ دار ہے سے التماس ہے کہ ان نشانات کو بحال کیا جائے (RESTORE) تاکہ یہ قدیم نشانات محفوظ و مامون ہو جائیں۔

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ نے سن ۱۱۶۰ھ میں دہلی میں رونق افروز ہوتے کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت شیخ اسمٰعیلؒ میر کلوؒ اور خوشحال غلامؒ کی معیت میں پانی پت تشریف لائے۔ یہاں کے مزارات سے مشرف ہو کر لاہور آئے۔ اپنے پیر و مرشد حضرت سیّد محترم اللہ نقشبندؒ کے مزار کی زیارت کی۔ حضرت مخدوم داتا گنج بخش ہجویریؒ کے مزار پر حاضری دی اور فیض یاب ہوئے۔ جملہ مزارات پر حاضری کے علاوہ حضرت میاں میرؒ کے مزار پر خاص طور پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر وہیں سے مراجعت فرمائی۔

آپ کا شجرہ طریقت سلسلہ قادریہ میں

حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ مرید حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ مرید حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ مرید حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ مرید حضرت خواجہ شیخ محمدؒ مرید حضرت شیخ حسن محمدؒ مرید حضرت خواجہ سیّد نور بخشؒ مرید حضرت خواجہ اسحاق جیلانیؒ مرید حضرت خواجہ سیّد علی ہمدانیؒ مرید حضرت شرف الدین محمود یزدقانیؒ مرید حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانیؒ مرید حضرت شیخ نور الدین کبیرؒ مرید حضرت شیخ جمال الدین احمد جورفانیؒ مرید حضرت شیخ رضی الدین علی لالاغزنویؒ مرید حضرت مجد الدینؒ مرید حضرت شیخ نجم الدین کبیر الاولیاءؒ مرید حضرت شیخ عمار یاسرؒ مرید حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین القاہریؒ مرید حضرت غوث الاعظم سیّد محی الدین پیران پیرؒ[1]

اس کے علاوہ تذکرۃ الفقراء، اسرار الواصلین، اور تحائف رشیدی میں آپ کا شجرہ طریقت سلسلہ قادریہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

• حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ مرید حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ مرید حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ مرید حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ مرید۔ حضرت شیخ محمد قطب الدین چشتیؒ مرید حضرت شیخ حسن محمد چشتیؒ مرید حضرت شیخ نور بخش قادریؒ مرید حضرت شیخ محمد علی نور بخش قادریؒ مرید حضرت خواجہ ابو الحسن زلحلانیؒ مرید قطب الاولیاء حضرت شیخ حسن محمدؒ مرید حضرت امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ مرید حضرت شرف الدین محمود مزدقانیؒ مرید حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانیؒ مرید حضرت نور الدین عبد الرحمٰنؒ مرید حضرت جمال الدین احمد ملمنیؒ مرید حضرت شیخ رضی الدین المعروف لعلی لالہؒ مرید حضرت شیخ مجد الدین بغدادیؒ مرید حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء (فارسی) ص ۶۵ مناقب المحبوبین ص ۱۸۴ ماخذ ضخیم کتاب آداب الطالبین تصنیف محمد عبد الحمید چشتی سلیمانی ص ۲۳۔

مرید حضرت شیخ عمار یاسرؒ مرید حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ مرید حضرت غوث الاعظم سیدؒ محی الدین شاہ ابو محمد عبد القادر جیلانی رضؓ

یہ بیان کردہ شجرہ کتاب آداب الطالبین سے نقل کیا گیا ہے تحقیق سے علم ہوتا ہے کہ اس میں چند واسطے حذف ہیں جو کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ تذکرۃ الفقراء کو صوفیاء کے حلقہ میں بہت اہمیت ہے اور اعتماد کا درجہ حاصل ہے۔ ہمارے نزدیک اس شجرہ طریقت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

آپ کا شجرہ طریقت سلسلہ سہروردیہ میں

حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ مرید حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ مرید حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ مرید حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ مرید حضرت خواجہ محمدؒ مرید حضرت خواجہ شیخ حسنؒ مرید حضرت خواجہ شیخ جمال الدین جمن صاحبؒ مرید حضرت شیخ محمود راجن مرید حضرت شیخ قاذنؒ مرید حضرت شیخ قاضی علم الحق والدینؒ مرید حضرت شیخ صدر الدین راجو مرید حضرت شیخ سید جلال الدینؒ مخدوم جہانیاں مرید حضرت شیخ رکن الدینؒ مرید حضرت شیخ عارف صدر الدینؒ مرید حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ مرید حضرت شیخ شہاب الدینؒ مرید حضرت ابو نجیب ضیاء الدین القاہریؒ مرید حضرت شیخ وجیہہ الدینؒ مرید حضرت شیخ محمد سہروردیؒ۔

آپ کا شجرہ طریقت سلسلہ چشتیہ میں

"حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ مرید حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ مرید حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ مرید حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ مرید حضرت شیخ محمد چشتیؒ مرید حضرت شیخ حسن محمدؒ مرید حضرت خواجہ جمال الدین جمنؒ مرید حضرت خواجہ محمود راجنؒ مرید حضرت خواجہ علم الحق والدینؒ مرید حضرت خواجہ سراج الدینؒ مرید حضرت خواجہ کمال الدین علامہؒ مرید حضرت

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رح مرید حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رح مرید حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رح مرید حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رح مرید حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سلطان الہند غریب نواز رح۔[1]

تحقیق سے یہ علم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح اور حضرت حاجی لعل محمد رح جو آپ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔ چاروں سلسلوں میں حضرت مولانا صاحب رح سے خرقۂ خلافت حاصل کئے ہوئے تھے۔ دلّی اور خطۂ پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ و ترویج ان ہی بزرگانِ دین کی پُر خلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ دہلی، پنجاب اور گرد و نواح کے مقامات کی خانقاہوں کے چراغ ان ہی بزرگوں کے توسل سے روشن ہوئے۔ روحانیت کی اس شمع کی بدولت تونسہ شریف، احمد پور، چاچڑاں، مکھڈ، جلال پور اور گولڑہ شریف، مہار شریف، بہاول پور، ملتان کے علاقے ہمیشہ کے لئے مشہور ہو گئے۔ اور ان علاقوں میں آج بھی فیض کے چشمے جاری ہیں۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۹۸ تکملہ سیر الاولیاء (فارسی) ص ۶۵ از خواجہ گل محمد احمد پوری

باب پنجم

حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ کے اخلاق و عادات

آپ کی ذات اوصاف ظاہری اور باطنی کی جامع تھی۔ آپ نہایت خلیق و متواضع تھے۔ آپ ہر آنے والے کی تعظیم و تکریم بلا کسی امتیاز کے کرتے تھے[1] ہر بڑے چھوٹے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ ہر آنے والے کا اسی طرح استقبال کرتے تھے۔ ایثار نفس و قربانی بدرجہ غایت تھی۔ عبادت۔ ریاضت۔ مجاہدہ اور مراقبہ میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔ سخاوت کا حال تھا کہ جو روپیہ اور چیزیں نذر میں آتی تھیں سب کو تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپ اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔

مصیبت و دکھ میں ہر شخص کی مدد فرماتے تھے۔ لوگوں کی خوشی اور غم میں شرکت فرماتے۔ بیمار کی عیادت کو جاتے اور مریدین کو ہدایت کرتے کہ وہ بار بار مزاج پرسی کے لئے جائیں۔ کسی غریب کے ہاں کوئی خوشی یا غمی ہوتی تو کئی کئی بار تشریف لے جاتے اور اس کی دلجوئی کرتے جو لوگ آپ کے پاس روزانہ اور پابندی سے آتے ان کی غیر حاضری سے پریشان ہو جاتے۔ اور ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادوں کو جب بادشاہ کے ملازموں نے حویلی سے علیحدہ کر دیا اور حویلی ضبط کر لی گئی۔ اس وقت حضرت مولانا نے صاحبزادوں کو اپنے پاس جگہ دی اور بہت ہمدردی فرمائی۔ پھر کوشش کر کے شاہ وقت سے ان کی حویلی ان کو اسی طرح واپس دلوا دی۔ شاہ وقت کی توجہ اور احترام سے ان کی وہی سابقہ عظمت قائم رہی[2]

حضرت مولانا اپنی تعریف سے ناخوش ہوتے۔ بلا وجہ ہاتھ جوڑنے، سر جھکانے اور

---

[1] مناقب فخریہ ص ۱۶   [2] مناقب فخریہ ص ۱۶

اس قسم کی ظاہری باتوں اور نمائش سے نفرت تھی۔ اور کوئی شخص پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو منع فرماتے اور ناراض ہوتے تھے۔

مناقب فخریہ کا اصل متن ملاحظہ ہو: "ستائش خود را ناپسندے۔ از دست بستن و گردن خم کردن و ادب ظاہر مریداں و معتقداں بسیار ناخوش شدن"۔[۱]

انکساری کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کا خاکروب میاں پیر محمد دو روز متواتر خانقاہ میں صفائی کے واسطے نہیں آیا اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے آپ خود اس کو دیکھنے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کو روپیہ دیا اور اس سے معذرت کی کہ اس کی خبر گیری میں اتنی دیر ہوئی۔[۲]

آپ فرماتے ہیں کہ بے خودی ایک بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر کرنا ضروری ہے۔ لیکن سالک کو اس پر قناعت نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا اصلی مقصد اور مدارج عالیہ حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھنا چاہیئے۔ جب بے خودی حاصل ہو تو ریاضت و مشاہدہ میں زیادہ مصروف ہونا چاہیئے۔[۳]

جب کوئی شخص ملنے آتا تو نہایت بشاشت اور خندہ روئی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ اکثر "حضرت" یا "صاحب" سے خطاب کرتے تھے۔[۴] رات کو سونے کا ارادہ ہوتا مگر جب تک سب لوگ چلے نہ جاتے برابر جاگتے رہتے۔ سوتے وقت کتاب فوائد الفواد کو سینے یا سر کے نزدیک رکھتے۔ ہر ایک سے خوش ہو کر خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے۔ مریدوں، دوستوں کی غمخواری اور پرورش کرتے۔ جو انتقال کر گیا ہو اس کے لئے رد رو کر اللہ سے رحمت کی دعا مانگتے۔ دنیاوی امور کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کرتے۔ بادشاہ وقت، کبیر امراء، معتقد اور دیگر عقیدت مند آپ کو جاگیر وغیرہ دینا چاہتے

---

[۱] مناقب فخریہ ص ۱۶ (فارسی) [۲] مناقب فخریہ ص ۱۸ (فارسی) [۳] رقعات مرشدی ص ۶۳-۶۴

[۴] مناقب فخریہ ص ۱۶-۱۷ (فارسی)

مگر آپ قبول نہ کرتے تھے بلکہ اس پر آپ یہ فرماتے: "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اس شہر میں نہ رہیں۔ آئندہ سے ایسی بات زبان پر نہ لانا"[1] ظاہری باطنی امور میں، عملی نقطۂ نظر سے ہمیشہ محاسبہ فرماتے کہ بندہ ہونے کی حیثیت سے تم نے اپنے خدا کا کیا حق ادا کیا ہے۔

آپ ہزاروں روپے نذر و نیاز مزارات متبرکہ میں صرف فرماتے۔ خدام بھی صرف کرتے۔ خود حضرت نے کبھی کوئی فاخرہ لباس نہ بنوایا۔ ایک دفعہ خادم خاص نے عرض کیا کہ ملبوس خاص نہیں رہا۔ حضرت نے فرمایا: "دو روپے لے جاؤ اور لباس تیار کرا لو۔ دوستوں نے عرض کیا قیمتی لباس تو کبھی آپ کے جسم مبارک پر نہیں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا: "درویش کو اللہ جو کچھ دے وہی بہتر ہے۔ اپنی ذات کے لئے فضول خرچی زیبا نہیں"[2]

حضرت مولانا نہایت اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے اور آپ کا بیشتر وقت مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ کتابوں کے حاصل کرنے اور جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا۔ آپ کو ایک ایسے قرآن شریف کی تلاش تھی جو ہمیشہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی تلاوت میں رہتا تھا اور انہوں نے تفسیر القرآن تصنیف کر کے اپنے دست مبارک سے حاشیے پر لکھی تھی۔ بازار میں ایک روز دیکھا کہ ایک بڑھیا کلام مجید بغل میں دبائے ہوئے ہے۔ پوچھا "بڑھیا یہ کیا ہے؟" اس نے کہا "قرآن شریف ہدیے کے لئے ہے۔" کھول کر دیکھا کہ وہی حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ والا قرآن شریف ہے۔ اس کو اس کی مرضی کے مطابق ہدیہ دے کر قرآن شریف لے لیا۔

بہ ہر کہ ہر چہ مناسب بود خدا بدہد![3]

یہ نایاب تحفہ آپ کے مدرسہ اور کتب خانہ کی زینت بن گیا جس سے قبلہ حاجی لعل محمد صاحبؒ و دیگر خلفاء اور طلباء فیض یاب ہوئے۔

---

[1] مناقب فخریہ ص ۱۷-۱۸ (فارسی) [2] مناقب فخریہ ص ۱۷-۱۸ [3] مناقب فخریہ ص ۳۵ (فارسی) اردو ترجمہ از میر نذر علی کاکوروی ص ۷۸۔

ہر مجلس میں مولانا نشست و برخاست میں آگے نہ رہتے راستہ چلتے تو مریدوں
اور دوستوں سے سعادت کا برتاؤ فرماتے۔ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کے لئے
پیدل تشریف لے جاتے۔ اگر سواری ہوتی تو کبھی خود بیٹھ جاتے ورنہ دوستوں کو بٹھا دیتے اور
خود پیدل چلتے۔ کسی سے کوئی وعدہ نہ فرماتے اور وعدہ فرمانے کے بعد اس کو ضرور پورا کرتے اور جب
تک وعدہ پورا نہیں ہو جاتا اس کے پورا کرنے کے لئے بے چین رہتے۔

حضرت مولانا ؒ کا توکل پر گزر بسر تھا۔ نذر و نیاز میں کبھی ہزاروں میں آجاتے کبھی کچھ بھی نہیں۔
رخصت ہونے والوں کو ان کی حیثیت و لیاقت کے مطابق عطیہ عنایت فرماتے تھے۔

آپ سے ایک شخص نے مرید ہونے کی درخواست کی تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔ کل حضرت
قطب الاقطاب ؒ کے عرس میں جاؤں گا وہاں تمہاری تمنا پوری ہو جائے گی۔ دوسرے دن حضرت
کاشانہ حضرت قطب الاقطاب ؒ پر حاضر ہوتے اور اس شخص کی تلاش کی۔ اس شخص نے حاضر ہو
کر بیعت کی سعادت حاصل کی۔[1]

حضرت ہمیشہ غریبوں کی دعوت قبول کرتے اور ان کے مکان چاہے کتنے بھی دور ہوتے
اور کھانا کتنا ہی ناپسند اور ہلکا ہوتا کسی کی دل شکنی نہ کرتے۔ تشریف بھی لے جاتے اور کچھ نہ
کچھ تناول بھی فرما لیتے۔

حضرت بیگانوں کو کبھی پند و نصیحت نہ فرماتے البتہ اپنے مخلصوں کو اپنی نصیحتوں سے خوب
نوازتے اور امور دارین کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے۔ اگر آپ کو یہ محسوس ہوتا کہ کوئی آپ کی
نصیحت پر عمل نہیں کرتا تو اسے دوبارہ نصیحت نہیں کرتے تھے۔

کلی اور جزوی امور میں اتباعِ سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بڑا خیال تھا تحریر و تقریر
کے ذریعہ لوگوں کو اس کی تاکید فرماتے۔ سواری کے وقت آپ دستار، جامہ اور دوپٹہ استعمال فرماتے
تھے۔ گھر میں جبہ و کلاہ، سردی میں فرغل اور دوشالہ استعمال فرماتے تھے۔ شروع شروع میں

[1] مناقب فخریہ (فارسی) ص ۱۶-۱۷ اردو ترجمہ از میر نند علی کاکوروی ص ۲۳۱

میں تلوار اور دکنی کٹارہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ کھانے پینے میں پان، نوفل بن قہوہ، دودھ، شربت اور گلاب ونبات (مصری) آپ کو بہت مرغوب تھا۔ کیسا بھی لذیذ کھانا ہوتا درویشوں اور مہمانوں کو اس میں سے حصہ دیتے تھے[۱]۔

جیسا آدمی ہوتا اس سے ویسی ہی گفتگو فرماتے۔ سپاہی سے سپاہ گیری، کیمیاگر سے کیمیاگری کی عالم سے علم کی اور درویشوں سے درویشی کی بات کرتے۔ اور فضول بحث سے احتراز کرتے تھے درویشی کا اظہار اور مسئلہ وحدت الوجود پر گفتگو سخت ناپسند تھی۔ آپ کے دور میں دو فریق وجودی اور شہودی تھے جو ہمیشہ متحارب رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔ اس فضا کو درست کرنے کے لئے کئی کتابیں لکھی گئیں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی دونوں نظریات کی ایک دوسرے سے مطابقت کرنے کی کوشش کی اور بیان کیا کہ دونوں نظریات کے مابین صرف لفظی فرق ہے[۲]۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود ایک ہی مسئلے کے دو نام ہیں ان میں مطابقت ہے اور مخالفت نہیں۔ ان بزرگوں نے بات تو ایک ہی کہی ہے مگر طرز تعبیر مختلف ہے[۳]۔

حضرت شاہ فخر جہاں دہلوی مسئلہ وحدت الوجود کو بھی موضوعِ سخن بنانے کی مخالفت کرتے تھے اور اس مسئلہ کو بیان کرکے درویشی کا اظہار کرنے سے بہت ناخوش ہوتے تھے کیونکہ آپ یہ فرماتے کہ یہ کیفیت حالی ہے نہ کہ قالی "من عرف ربہ فقد کل لسانہ" (یعنی جس نے اپنے رب کو پہچانا اس کی زبان بند ہو گئی)[۴]

"اظہارِ درویشی و گفتگوئے از مسئلہ وحدت وجود سخت و ناخوش طبیعت ما و ارشاد مبارک آں کہ ایں امر حالی است نہ قالی، من عرف ربہ فقد کل لسانہ"

بلند خاں صوبہ دار کشمیر نے مبلغ ایک ہزار روپیہ ارسال کئے اور ایک خط بھی بھیجا۔ یہ روپیہ خانقاہ میں سے کسی نے وصول کرکے استعمال کر لیا۔ آپ کو خبر نہ کی۔ دوسری بار خاں مذکور

۱۔ مناقب فخریہ ص ۱۹ (فارسی) ۲۔ رسالہ "فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود" از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۳۔ بحوالہ التحقیق وحدۃ الوجود والشہود از مولانا شیخ محمد تھانوی شائع کردہ پاک اکیڈمی کراچی ۴۔ مناقب فخریہ ص ۲۲

...خط سے معلوم ہُوا تو فرمایا کہ جو جس کی قسمت میں تھا اس نے استعمال کر لیا۔ اس بارے ...
...رباز پرس نہ کی۔[1]

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کی خوراک بہت کم تھی۔ آپ کی کم خوری بدرجہ ...
...ل تھی۔ یہاں تک کہ پانی بھی بہت کم پیتے تھے۔ مولانا نور محمد مہارویؒ بیان کرتے ہیں کہ ...
...ہا آپ کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہُوا مگر ہر بار یہی دیکھا کہ آپ دسترخوان پر ادھر اُدھر ...
...طرف ہاتھ ڈالتے تھے جیسے کہ ہر طرف ہر چیز کھا رہے ہیں۔ مگر ہر بار ہاتھ آخر ایک جگہ ...
...ر کھتے۔ اِتنا کم کھانے والا بزرگ کم ہی ہوا ہے۔[2]

"کم خوری اوشان بدرجہ کمال بود و مشرب آب ہم بسیار کم بُود و بارہا اتفاق ...
...ناول طعام بخدمت اوشان روبرو دست دادہ ہر بار چنین ملحوظ شدہ کہ حاضرین از ہر ...
...رف مگر فتند و خود بدولت ہر مرتبہ دست مبارک ہمون یک جامی بردند و ایں ...
...ہم فرمودند کہ ایں قدر کم خور شخصے کم خواہد بود۔"

کم خوری یا روزہ سے رہنا یہ چشتیوں کا ضابطِ حیات ہے۔ ان کے پاس فقرا ...
اور مساکین کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ روزانہ مسکینوں اور درویشوں پر ہزاروں
روپے خرچ کرتے تھے مگر خود روزہ سے رہتے تھے۔ جب حضرت خواجہ عثمان ہارونی
قدس سرہٗ نے حضرت شیخ الہند خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو خرقہ خلافت مرحمت کیا تو فرمایا:
کہ فقر، فاقہ، رنج و محنت، شادی و غم کا برابر جاننا، مصیبت پر صبر کرنا، غربا اور فقرا
کے ساتھ محبّت رکھنا، اہلِ دنیا سے بچنا۔[3]

مولانا فخر الدین دہلویؒ قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ، حافظ محمد جمال اللہؒ، قاضی
محمد عاقلؒ اور خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ (رحمہم اللہ علیہم) ان سب کے ہاں دونوں وقت
مسکینوں اور درویشوں کو کھانا ملتا تھا اور خود علماء اور مشائخ کے ساتھ ایک ہی دسترخوان

---

[1] مناقب فخریہ ص ۱۹ (فارسی) [2] مناقب المحبوبین ص ۹۶ [3] دلیل العارفین ص ۶ ۔

پر ما حضر تناول کرتے تھے۔

بیان کرتے ہیں حضرت خواجہ غلام فریدؒ (چاچڑاں شریف) کے مطبخ خانہ میں روزانہ ۱۲½ من آٹا پکتا ہے اور حضرت نے اپنی زندگی میں اسّی لاکھ روپے فقراء اور مساکین میں تقسیم کئے تھے۔ خدام کو ہدایت تھی کہ نذر و نیاز کی قیمتیں صبح کو پیش کی جایا کریں تاکہ ظہر تک تمام رقم صرف ہو جائے اور ہم دامن جھاڑ کر نماز کے لئے مسجد جائیں[1]

مذکورہ بیانات کی روشنی میں ناقدین نے سہروردیوں پر متموّل اور چشتیوں پر تنگ دست ہونے کا جو الزام لگایا ہے وہ کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا حالانکہ چشتی اکابرین "غنی" تھے۔

ایک افغانی آپ کی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔ خدّام نے ہاتھ پکڑ لے۔ آپ نے فرمایا "ہاتھ چھوڑ دو" اور اپنا سر مبارک آگے کر دیا اور فرمایا "ہم حاضر ہیں جو کچھ تمہارے دل میں ہے کرو۔" (ما حاضریم ہر چہ بخاطر شماست بکنید[2]) ۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کے ساتھ آپ کی خانقاہ میں آیا۔ ان کو دیکھ کر آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا "خیریت سے آئے ہیں۔" آپ کے ان الفاظ سے بہت متاثر ہوئے۔ اور معافی کے طلب گار ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اُن کی خطا کو معاف کر دیا۔

جب آپ دہلی تشریف لائے تو ایک بڑھیا آپ کی خدمت کرنے لگی تھی وہ دکن میں آپ کی مرید ہوئی۔ خدمت گاروں میں سے ان سے زیادہ کوئی محرم راز نہ تھا جب وہ مرنے کے قریب ہوئی تو اُس نے اپنے کم سن بیٹے میر کلو کو آپ کے سپرد کیا۔ آپ نے اس کا بے حد خیال رکھا اور بیٹوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ جب وہ بیمار ہوتے تو حضرت مولانا صاحبؒ فرماتے "کیا کروں کہ اس کی ماں بھی نہیں ہے بچوں کی طرح ان

---

[1] ملفوظ حضرت ناز کریم ص ۷، ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید از مولانا رکن الدین (فارسی)

[2] مناقب فخریہ ص ۱۳۰ ۔

پھیلانا پڑتا ہے۔[۱]

حضرت مولانا صاحبؒ کے شاہ غلام سادات چشتیؒ[۲]، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ رفیع الدینؒ شاہ آبادیؒ سے گہرے مراسم تھے۔ جب نجف خاں نے شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کو دہلی سے جلا وطنی کا حکم دیا تو یہ بزرگ مع عورتوں کے شاہدرہ تک پیدل گئے تھے۔ پھر حضرت شاہ فخر جہاںؒ نے شاہدرہ سے ان کی سواری کا بندوبست کیا آپ اس واقعہ سے سخت پریشان ہو گئے۔ آپ اکثر مشکلات میں ان کی مدد فرماتے تھے جب کبھی کوئی مصیبت نازل ہوتی تو ان کو اپنی حویلی میں محفوظ جگہ دیتے تھے۔[۳]

حضرت شاہ فخر جہاںؒ کا دہلی میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ صاحب مناقب فریدی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ALEXANDER - SETOM ریذیڈنٹ دہلی سے شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کا تنازعہ ہو گیا حضرت شاہ فخر جہاںؒ نے درمیان میں پڑ کر صفائی کرائی۔[۴]

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ فخر جہاںؒ کا بہت احترام کرتے تھے۔ جب حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وفات پائی اور شاہ عبدالعزیزؒ مسندِ درس پر بیٹھے تو حضرت شاہ فخر جہاںؒ نے اُن کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی تھی۔ جب پگڑی باندھ چکے تو مولانا آزاد کے والد نے آپ کے کان میں کہا تمہارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے۔ اسے صاف کر دو۔ اس دھبے سے مقصود شاہ صاحبؒ کا مجتہدانہ مسلک اور تقلیدِ مذاہب سے انکار تھا۔[۵] مولانا آزاد

---

[۱] مناقب فخریہ ص ۸۴ [۲] آپ شیخ عبدالواحد عرف نواب بشارت خاں (برادر زادہ حقیقی قطب العارفین حضرت شیخ محمد چشتیؒ) کے صاحبزادے تھے۔ شاہ غلام سادات چشتی خلیفہ حضرت شاہ محمد نصیرؒ وہ حضرت سید محمد چشتیؒ کے اور وہ حضرت شیخ ابراہیم رام پوریؒ کے تھے۔ آپ کی خانقاہ شاہ جہاں آباد متصل درہ گنج میں واقع ہے آپ سلسلہ سادات عظام اور بدہ اعلیٰ خاندان چشت سے تھے [۳] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۳۲ [۴] مناقب فریدی ص ۳۶ (استفادہ)

[۵] نقش آزاد (از غلام رسول مہر، مہر منزل لاہور) ص ۲۱۹۔

کا بیان ہے کہ شاہ عبد العزیزؒ سے جو درخواست کی گئی وہ آپ نے پوری کر دی ۔

نور القلوب[1] کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ کی حضرت شاہ آبادانیؒ سے عموماً ملاقات رہتی تھی۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں جب حضرت شاہ آبادانیؒ تشریف لاتے تھے تو مسجد کے متصل جنوبی رواق میں فروکش ہوتے تھے۔ اور حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ نظامی رواق شمالی میں قیام فرمایا کرتے تھے ۔

دہلی میں جمنا کے کنارے کاغذ گروں کا محلہ تھا۔ وہیں احسان علی شاہ کی سکونت تھی اور وہاں حضرت شاہ آبادانیؒ سیالکوٹی نقشبندی کا کاغذ سازی کا کارخانہ تھا۔ آپ کے خلاف اس زمانے میں ایک محضر نامہ بھی تیار کیا گیا تھا کہ حضرت شاہ آبادانیؒ کاغذ کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کا تصوف اور مشیخت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ؟ اور مشائخ ان کو اپنی محفلوں میں

---

[1] نور القلوب (تالیف ۱۲۲۶ھ) میں حضرت شاہ آبادانیؒ المتوفی ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۲۰ھ کے حالات و ملفوظات ہیں۔ یہ تالیف نواب سید امجد علی خاں لکھنوی کی ہے۔ آپ سید احسان علی شاہؒ کے خلیفہ تھے جو حضرت شاہ آبادانیؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کا سلسلہ بیعت یوں ہے: حضرت شاہ آبادانیؒ مرید میر محمد زکریا رسول نما مرید میر شاہ محمد سندھیؒ مرید شاہ محمد قریشی لاہوریؒ مرید شاہ محمد خاں لودھی مرید میر محمد خاں لودھیؒ مرید شیخ آدم بنوریؒ مرید حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانیؒ۔

حضرت شاہ آبادانیؒ کا وطن سیالکوٹ تھا وہاں کاغذ کا کاروبار کرتے تھے سکھوں کی شورش کے بعد دہلی آ گئے تھے۔ یہاں ہی وفات پائی۔ آپ کا مزار پنچکوئیوں کے سامنے میدان میں جانب غرب شہر کے شمالی کونے پر ہے (مزارات اولیائے دہلی حصہ دوم ص ۳۰) اس کتاب کے دو نسخوں کا پتہ چلا ہے ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن میں ہے دوسرا نسخہ شفیق کتب خانہ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں محفوظ ہے (نمبر فن تصوف فارسی ۳۱۶) ماخذ مقدمہ و تعارف امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (دہلی) مکتبہ برہان اردو بازار دہلی (بھارت) استفادہ ۔

ہماری تحقیق کے مطابق شاہ آبادانیؒ کا شجرہ حسب ذیل ہے : (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ بعض نے اس محضر نامہ پر دستخط بھی کئے لیکن شاہ فخر جہاں دہلویؒ نے محضر نامہ دیکھ کر تبسم کیا اور فرمایا ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکس تُف زند ریشش بسوزد

(ترجمہ: جس چراغ کو خدا نے روشن کیا ہو اُسے جو بھی پھونکوں سے بجھانا چاہے گا اس کی اپنی داڑھی جل جائے گی)

اس محضر نامے کو ضائع کروا دیا۔ آپ نے ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۲۰ھ کو وفات پائی۔ دہلی میں جمنا کے کنارے اپنا مقبرہ اور ایک احاطہ اپنی زندگی ہی میں تعمیر کرا لیا تھا۔ اسی میں بیلو کے درخت کے نیچے مدفون ہوئے۔[1]

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کے دور میں جتنے بادشاہ اور امراء تھے سب آپ کے عقیدت مند تھے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف رکھتے تھے۔ بادشاہ اکثر آستانہ عالیہ پر حاضری دیا کرتے تھے۔ شاہی خاندان اور امراء کے علاوہ فوج میں بھی سینکڑوں سردار حضرت کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ ایک دن بادشاہ آپ کی خدمت میں

(بقیہ ۱۷۶) خواجہ پیر سید بہادر شاہ نقشبندی قادری جن کا اصل وطن موضع سیداں والی تحصیل و ضلع سیالکوٹ ہے۔ اپنی تصنیف "مجمع الاسرار" سن ۱۲۲۹ھ میں اپنا شجرہ یوں بیان کرتے ہیں: خواجہ بہادر شاہ مرید صوفی اللہ یار بیگ مرید شاہ آبادیؒ مرید سید ذکریا رسول نما مرید شاہ محمد سندھی مرید شاہ محمد قریشیؒ عباس لاہوری مرید شاہ محمد خاں لودھیؒ مرید شیخ سعدیؒ مرید شیخ نصیر من الجن متوطن برج قلعہ رہتاس مرید حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ

اس شجرہ میں پیر محمد خاں لودھی مرید شیخ آدم بنوریؒ کا ذکر نہیں۔ اگر چند اور ماخذ مل جائیں تو یہ اُلجھن دور ہو سکتی ہے (ص ۲۴ مجمع الاسرار)

[1] مقدمہ و تعارف "امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق" ص ۴۱۔

حاضر ہوا اور حضرت کو اپنے ساتھ دربار میں لے گیا وہاں آپ کو بحالت مجبوری بادشاہ کے ساتھ کھانا تناول کرنا پڑا۔ بادشاہ سے رخصت ہونے کے بعد حضرتؒ نے اس کا تدارک اس طرح فرمایا کہ فوراً فقراء اور درویشوں کے مکانات پر تشریف لے جاکر ان کے ساتھ کھانا کھایا۔[1]

—— شاہ عالم بادشاہ کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ آپ سے ملاقات کے لئے آیا کرتا۔

ملفوظات فخر الطالبین کے مطالعہ[2] سے علم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ وہابی تحریک سے واقف تھے اور نجدی تحریک کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

(ترجمہ) "اس کے بعد ابن تیمیہؒ کا ذکر آیا فرمایا کہ ان کے عزیز و اقارب نے حرمین شریفین میں آج کل اجتہاد شروع کر دیا ہے۔ یہ دلائل الخیرات کے نسخے جہاں پاتے ہیں جلا ڈالتے ہیں انہوں نے اکثر اپنے عزیزوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم ابن تیمیہ کی پیروی کر رہے ہیں یہ لوگ حنبلی مذہب (مسلک) رکھتے ہیں۔"

فنائیت، انکساری، تواضع، ہمدردی اور اخلاص طریقہ چشتیہ کی اہم خصوصیات ہیں اور یہ خوبیاں اس سلسلہ کے بزرگوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ دہلی کا ایک مشہور قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے زمانے کے تین اکابر بزرگوں کے اخلاق کا امتحان کرنا چاہا اس نے شاہ ولی اللہؒ[3]، مرزا مظہر جان جاناںؒ اور شاہ فخر جہاں دہلویؒ کو کھانے پر مدعو کیا تینوں بزرگ اس کے مکان پر پہنچ گئے میزبان کافی دیر کے بعد آیا اور بیوی کی علالت کا عذر پیش کر کے کہا کہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا دو دو پیسے سب بزرگوں کو نذر پیش کئے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اظہار ناگواری نہ کی دلداری کی مرزا مظہر جان جاناںؒ نے کہا کہ تم نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی کیونکہ آپ بہت نازک مزاج تھے اور شاہ فخر جہاں دہلویؒ نے بڑی تواضع اور انکساری کے ساتھ کھڑے ہو کر وہ نذر قبول کی اور اس شخص کو بار بار فرماتے تھے کہ تمہیں بڑی زحمت ہوئی۔ یہ آپ کے اخلاق کی بلندی اور چشتی نسبت کا اثر تھا جس کے آپ مظہر تھے۔

۱۔ مناقب فخریہ ص ۲۳ ۲۔ فخر الطالبین ص ۷۵-۷۶ ۳۔ مقدمہ رقعات انوار المشتاق الی اشرف الاخلاق از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۲۶ میں شاہ ولی اللہ کی بجائے خواجہ میر درد کا نام لکھا ہے تاریخ مشائخ چشت میں شاہ ولی اللہ کا نام درج ہے۔ (ص ۴۸۵)۔

باب ششم

حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ کے کشف و کرامات
اور
اشاعت دین اسلام

کشف و کرامات

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کے کشف و کرامات اور خوارقِ عادات بے شمار ہیں۔ باوجود اس کے آپ اظہارِ حال سے گریز فرماتے تھے اور کمالات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے پھر بھی رفتہ رفتہ لوگوں کو آپ کے کمالاتِ باطنی اور ریاضاتِ شاقہ کا علم ہو گیا اور عقیدت مندوں کا ہجوم بڑھنا شروع ہو گیا اور آپ سے کرامات کا ظہور ہو جاتا تھا۔ ان میں سے آپ کی چند کرامات بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ قاضی انور ضیاء محمد ساکن سونی پت دق کے مرض میں گرفتار ہو گئے۔ سات ماہ تک یہی حالت رہی۔ آخر زندگی سے مایوس ہو گئے۔ دل میں خیال آیا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے قدموں میں جان نکلے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر مولانا کو ترس آیا۔ آپ نے اس کو لپٹا لیا۔ اس دن سے ان کی حالت درست ہونی شروع ہو گئی حتیٰ کہ ان کو کامل شفا ہو گئی گویا کوئی مرض نہ تھا۔[1]

۲۔ بیان کرتے ہیں کہ اورنگ آباد سے دہلی تشریف لاتے ہوئے راستے میں ایک نابینا بڑھیا آپ کی خدمت میں آئی اور فریاد کی کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس

---

[1] مناقب فخریہ ص ۲۵، خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۵۰۰

بڑھیا کی آنکھوں پر پھیرا۔ اسی وقت اس بڑھیا کی آنکھوں میں روشنی آگئی۔[1]

۳۔ خواجہ محمد کامگار خاںؒ اور خواجہ نور الدینؒ دونوں بھائی تھے اور حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ سے خرقہ خلافت سے سرفراز تھے۔ ایک دن خواجہ محمد کامگار خاںؒ نے مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ حلقۂ ذکر منعقد کریں اور ذکر جہر کرایا کریں۔ آپ مسکرائے اور ان سے فرمایا کہ وہ آپ کے واسطے دعا کریں کہ خداوند تعالیٰ ان کو ان کاموں کی توفیق دے۔ انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ان کو جو دولت و نعمت حاصل ہوئی تھی فوراً سلب ہو گئی۔ اور وہ معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان کو معاف فرمایا اور وہ تمام دولت و نعمت جو سلب ہوئی تھی وہ اور اس کے علاوہ مزید نعمت مرحمت فرمائی۔[2]

۴۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام صوفی یار محمد تھا وہ آستانہ حضرت شیخ المشائخ میں رہتے تھے۔ ایسے بیمار ہوئے کہ زندگی کی امید منقطع ہو گئی۔ ایک روز اس نے اپنے عزیزوں سے کہا کہ اگر مجھ میں قوت چلنے کی ہوتی تو میں حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تندرستی اور صحت کے لئے دعا کرواتا۔ اسی شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرتؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ مرزا یار محمد تم کو چلنے کی قوت نہ تھی میں خود تمہارے پاس آگیا ہوں۔ تسلی رکھو اچھے ہو جاؤ گے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے آپ کو صحیح اور سالم پایا۔

۵۔ بیان کرتے ہیں کہ پیرزادہ شریف کے پیرزادوں میں سے ایک صاحب نے اپنے گھر میں کہا کہ اگر اب کے کسی کام کو دہلی جانا ہوا تو حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں سے بیعت کروں گا یا مولانا صاحب خود یہاں آجائیں تو اور بھی خوب۔ تھوڑی دیر کے بعد گھر سے کسی کام کی غرض سے نکلے تو دیکھا کہ مولانا صاحب تشریف فرما ہیں۔ دیکھتے ہی آپ کی قدمبوسی کی اور بعدہٗ بیعت سے مشرف ہوئے۔

۶۔ صاحب[3] مناقب الفخریہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر میں جو فرزند پیدا ہوتا۔ اس کا نام حضر

---

[1] مناقب فخریہ ص ۹-۱۰ [2] مناقب فخریہ ص ۷-۸ خزانیۃ المحبوبین ۴۶-۴۷ [3] غازی الدین خاں نظام (درگ

رکھتے تھے۔ ایک بار فرزند تولد ہوا۔ میں نے عرض لکھی۔ اس کے جواب میں آپ نے مبارک باد لکھی مگر نام نہ لکھا۔ میں اس وقت سمجھ گیا کہ یہ فرزند جیئے گا نہیں چنانچہ ایک ماہ کے بعد وہ مر گیا۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ انتقال سے دو برس قبل محل سلطانی میں رونق افروز ہوئے۔ چند بیگمات شاہی مرید ہوئیں جن میں بہادر شاہ ظفر کی والدہ بھی تھیں انہوں نے بہادر شاہ ظفر جن کی عمر اس وقت آٹھ برس کی تھی کو حضرت کے پیش کر کے مرید کرایا۔ حضرتؒ نے کچھ پڑھ کر بہادر شاہ پر دم کیا اور اکبر شاہ ثانی سے فرمایا کہ اگر یہ بچہ بادشاہ نہ ہوتا تو میں اس کو لے کر اپنا کر لیتا۔ بادشاہ نے عرض کی اب بھی آپ ہی کا ہے۔ فرمایا یہ خود ہی ہمارا ہو جائے گا۔

اشاعت دین اسلام

آپ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔ جو آپ کی خانقاہ میں آجاتا تھا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جس پر نظر پڑ جاتی وہ شکار ہو جاتا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ پناہ تلاش کرتے خانقاہ میں آتے اور ولی بن کر نکلتے۔ جو تکلیف پہنچانے کی خاطر آتے وہ حلقہ بگوش غلام ہو جاتے۔ آپ کا کشف اور تصرف غایت درجہ بلند تھا۔ دہلی میں ایک بڑھیا نے آپ کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ بڑھیا کے مکان کے قریب ایک بت خانہ تھا۔ شاہ صاحبؒ کے قیام سے بت خانہ کی رونق ختم ہو گئی اور ہندو آپ کی عقیدت کا دم بھرنے لگے۔

رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کی آواز جو آپ نے بلند کی تھی وہ جھونپڑوں سے لے کر محلات تک گونجی۔ آپ نے اتباع شریعت و سنت کی تلقین کی اور ایک تبلیغی جماعت بھی تیار کی مبلغین کو اپنے حلقہ میں رکھ کر پوری طرح تربیت دی پھر اشاعت دین اسلام کے فریضے کی ادائیگی کے لئے مختلف ممالک کو روانہ کیا۔ اور نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں

قائم کرائیں۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ اُمراء اور سلاطین آپ کے عقیدت مند تھے۔ اور آپ کی بیعت سے مشرف تھے۔ شاہ عالم بادشاہ کو آپ سے بیحد عقیدت تھی۔ اور آپ سے ملاقات کے لئے آیا کرتا تھا[1]۔ ان کی بہن خیر النساء بیگم آپ کی مرید تھی۔ اور نواب زینت محل والدہ شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر آپ کے بہت معتقد تھے۔ ان کے علاوہ فوج کے سینکڑوں سردار آپ کے مرید و معتقد تھے۔ مجد الدولہ بہادر اور نواب ضابطہ خاں جو مشہور سرداروں میں سے تھے آپ کے مخلص مرید تھے[2]۔ کئی دیہات نذر کرنے چاہے مگر آپ نے قبول نہ کیا۔

آپ کی تبلیغی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ شجرۃ الانوار میں درج ہے کہ ایک ہندو عورت کھلم کھلا مسلمان ہو گئی تھی اور اس کے بعد دہلی میں بلوہ ہو گیا تھا۔ مداہنی یہاں تک پھیلی تھی کہ آپ نے دہلی چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ خاموش طریقے سے مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔ اور کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ اشاعت دین اسلام جاری رہتی اور غیر مسلم مشرف باسلام ہوتے[3]۔

مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کے خاص مرید سیّد نور الدین حسینی فخری نے اپنے مرشد کے ارشادات کو فارسی زبان میں مرتب کر کے "فخر الطالبین" نام رکھا تھا۔ ان ملفوظات کی بنا پر درج ذیل واقعات قلم بند کئے جاتے ہیں۔

"قدمبوسی کی دولت میسّر ہوئی۔ ایک ہندو کا تذکرہ آیا کہ وہ ہمارے طریقے میں داخل ہو گیا ہے اور پوشیدہ طور پر نماز ادا کرتا ہے ہمارے معتقدوں میں ہے۔"

(دولت مشاہدہ میسّر شد، مذکور ہندوی آمد کہ از مدتے در طریقہ شامل شدہ است و نماز ہم باخفا میگذارد گویا از یاراں است[4]۔)

صاحب فخر الطالبین ایک اور مقام پر ذکر کرتے ہیں: "ایک ہندو جب حضرت شاہ صاحب

---

[1] مناقب فخریہ ص ۳۳ [2] مناقب فخریہ ص ۴۳ [3] شجرۃ الانوار (استفادہ) [4] فخر الطالبین ص ۴۳

...ے پاس آتا تو وہ دروازے بند کرادیا کرتے تھے۔" (فرمودند فلاں ہندو پیش ما مے ...رو درِ دروازہ را بند میکردم۔" [1])

شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات میں بھی ایک ہندو اتم چند کا ذکر آیا ہے کہ وہ مسلمان ہو... مرید نے عرض کیا کہ ایسے آدمی کو مسلمان کہنا چاہیئے۔ فرمایا کہ اگر برادری کے خوف سے ...ہر نہ کرے تو گنہگار بھی نہیں ہے سوا نہ غایت درجہ فاسق اور عاصی کہا جائے۔ وہ شخص ...صت اور تنہائی میں نماز پڑھا کرتا تھا کلام اللہ کی تلاوت اس کا معمول ۔ وحدانیت اور ...سالت کا اقرار کرتا تھا بت پرستی وغیرہ ترک کردی تھی۔[2]

مذکورہ بیانات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس وقت یہ تمام بزرگ تبلیغ و اصلاح کے کام میں مصروف تھے اور غیر مسلم کو بھی مشرف بہ اسلام کرتے تھے۔ یہ خدا کے وہ برگزیدہ بندے تھے جنھوں نے دینِ حق کے پیغام کو دنیا کے تمام ممالک میں نشر کیا اور اس سچے مذہب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان کی نجات کی نوید بہم پہنچائی۔ بزرگانِ چشت کا سلسلہ اِسلام کی اشاعت کے ایک طویل دُور پر محیط ہے۔ اور رشد و ہدایت کی روشنی کا ایسا مینار ہے جس کی شعاعیں تا قیامت لوگوں کے لئے راہنمائی کا فریضہ ادا کرتی رہیں گی۔

---

[1] تحفۃ الطالبین ص ۴۳ [2] ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اردو ترجمہ ص ۵۷ ۔ از مولوی محمد علی لطفی (کراچی)

باب ہفتم

حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ کے چند فرمودات[1]

زیارت قبور کی بابت حدیث شریف

حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ قبور کے متعلق ایک مدلل حدیث شریف ہاتھ آئی ہے۔ فقیر (سید نورالدین حسینی فخری) نے عرض کیا کہ جس کتاب کی یہ حدیث ہے وہ کس کی لکھی ہوئی ہے۔ کہا "جلال الدین سیوطیؒ کی"۔ پھر حدیث شریف پڑھی جس کے یہ معنی ہیں "جب تم قبرستان میں جاؤ تو الحمد اور قل ھو اللّٰہ اور الھاکم التکاثر" پڑھا کرو تاکہ آخرت میں یہ تمہاری شفاعت کریں"۔

مذکورہ حدیث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان آیتوں کا پڑھنا اموات کے لئے بہت ہی مفید ہے اور پڑھنے والے کے لئے یہ فائدہ ہے کہ (خدا کی بارگاہ میں) یہ اس کی سفارش کردیا کرتے ہیں۔ ہر شخص کی سفارش اس کے درجے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جب کسی ولی یا نبی کے مزار پر یہی آیتیں پڑھی جائیں گی تو نہ معلوم اس کا کتنا فائدہ ہوگا۔

جو لوگ زیارتِ قبور پر اعتراض کرتے ہیں یہ ان کا جواب ہے۔ بعض علماء نے ابن تیمیہ کی پیروی میں زیارتِ قبور کے فائدے سے انکار کردیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اگر فائدہ ہے تو صرف مرنے والوں کے لئے ہے[2]۔

زیارتِ قبور میں علماء کا مختلف مسلک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کے

---

[1] ماخذ فخر الطالبین ملفوظات حضرت مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ص ۸۔ ۹) مرتبہ سید نورالدین حسینی فخری

[2] فخر الطالبین ص ۹۔

لئے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ اور آیات قرآنی سے صرف مردے کو فائدہ ہوتا ہے پڑھنے والے کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مولانا فخر جہاںؒ نے جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب سے دوسری حدیث بیان فرمائی جس کے یہ معنی تھے کہ "مرنے والے کے عزیز جب ثواب پہنچاتے ہیں تو اس کے بدلے میں (فاتحہ پڑھنے والے کے لئے) فرشتے ایک طباق لاتے ہیں۔" پس معلوم ہوا کہ ایصال ثواب میں دونوں کے لئے فائدہ ہے[1]۔

ذکر اور محاسبہ

حضرت مولینا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر بھی ہو سکے ذکر کرنا چاہیئے لیکن اتنا نہیں کہ جس کا صحت پر بُرا اثر پڑے۔ محاسبہ بھی ضروری ہے[2]۔

حضور مع اللہ

حضرت مولینا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اصل تمام کی حضور مع اللہ کا حاصل ہونا ہے طریقے مختلف ہیں خواہ یہ ذکر جہر سے ہو یا ذکر خفی سے۔ خواہ فکر سے ہو یا مراقبہ یا مرابطہ سے ہو[3]۔

معاش اور فقر و فاقے کا تذکرہ

حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک دن معاش اور فقر و فاقے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جس دن سے ہم دہلی میں آئے ہیں صرف ایک رات دن یہ کیفیت رہی۔ صبح ہوتے ہی ایک دوست آئے اور کچھ روپیہ بطور نذرانہ پیش کرتے ہوئے کہا "حضرت عباس ابن علیؓ کی نذر ہے

---

[1] فخر الطالبین ص ۱۰ [2] رفعات مرقدی ص ۶۴-۶۵

[3] رفعات مرشدی ص ۵۰

جو آپ کے لئے لایا ہوں۔ حضرت سیدنا علیؓ کی توجہ سے ہمیں معاش کی فکر سے نجات ہوئی[1]

حسنِ اعتقاد

حضرت مولیناؒ فرماتے تھے " جو انسان حسن اعتقاد اور حسن خیال کا ہوتا ہے وہ اُسی خیال اور اُسی اعتقاد والے انسان سے ملتا ہے۔ بعض ہم کو عالم خیال، بعض صوفی بعض کیمیاگر خیال کرتے ہیں اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ان کا اخلاق بڑھا ہوا ہے۔ اس وجہ سے لوگ ان کے زیادہ معتقد ہیں اور بعض لوگ عامل جان کر عمل پوچھا کرتے ہیں میں بھی ہر ایک کے اعتقاد کے موافق ہر ایک کو جواب دے دیا کرتا ہوں "[2]

خیر و شر کے بیان میں

دولت مشاہدہ میسر ہوئی فقیر (نور الدین فخری مؤلف) کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ان دنوں مشغولی بھی کرتا تھا۔ کشف بھی ہوا۔ حضرت مولانا صاحبؒ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا! "انسان کو چاہیئے کہ بھلائی برائی جو کچھ پیش آئے سب کو خدا کی طرف سمجھے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو تمام مومنوں کا عقیدہ ہے جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ فرمایا " ہے تو یہی (کہ مست خود ہمیں عقیدہ) مگر اس خیال کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا بہت مشکل ہے "[3]

روزی کی تلاش

حضرت مولانا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ روزی کی تلاش اس طرح کرنی چاہیئے کہ جیسے چیتا شکار کے پیچھے کودتا پھرتا ہے۔ اگر شکار ہاتھ آجائے تو بہتر ہے ورنہ زیادہ کوشش

---

[1] فخر الطالبین ص ۴۶ [2] فخر الطالبین ص ۷ [3] فخر الطالبین ص ۶۷۔

کرے۔ غرض تلاش روزگار کرنی چاہیئے[1]

اسم اعظم کے بارے

ایک مرتبہ مجلس میں حضرت مولانا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا "اسم اعظم سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے جتنے نام ہیں ان سب کی تاثیریں پڑھنے والے کے لئے وقف ہو جائیں اور وہ ان کی جامعیت کا مظہر ہو جائے" سب نے یہ بات توجہ سے سنی اور عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب اسم اعظم جانتے ہیں اور اس طرح عمل کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ بعض لوگ یا حی یا قیوم کو اسم اعظم کہتے ہیں اور بعض لفظ "اللہ" کو اور بعض لفظ "یا ہو"

میں نے ان سب ناموں کو زکوٰۃ دے کر پڑھا ہے اور اس میں بہت محنت کی ہے۔ جو لوگ ایک گھڑی رات گذرنے پر بیدار ہو کر مجھ کو اپنی محنت دکھاتے ہیں۔ میری نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ میں نے اس میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے اس مرتبہ رمضان کا مہینہ پورا اسی میں گذرا کہ روزہ رکھتا تھا اور تمام رات نہیں سوتا تھا۔ حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخؒ نے لکھا ہے کہ دنیا کا ترک کر دینا ہی اسم اعظم ہے۔ جیسے ہی دل میں دنیا ترک کر دینے کا ارادہ سمایا اور اس نے عملی جامہ پہن لیا پھر انسان جو کچھ چاہے ہو جائے گا۔ اور اگر یہ چیز دل سے نہیں ہے تو کسی اسم کا اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یہ نمک کی طرح ہے کہ کھانے میں اگر ہزار مصالحے ہوں مگر نمک نہ ہو تو اس میں کوئی لذت نہیں ہوتی۔ اگر کھانے میں صرف نمک ہی ہے تو بھی کھانا ایک طرح پر لذیذ ہو جاتا ہے[2]۔

---

[1] فخر الطالبین ص ۲۲ [2] فخر الطالبین ص ۷۵

حضورؐ کا نقش قدم

حدیث شریف میں ذکر آیا ہے کہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی ضرورت سے پتھر بمہ پتھر مارا نقش پڑ گیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ اس طرح معجزے کا ثبوت مل گیا (یعنی اسی طرح پتھر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کا نشان بھی پڑ گیا ہوگا۔) حضور صلوٰۃ اللہ علیہ والسلام کے نقش قدم کے پتھر اکثر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اگر دیگر صاحب علم وادب اس کی صحت میں حجت کریں تو اس حدیث سے اس کو مدلل کر لینا چاہیئے۔[1]

یہاں یہ بیان بے محل نہ ہوگا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض وقت جب ننگے پاؤں چلتے تھے تو پتھر آپ کے مبارک قدموں کے نیچے نرم ہو جاتے تھے۔ اور ان میں قدم کا نشان پڑ جاتا تھا۔ یہ پتھر تبرکاً محفوظ چلے آتے تھے اور اب بھی محفوظ ہیں بیت المقدس اور مصر کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں۔[2]

محدثین اس کے قائل نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی پتھر پر قدم رکھا تھا اور اس پر آپ کا نشان پائے مبارک نمودار ہو گیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی مجلس میں آپ کے برادر مولانا شاہ رفیع الدین محدثؒ نے بغداد کے ایک عالم شاہ عبداللہ سے دریافت کیا کہ آپ کا قدم شریف کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو فرمایا کہ مجھے بغداد کے خلیفہ سے اس کا حال معلوم ہوا۔ اس نے ایک کتاب مجھے دکھلائی تھی جس میں لکھا تھا کہ فلاں سن میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ آثار قدم مبارک ہندوستان لے گئے۔ شاہ جہان نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے پوچھا کہ قدم شریف کی آپ کے پاس

---

[1] فخر الطالبین ص ۵۸ [2] ماخذ شفائے قاضی عیاض و شرح شفا از شہاب خفاجی (مطبوعہ استنبول) حجۃ اللہ العالمین ص ۵۲ ہم۔ کتاب سبل الہدیٰ ص ۱۳۸

کوئی سند ہے تو فرمایا۔ "عاشق را محض نام ونشان سند باشد داین فعل ولی حق تعالیٰ است۔ اعنی مخدوم جہانیاں جہاں گشت بے سند نیست"۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، دوسرے اور بھی صحابہ رضی کے ساتھ جنگ میں مصروف تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ اس جنگ میں بعض مسلمان شہید ہوئے۔ بالآخر کفار کو شکست ہوئی۔ قلعہ میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ مسلمان دوڑ کر قلعہ میں چلے گئے۔ سردار کفار نے یہ حجت پیش کی کہ اگر پتھر پر قدم مبارک منقش ہو جائے تو ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور قدم مبارک پتھر پر رکھے۔ تو پتھر پر نشان اتر آیا۔ اس سے متاثر ہو کر بہت سے کفار مسلمان ہوئے۔ راست پیر کا نشان تو خلیفہ بغداد نے رکھ لیا اور قدم چپ کا نشان آپ کے حوالہ کیا گیا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے آپ کو قدم مبارک لانے کے لئے ایک کروڑ ۱۳ لاکھ تنکہ نذر دیا اور آپ قدم شریف بڑے اہتمام کے ساتھ دہلی لائے۔ نہایت شاندار خیر مقدم ہوا تھا۔ قدم شریف کی آمد کی تاریخ یوں بیان کرتے ہیں:

"گشتیم سرفراز چو پا یک قدم شریف
تاریخ ہم برآمدہ" "پا یک قدم شریف"
۷۶۷ھ

قدم شریف کے حالات، دہلی میں آمد اور سنہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ایک مرید مسمی احمد برنی نے "سیر نامہ" کے نام سے لکھے ہیں جو سلطان بہادر شاہ دہلی (۱۱۱۸ھ / ۱۱۲۲ھ) کے زمانے میں مرزا جہاندار شاہ بہادر دہلی عہد کے ایما سے مرتب کی گئی علاوہ ازیں صاحب سیر المنازل بیان کرتے ہیں کہ سلطان فیروز شاہ اکابر واشراف کے ہمراہ دس کوس کے فاصلے تک خیر مقدم کے لئے آیا اور قدم مبارک کو اپنے سر پر رکھ کر واپس لوٹا جب پیدل چلتے چلتے وہ عاجز ہو گیا تو اس کے غلاموں نے جو اس کے ساتھ تھے قدم مبارک کو پالکی پر سوار کیا۔ انہوں نے قدم شریف کو اپنے سامنے ایک رحل پر رکھا اور اسے "دار الصفا" لے آئے

جو فیروز آباد کے نام سے مشہور ہے۔ بادشاہ نے شکرانے کے طور پر بہت سا روپیہ فقراء میں تقسیم کیا اور مسکینوں کے لئے وظائف مقرر کئے۔ متعدد ختم قرآن اور صلوٰۃ کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مطہر کے لئے پہنچوایا۔ اور وصیت کی کہ میری وفات کے بعد قدم مبارک کو میرے سینے پر رکھ دیں۔ سلطان فیروز اپنے بیٹے فتح خاں سے بہت پیار کرتا تھا۔ اس سے کہا کہ تم خزانے میں جاؤ اور جو کچھ تمہیں پسند آئے وہ لے آؤ۔ اتفاق سے قدم شریف کے نور نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ قدم شریف کو سر پر رکھا اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تقدیر سے شہزادہ فتح خاں ۱۲ صفر ۷۷۶ھ/ ۵-۷-۴-۱۳۷۶ء کو فوت ہو گیا۔ قدم مبارک و دیگر تبرکات جو بادشاہ کے پاس تھے۔ اس کے سینے پر رکھ دیا گیا۔ اس کی قبر کے ساتھ ایک عظیم الشان مدرسہ اور ایک وسیع کنواں بنوایا۔ قدم شریف کی درگاہ دہلی معہ چند قطعات اراضی وقف کے، اس وقف نامے پر علمائے عظام، مشائخ کرام، قضاتِ اسلام اور دہلی کے دیگر امراء اور رؤساء کی مہریں ثبت ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے دستخط کی زیارت بھی اس وقف نامہ پر ایک علیحدہ جگہ پر کی جا سکتی ہے۔ خود سلطان فیروز نے بھی اس پر اپنے دستخط کئے[1]۔

شغل

ایک دن حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا "پہلے ہم بھی شغل میں محنت کیا کرتے

---

[1] ماخذ تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت از سخاوت مرزا حیدر آباد (دکن) مجموعہ ملفوظ جلال الدین بخاری الموسوم بہ "سیر نامہ" مؤلف احمد برنی (قلمی) کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد سنٹرل لائبریری مکتوبہ حسب الحکم شہزادہ مرزا محمد حسین بخت بہادر مخطوطہ ص ۵۵۱ (استفادہ) دیگر ماخذ "سیر المنازل" از مرزا سنگین بیگ مرتب ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، آپ حاشیہ میں درج کرتے ہیں کہ احمد برنی کی شخصیت کا تعین نہیں ہو سکا۔ یہ وہ شخص ہے جو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات "سراج الہدایہ" کا مرتب ہے ص ۱۰۲۔ راقم بیان کرتا ہے معاصر تاریخوں میں مذکورہ قدم مبارک کے دہلی لائے جانے کا ذکر نہیں ملتا۔

تھے اور اب ایک شغل بھی نہیں ہوتا ۔ صرف دید باقی رہ گئی ہے۔" اس کے بعد فرمایا "ہر خاندان کے اذکار و اشغال جدا جدا ہیں۔" حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چشتیہ طریقے کے اشغال کو علیحدہ کر کے ایک کتاب لکھ دوں ۔ پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارے پیروں میں کسی نے اس کو جدا نہیں کیا ہے پھر میں کیوں کروں ۔"

راضی بہ رضا الٰہی

ایک دن صبح کی نماز سے پہلے حضرت مولانا صاحبؒ کھڑے ہوئے تھے ارشاد فرمایا "ہمارے پاس درد کی تکلیف دور کرنے کے لئے بہت اچھا عمل ہے جس قسم کا درد ہو دور ہو جاتا ہے سوا اس کے اس مرض میں اس کی زندگی ختم ہونے والی ہو۔" پھر ایک عقیدت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "شاید تمہارے دل میں یہ بات ہو گی کہ اگر ہمارے پاس ایسا عمل ہے تو پھر اپنے پیروں کے درد کی شکایت کیوں کرتے ہیں ۔" مولانا صاحبؒ نے فرمایا "اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم خدا کی دی ہوئی تکلیف پر راضی رہتے ہیں۔"

اعمال نیک

ایک مرتبہ حضرت مولانا صاحبؒ حضرت سلطان المشائخ کے آستانہ مبارک میں نیم کے درخت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک عقیدت مند نے حضرت مولانا صاحب سے اس مقام پر کھڑے رہنے کی وجہ دریافت کی تو حضرت مولانا صاحبؒ نے اس مقام پر کھڑے رہنے کے بارے ارشاد فرمایا۔ "یہاں کی حاضری سے اس کے سوا ہمارا کچھ مطلب نہیں ہے ہم چند گھڑیاں یہاں گزر جائیں اور نامۂ اعمال میں لکھی جائیں کہ فلاں وقت فلاں جگہ یہ وقت گزرا ہے ۔"

باب ہشتم

حضرت شاہ فخر جہاں دہلویؒ کی وفات اور مزار اقدس

وفات

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ آپ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے اور حضرت مولانا صاحبؒ کی جو عنایت بے غایت اور الطافِ بے قیاس آپ پر تھی، فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا صاحبؒ برسوں سے عارضۂ نقرس یعنی وجع المفاصل میں (جوڑوں کے درد) مبتلا تھے لیکن کسی کو بھی ان کی تکلیف کی خبر نہ تھی۔ ایک دن خود بخود مجھے فرمایا کہ "مدت گزری ہے مجھے نقرس کا درد رہتا ہے" اور زانو مبارک دکھایا کہ یہاں درد رہتا ہے۔ بندہ نے عرض کی کہ یہاں بہت سے حکیم موجود ہیں بہتر ہے کہ علاج فرماویں۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمیں یہ درد موروثی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ اور حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ بھی اسی درد سے بیمار رہتے تھے۔ اس موروثی مرض کا کیا علاج![1]۔ جب نقرس اور وجع المفاصل کے مرض کا انتہائی غلبہ ہو گیا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء کو وصال فرمایا۔ "خورشید دو جہانی" آپ کی رحلت کی تاریخ ہے مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۷۲[2] سال تھی۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہجری سن کے مطابق آپ جناب باری تعالیٰ کے ۹۹ نام کے مظہر تھے۔ اور ۷۲ سال کی عمر

---

[1] ماخذ خلاصۃ الفوائد: ملفوظات خواجہ نور محمد مہاروی تحریر حکیم محمد عمر گلشن ابرار مولفہ خواجہ امام بخش ص ۱۰۷۔ [2] تکملہ سیر الاولیاء تاریخ مشائخ چشت بحوالہ شجرۃ الانوار میں آپ کی عمر تہتر (۷۳) سال لکھی ہوتی ہے۔

لحاظ سے ۲۷ مسلکوں کے ہادی تھے۔ اسی لئے آپ نے اس زمانے میں اجازتِ ارشاد عام
دی تھی اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ سنت کی اتباع اور کتاب پر عمل ضروری ہے۔
آپ نے وصیت کی تھی کہ انتقال کے بعد جنازہ میڈھو خاں کے سپرد کر دیا جائے۔
ڈھو خاں آپ کے عزیز مرید تھے اور پہاڑ گنج دہلی میں رہتے تھے۔ حاجی محمد امین مرید
حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آپ کو غسل دیا۔ آپ کو دہلی مہر ولی عقب مسجد، متصل
دروازہ چار دیواری نزد مرقد مبارک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سپردِ خاک کیا
عقیدت مندوں کا ایک ہجوم آپ کے جنازے کے ساتھ تھا۔ ان کے علاوہ امراء و سلاطین
ہمراہ جنازے تھے۔ زار و قطار روتے ہوئے قبرستان پہنچے اور سپرد خاک کیا۔ آپ کی
تاریخ وصال "محب نبی ہادی فخر الدین" سے برآمد ہوتی ہے۔
آپ نے مقرب خادموں کے التماس پر بھی مدرسہ اجمیری گیٹ کی جانشینی کے متعلق کچھ
ارشاد یا وصیت نہیں فرمائی مگر [۱] سید احمد صاحبؒ، غلام فرید چشتیؒ، حاجی لعل محمدؒ اور میر محمدیؒ
اس مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ میر محمدی صاحبؒ جو حضرت مولانا صاحبؒ
کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ شاہ ولایت قلعہ معلی بنائے گئے تھے۔ اور حضرت مولانا صاحبؒ
کے شاہی خاندان کے جو افراد بیعت تھے ان کی تعلیم و تربیت ان ہی کے سپرد تھی۔ صاحب
مناقب المحبوبین بیان کرتے ہیں: [۲]

" در مدرسہ حضرت مولانا از خلفاء ایشاں بعد از سید احمد صاحبؒ و غلام فرید چشتیؒ و
ایشاں حاجی لعل محمد صاحبؒ کہ ایں ہم از خلفائے حضرت مولاناؒ بود ید خلق خدا
می رسانیدند و در لعل قلعہ میر محمدی [۳] صاحب بودند کہ فیض خاندان مولانا صاحب
منتشر کردہ بودند . . . "

۱۔ مناقب فخریہ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۶۹ (فارسی) ۳۔ آپ کا اصل نام عماد الدین تھا
میر محمدی کے نام سے مشہور رہیں۔ ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء میں وفات پائی۔

آج کل یہ دینی مدرسہ اسلامیہ ہائی سکول اجمیری گیٹ (دہلی) کے نام سے جاری ہے اور طلباء کو میٹرک (دسویں جماعت) تک تعلیم دی جاتی ہے

مزار اقدس

آپ کا مزار مبارک پرانی دہلی (مہرولی) میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خانقاہ میں مسجد کے قریب واقع ہے۔ مہرولی کے بس سٹینڈ کے قریب سے پوسٹ آفس والی گلی درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کو جاتی ہے۔ اس گلی سے پھر ایک اور گلی نکلتی ہے جس کے دائیں طرف حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی درگاہ کی دیوار ہے اور بائیں جانب مسجد ہے۔ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ میں دروازہ اندرونی حجرے کے قریب ایک اونچی جگہ پہ سنگِ مرمر کے جالی دار چھوٹے سے کمرے میں دفن ہیں۔ تعویذ اور کٹہرا آپ کا سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ عقب میں مسجد ہے اور آپ کی پائنتی جانب سے مسجد کو اور باولی کو راستہ جاتا ہے۔ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کے مزار کے سرہانے کا کتبہ یہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ

بگذاشت فخر دیں چوں مہماں سرائے فانی

بر آستانہ جا داد آں قطب جاودانی

سال وصال آں ماہ از غیب جستم

تاریخ گفت "ہاتف خورشید دو جہانی"

۱۱۹۹ھ / ۸۵/۱۷۸۴ء

مولانا فخر الدینؒ کی قبر کے پائیوں واقع جواہر خاں کی قبر ہے۔ تذکرہ نویسوں کا بیان

ؔ سیر المنازل از مرزا سنگین بیگ مرتبہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی (بھارت)

ہے کہ جب آپ کا جسدِ خاکی حسبِ وصیت اس جگہ پر دفن کرنا چاہا تو کسی کو گمان نہ تھا
کہ قبر کی جگہ پوری ہو جائے گی لیکن اللہ کی قدرت کہ آپ کی قبر کے علاوہ آپ کے چھوٹے
صاحبزادے کے مزار کے لئے بھی وہاں جگہ نکل آئی۔ کچھ پھر بھی بچ گئی جہاں بہادر شاہ
ظفر دفن ہونا چاہتے تھے مگر سرکار انگریز نے آپ کی یہ آرزو پوری نہ ہونے دی[1]

ع "دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں"

بہادر شاہ ظفر کو حضرت مولانا صاحبؒ کے آستانہ سے اس قدر وابستگی تھی کہ
اکثر وہاں قیام کیا کرتے تھے۔ آستانہ کی طرف کبھی پشت نہ کرتے تھے۔ جب بھی حضرت کا
ذکر آتا رونے لگتے۔ جلاوطنی کے دوران رنگون سے انگریز گورنر جنرل کو ایک درخواست لکھی
"میں کچھ نہیں چاہتا۔ جلاوطنی کی پنشن اور سامان رسد جو ملتا ہے وہ بھی موقوف کر دیا جائے
لیکن صرف "مہر دلی" میں واقع درگاہ فخر الدینؒ میں رہنے کی اجازت دے دی جائے کہ وہاں
میرے پیر کا مزار مبارک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو دن زندگی کے باقی ہیں۔ اس مزار کی
جاروب کشی میں گزاردوں اور مرشد کے قدموں میں دفن ہوں"۔ مگر آپ کی یہ تمنّا پوری نہ ہو سکی[2]

عرس مبارک

۲۷ جمادی الثانی جو آپ کی تاریخ وفات ہے۔ وہی آپ کے سالانہ عرس کی
تاریخ ہے۔ عقیدت مند آپ کا عرس بڑے جوش و خروش اور روایتی دھوم دھام کے
ساتھ مناتے ہیں سینکڑوں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں اور خاصی رونق ہو جاتی ہے۔
روضہ مبارکہ پہ ایک ہجوم نظر آتا ہے جس میں شہر اور گرد و نواح کے سائل ٹوٹے ہوئے
دل لے کر آتے ہیں اور مرادوں سے بھری ہوئی جھولیوں کے ساتھ واپس جاتے ہیں۔

---

[1] تذکرہ اولیائے ہند ص ۳۵۰ از مرزا احمد اختر دہلوی

[2] تذکرہ اولیائے ہند ص ۳۵۱ از مرزا احمد اختر دہلوی

غرضیکہ عرس کے موقع پر مجالس ذکر و سماع ہوتی ہے۔ آپ کی سوانح، کردار، حسنِ اخلاق اور تعلیمات احوال و اقوال سے عوام کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ آپ کا یوم منانا دراصل آپ کے مشن کو زندہ رکھنا ہے۔

تقریباً دو سو برس گزر جانے کے باوجود اس آفتاب رشد و ہدایت کی دلآویز شعاعیں آج بھی روزِ روشن کی طرح تاباں ہیں جس سے ساری بستی چمک رہی ہے۔ زمانہ کی تند و تیز ہوائیں ان مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی فروزاں شمعوں کو بجھا نہ سکیں۔

بابِ نہم

حضرت شاہ فخرِ جہاںؒ دہلوی کی اولاد امجاد
اور
درگاہِ عالیہ کی تولیت

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ نے ایک بیماری کے ازالہ کے واسطے حکیموں کا مشورہ قبول فرما کر اورنگ آباد میں شادی کی۔ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ آپ نے ان کا نام غلام قطب الدین رکھا[1]۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت غلام قطب الدینؒ مہار شریف میں حضرت مہارویؒ (خواجہ نور محمد) کی خدمت میں آئے اور آپ سے خلافت و اجازت حاصل کی[2]۔ خواجہ نور محمد مہارویؒ کو حضرت مولانا صاحبؒ سے جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ آپؒ نے حضرت صاحبزادہؒ کے سپرد کر دیا تھا اور اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا[3]۔

حضرت غلام قطب الدینؒ

آپ دکن میں پیدا ہوئے۔ میاں غلام معین الدینؒ۔ میاں غلام کلیم اللہؒ۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے بھائی اور مرید تھے۔ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ بھی آپ کی مرید تھیں۔ آپ کو اپنی ہمشیرہ سے بہت محبت تھی۔ ان کو "آپا" کہا کرتے تھے۔ ہمشیرہ بھی اپنے بھائی سے محبت و شفقت فرماتی تھیں[4]۔

---

[1] [2] [3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۰ [4] فخر الطالبین ص ۵۵

دونوں بھائی اور بہن اورنگ آباد میں رہتے تھے۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ دہلی تشریف لائے تو اپنے اکلوتے فرزند کو اپنی بہن کے سپرد کردیا۔ وہ ان کی پرورش کرتی اور آپ خود تبلیغی خدمات انجام دینے میں مصروف رہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ سجادہ نشین خانقاہ ہوئے۔ تقدس اور زہد کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ آپ باپ کی طرح متواضع، عاقل، خوش صورت اور خوش سیرت، خنداں رُو، دلکش نگاہ، نرم و خوش سخن، جاذب القلوب، غم خوار، ہمہ داں و ہمہ بیں صادق القول، قانع و متوکّل، بامروت، باوفا، دِل جُو اور سراپا انکسار تھے۔ بادشاہ محمد اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفر آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ سر سیّد احمد خاں لکھتے ہیں[1]:

"حضرت موصوف کے فرزندِ ارجمند ہیں اور حضرت کی وفات کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن رہے آپ کی تعریف و توصیف لکھنے کی کچھ حاجت نہیں، یہ ہی کافی ہے کہ ایسے چمن کے نونہال اور ایسے نونہال کے ثمر تھے": ؎

اصل و فرعی را کہ بینی یک ماہ راند
آفتاب و پرتوش از ہم جدا نتواں گرفت

سترھویں محرم الحرام ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء میں[2] وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قرب میں ہے۔

میاں نصیر الدین عرف کالے صاحبؒ

حضرت غلام قطب الدین صاحبؒ کے بھی ایک ہی فرزند تھا۔ ان کا اسم گرامی میاں

---

[1] مقالات سر سیّد مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی ص ۲۳۵ ماخذ آثار الصنادید (باب چہارم در تذکرہ اہل دہلی) [2] واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ ص ۷۰۳ اور آثار الصنادید میں آپ کا سن وصال ۱۲۰۰ھ درج ہے۔ مزارات اولیائے دہلی میں ۱۲۳۹ھ درج ہے تذکرۃ الفقراء اور مناقب فریدی میں ۸ محرم ۱۲۳۲ھ درج ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی مناقب فریدی (ص ۲۵) کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔

نصیر الدین تھا اور "کالے میاں" یا "کالے صاحب" کے مبارک نام سے معروفِ زمانہ تھے۔ دِلی میں خواص و عوام سب آپ کا ادب و احترام کرتے تھے۔ دہلی کا ہر شخص امیر و غریب، چھوٹا اور بڑا آپ سے محبت کرتا اور ان کی ملاقات کو باعثِ برکت تصوّر کرتا۔ مرزا غالب کو آپ سے خاص لگاؤ اور اُنس تھا۔ بیان کرتے ہیں:

"مَیں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں۔ بلی ماروں کے محلے میں ایک حویلی کرائے کو لے کر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا صرف کالے صاحب کی محبت میں رہتا تھا۔"[1]

سرسیّد احمد لکھتے ہیں[2]:

"محامد آپ کے حیطۂ تحریر اور حیطۂ تقریر سے باہر ہیں۔ اخلاق اس وسعت سے ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ مسکینی اس درجہ پر ہے کہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اوقات آپ کے بہت خوب اور حرکات آپ کے نہایت محبوب۔ ہر دم و ہر لحظہ ذکر و ظیفہ سے خالی نہیں رہتے۔ بات کرنی بھی آپ کو گویا مشکل ہوتی ہے۔ جب کوئی کچھ پوچھے اُس کا جواب لاچار دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اُس وقت ظاہر میں زبان شغل سے باز رہتی ہے لیکن دل اسی طرح مشغولِ حق رہتا ہے۔ اِس زمانہ میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے۔ حضور والا اور تمام سلاطین اور جمیع اُمراء عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں۔ جس مجلس میں آپ تشریف لاتے ہیں ہر شخص بے اختیار دوڑتا ہے اور قدموں پر گرتا ہے اور اپنی سعادتِ ابدی سمجھتا ہے۔"

حضرت کالے صاحبؒ نے سفر بھی اختیار کیا اور زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور پاک پٹن تشریف لے گئے۔ پھر واپس آ کر سنگھر شریف میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ (غوثِ زمان) کی خدمت میں رہنے لگے۔ آپ نے بہت توجہ فرمائی۔ خود میاں کالے صاحبؒ کے

---

[1] اردوئے معلی حصہ دوم ص ۱۷ [2] مقالات سرسیّد مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی ص ۲۲۵۔ ۲۳۶ (ماخذ آثار الصنادید باب چہارم در تذکرہ اہل دہلی)

ڈیرہ تشریف لے جاتے تھے۔ اس وقت اپنے ماضی کے حالات اور اپنے اسرار میاں کالے صاحبؒ کے سامنے بیان کرتے تھے۔[1] چند مدت آپ نے وہاں تشریف رکھی اور جو کچھ فیض اور برکات اپنے دادا صاحبؒ کے تھے ان کو پھر تجدید کیا۔ خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ رخصت ہو کر دہلی میں تشریف لائے۔ اپنے دادا کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ غدر میں میاں کالے صاحبؒ کی املاک ضبط ہو گئی۔

میاں کالے صاحبؒ سے منقول ہے کہ حضرت غوثِ زمانؒ فرماتے تھے "میں حضرت مولانا صاحبؒ کے مزار مبارک پر معتکف تھا۔ ایک رات مشغول بیٹھا تھا۔ جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ مزار مبارک سے باہر تشریف لائے۔ مجھ سے معانقہ فرمایا اور بہت سی نوازشیں فرمائیں۔ میں نے عرض کیا یا حضرت لوگ کہتے ہیں کہ مولانا صاحبؒ فوت ہو گئے ہیں۔ آپ قبر سے کیسے باہر آ گئے۔ فرمایا "لوگ غلط کہتے ہیں ہم فوت نہیں یہ صرف پردۂ شریعت ہے"۔[2]

ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(ترجمہ): جس کا دل عشق کی وجہ سے زندہ ہو گیا۔ وہ کبھی نہیں مرتا۔ ہماری ہمیشگی دُنیا کی تاریخ میں قائم ہو چکی ہے۔

بہادر شاہ ظفر کو میاں کالے صاحبؒ سے بہت عقیدت تھی۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اپنی عقیدت مندی کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے۔

نظامِ خانہ فخرِ جہاں تمہیں تو ہو
قیامِ سلسلہ و خانداں تمہیں تو ہو

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۵۹ (فارسی) [2] مناقب المحبوبین ص ۱۶۰ (فارسی)

نہ ہو نکہ تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین
خدا رکھے تمہیں اُن کی نشانی تمہیں تو ہو
ظفر کی چاہیے تمہیں نصرت نصیر الدین
کہ اُس کے یار و مددگار تمہیں تو ہو

دہلی میں میاں کالے صاحبؒ کی ایک حویلی تھی جس میں آپ رہائش پذیر تھے۔ یہ حویلی گلی قاسم جان میں واقع تھی۔ اب اس کو "احاطہ کالے صاحبؒ" کے نام سے پکارتے ہیں اب یہ حویلی ایک محلہ کی صورت میں ہے اور بہت لوگ اس میں آباد ہیں۔

میاں کالے صاحبؒ نے ۱۵ صفر ۱۲۶۲ھ کو وصال فرمایا۔ مہر ولی میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔[1]

آپ کی اولاد

حضرت میاں کالے صاحبؒ کے پانچ بیٹے تھے۔ فرزند اول غلام نظام الدین تھے۔ جب میاں کالے صاحبؒ کی املاک ضبط ہو گئی تو آپ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ جب حالات درست ہوئے آپ واپس دہلی تشریف لے آئے اور حضرت مولانا صاحبؒ کے صاحب سجادہ دہلی میں ہوئے۔ دوسرے غلام معین الدینؒ، تیسرے وجیہہ الدینؒ، چوتھے امین الدینؒ، پانچویں کمال الدینؒ۔ پہلے دونوں بیٹوں کی والدہ سادات سے تھیں اور دوسرے تینوں بھائی سلاطین تیموریہ کی اولاد میں سے ایک شہزادی کے بطن سے تھے۔ آپ کی تین بیٹیاں بھی تھیں۔ دو سیّد زادی سے اور ایک بیٹی شہزادی کے بطن سے تھی۔

میاں غلام نظام الدینؒ نے ۱۲۹۲ھ میں لاولد وفات پائی۔ ان کے چھوٹے بھائی میاں غلام معین الدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی لاولد فوت ہو گئے۔ میاں وجیہہ الدینؒ

---

[1] تذکرۃ الفقراء ص ۔ ۲۔ مناقب فریدی ص ۳۹ (استفادہ) مقالات سرسید مولفہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی ص ۲۷

اور میاں امین الدینؒ بھی لاولد فوت ہوئے۔ پانچویں بھائی میاں کمال الدینؒ اورنگ آباد چلے گئے اور وہاں سجادہ نشین ہوئے۔ اورنگ آباد میں حضرت مولانا صاحبؒ کا سلسلہ سجادگی میاں کمال الدین فخریؒ سے آگے چلا۔ جن کی اولاد میں ایک شاخ سے اس وقت شاہ عارف اللہ فخری صاحب ہیں اور دوسری شاخ سے تین بھائی شاہ نصیر الدین صاحب شاہ غلام نظام الدین صاحب اور شاہ غلام کمال الدین صاحب ہیں۔ متذکرہ پہلی شاخ کی اولاد کراچی میں قیام پذیر ہے۔ دوسری شاخ ملتان میں رونق افروز ہیں۔

حضرت میاں کالے صاحبؒ کی ایک صاحبزادی کی شادی حضرت شیخ سلیم چشتیؒ فتح پور سیکری کے سجادہ نشین شیخ محمد کاظم علی صاحب کے فرزند شیخ محمد عبدالسلامؒ سے ہوئی تھی۔ شیخ محمد عبدالسلام صاحبؒ ۱۸۵۷ء میں ترک وطن کر کے دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ کے ایک فرزند میاں محمد عبدالصمد تھے جو خواجہ شاہ اللہ بخش تونسویؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت میاں کالے صاحبؒ کے وصال کے بعد دہلی میں حضرت مولانا صاحبؒ کے بھی سجادہ نشین قرار پائے۔ دہلی میں حضرت مولانا صاحبؒ کی روحانی نعمت میاں کالے صاحبؒ کے نواسے حضرت میاں خواجہ محمد عبدالصمد فخری فریدیؒ کے حصہ میں آئی۔ آپ نے ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ کو وفات پائی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند حاجی میاں صاحبؒ مسند نشین ہوئے۔ آپ ہندو اور مسلمان دونوں میں مقبول ہوئے اور دہلی کے ہزاروں ہندو اور مسلمان آپ کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ چند برسوں کی رفاعت و خدمت کے بعد آپ بھی اس دنیا سے چل بسے۔ آپ کا یوم وصال ۱۰ رجب ۱۳۸۷ھ ہے ان کے بعد یہ ذمہ داری خواجہ احمد میاںؒ کے سپرد ہوئی بلکہ آپ مزار کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ اس عمل سے آپ کی برگزیدگی اور بزرگی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے جدی سلسلہ کو فروغ دیا۔ چند برسوں کی خدمت اور اطاعت کے بعد ان کا بھی جام عمر لبریز ہوا۔ آپ نے ۱۶ شعبان ۱۳۹۶ھ کو وفات پائی۔ ان کے بعد

راجہ میاں محمد عبدالصمدؒ کے پوتے پروفیسر محمد باقر صاحب عرف محمد میاں صاحب قائم
قام ہوئے، جو پوری طرح اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پہ چلتے ہیں۔ خواجہ میاں
مد عبدالصمدؒ کا مزار نئی دہلی لیڈی ہارڈنگ ہسپتال کے قریب ہے۔ جہاں بہت
چی مسجد اور عیدگاہ بنی ہوئی ہے۔

حضرت شاہ فخر جہاں دہلوی رح کے خلفاء

حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں رح کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی لیکن اُن کے سب خلفاء کی مکمل فہرست اور حالات دست یاب نہیں ہو سکے۔ آپ کے چند معروف خلفاء کا ذکر کیا جاتا ہے: خواجہ نور محمد مہاروی رح اور میاں علی حیدر رح نے پنجاب، حاجی لعل محمد صاحب رح نے دہلی کے اطراف و جوانب، میر شمس الدین رح نے اجمیر، میر ضیاء الدین رح نے جے پور اور میر محمدی رح نے دہلی میں اس سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں بڑی پُر خلوص جدوجہد فرمائی۔

حضرت میاں علی حیدر رح

ابتدائی حالات بدامنی، افغانی یلغار اور سکھ گردی کے دوران ملتان (پنجاب) میں میاں علی حیدر رح (شاعر) خلیفہ و مرید حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی رح اپنی قائم کردہ خانقاہ علاقہ ملتان میں تعلیمات اسلامی کی ترویج و اشاعت اور درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اپنی مقامی زبان کے ذریعے بڑے مؤثر پیرائے میں عوام کی روح کو بیداری کا پیغام دیا۔ ان کے دلوں میں جذبۂ ایمان کو تازہ کیا۔ اس پُر فتن اور پُر آشوب زمانہ میں ان کا یہ کردار اسلامیانِ ہند و پاکستان کے تہذیبی اور اخلاقی تحفظ کے لئے بہت اہم تھا۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے معروف بزرگ حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری رح اور حاجی لعل محمد دہلوی رح کے پیر بھائی تھے۔ اپنے آبائی گاؤں لبستی قاضیاں موضع چوترا ضلع ملتان (جو اب ضلع فیصل آباد میں شامل ہے) کے رہنے والے تھے اور وہاں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔

اسم گرامی، ولادت و وطن آپ کا اسم گرامی میاں علی حیدر اور تخلص علی حیدر تھا۔ آپ کے والد کا اِسم گرامی شیخ محمد امین تھا۔

پ یکم شعبان سن ۱۱۰۱ھ/ مطابق ۱۰ مئی ۱۶۹۰ء کو چونتڑا میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے
م" مکمل مجموعہ ابیات علی حیدرؒ" پٹی "ظ" میں بیان کرتے ہیں۔[1]

علی حیدر را تیندڑے شعر کنوں ایہہ چوتڑا دلّی تے آگرا اے

اِس کے علاوہ آپ کے وطن کے متعلق ایک مشہور پنجابی شاعر میاں ہدایت اللہ اپنی
یف "مجموعہ ابیات" میں یوں تحریر کرتے ہیں ؎

ں حیدر ساکن موضع قاضیاں دا ضلع اوس دا خاص ملتان سائیں
شق ربّ رسولؐ دا جاپ والے مرد گزریا اہلِ عرفان سائیں

مذکورہ اشعار سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ بستی قاضیاں موضع چوتڑا
ہ ملتان کے مقیم تھے۔ میاں ہدایت اللہ مزید بیان کرتے ہیں ؎

" دلی شاہ دا پُت غلام میراں علی حیدر کنوں خاندان سائیں
فضل دین پہونتا خدمت وِچہ اُسدی کیتا اپنا شوق بیان سائیں "

علیم و تربیّت اور شاعری

آپ کے والد بزرگوار عربی، فارسی کے عالم تھے۔
گیلانی سیّد اور صاحب تصوّف درویش تھے۔

نے ابتدائی تعلیم و تربیّت اپنے والد سے حاصل کی۔ حافظِ قرآن ہونے کے علاوہ فارسی
عربی ادب میں بھی فاضل ہوئے۔ پھر ملتان میراں شاہ کے پاس تشریف لے گئے
ان سے ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ شعر و سخن کا ذوق فطری تھا۔ اپنے وقت کے صوفی
عر تھے۔ نہایت اعلیٰ علمی صوفیانہ ذوق رکھتے تھے۔ فلسفہ وحدت الوجود کے حامی تھے۔
فیانہ شاعری کے ذریعے پیغامِ حق لوگوں کو سنایا اور عوام کی روح کو بیدار کیا۔ بیان کرتے
ہے :

---

[1] مکمل مجموعہ ابیات علی حیدرؒ دیباچہ ص ۲ ۔ "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" از مولا بخش کشتہ
۹۱، "پنجابی زبان دا ادب تے تاریخ" از عبدالغفور قریشی۔ ص ۱۱۳۔

حیدر آکھے ایہہ سب کچھ کوُڑا سچا اِک کرتار!
دُوجا نبی محمدؐ سچا، سچے اوس دے یار!
چھیڑ کے مرلی وحدت والی گاؤن عشق دا گا رانجھا
علی حیدر بیٹھ تماشہ ویکھے رُٹھڑا یار منا رانجھا

آپ ذات "احد" کے پرستار ہیں۔ ان جلوؤں کو ہر شے میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک وجود صرف ذات "احد" ہی رکھتی ہے۔ کائنات اس کا ظل اور عکس ہے احد اور احمد میں انہیں فرق نہیں آتا "م" محض پردہ ہے۔ یہ پردہ شریعت کا ہے ورنہ اصل حقیقت وہی ہے۔ فرماتے ہیں:

سوہنا میم دالی چادر پہن کے جی
کہیا زُلفاں دا گھونگھٹ گھت آیا
علی حیدرا اوہا یار پیارا
ہُن اُحمد بن کے وت آیا!

آپ عشق کے بارے میں اظہار کرتے ہیں:

ہوش نہ چھڈی عشق تیرے اتے اِس وِچ بہت دلگیریاں نی
جنہاں عشق دی چولڑی رنگ لئی اوہناں چٹیاں چادراں چیریاں نی

آپ اپنے مذہب اور عقیدہ کی تشریح اِس طرح بیان کرتے ہیں:

ل۔ لا لیا لبھ ڈھولن نوں
جے غیر کنوں دل دُور کیتا
نال مُطہرے لام نفی دے
بھن بُتاں نوں چوُر کیتا
باہجھ خدا اللہ نہ کوئی

اوسے سب ظہور کیتا ! !
اِس دِل مینڈے نوں روشن حیدر
پاک رسولؐ دے نور کیتا

آپ کی بیعت

آپ کا خاندان ضلع ملتان میں موجود ہے اور فقیر غلام میراں ولد ولی شاہ ملتانیؒ آپ کی اولاد امجد سے ہیں اور آپ کی گدی کے وارث ہیں۔ آپ کی بیعت و خلافت کے بارے صاحب مناقب المحبوبین لکھتے ہیں: "از ابیات ہندی[1] قاضی علی حیدرؒ سکنہ راوی[2] کہ درجاست چناں معلوم شدہ کہ از خلفاء ایشاں (حضرت مولانا صاحبؒ) بود"۔ ان کے علاوہ مولانا رکن الدین ملفوظات خواجہ غلام فریدثانیؒ میں بیان کرتے ہیں کہ" شاعر علی حیدر کی بیعت حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کے ساتھ تھی۔ لیکن یہ بات کہ حضرت مولانا بمقام گڑھ راجہ تشریف لائے اور وہاں بیعت ہوئے، میرے نزدیک غیر صحیح ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ سنا ہے ملتان میں بیعت ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا" ملتان یا گڑھ راجہ حضرت اقدس کا اِس طرف آنا میرے نزدیک بالکل صحیح نہیں لیکن علی حیدر کا دہلی جانا بیعت ہونا اور وہاں ٹھہرنا البتہ درست ہے۔[3]

میاں علی حیدرؒ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت دہلی میں حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ خاندانِ چشتیہ کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔ اور مقام کٹڑہ پھیلیل میں ایک مکان کرایہ پر لے کر رہائش پذیر تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے۔ اِن ہی ایام میں آپ حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت

---

[1] ابیاتِ ہندی سے مراد پنجابی اشعار ہیں [2] راوی سے مراد دریائے راوی ہے جو بستی چوتر ا قاضیاں کے نزدیک بہتا تھا۔ یہ علاقہ اس وقت دریائے راوی کی نسبت سے راوی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا[3] ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید از مولانا رکن الدین جلد پنجم مقبوس ص ۴۰۱، ص ۴۳

میں حاضر ہو کر اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، خرقۂ خلافت پایا، پھر اپنے وطن تشریف لاتے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ کو فروغ دیا۔

"احوال و مقاماتِ خواجہ غلام فریدؒ" میں درج ہے "حضرت خواجہ غلام فرید رح (کوٹ مٹھن) کی مجلس سماع میں جب بھی قوال میاں علی حیدر کا کلام پیش کرتے تو حضرت اقدسؒ پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ میاں علی حیدرؒ کی ابیات عرفان و آگہی کا ایسا دفتر ہے جس سے ہر صوفی متاثر ہو کر بے خود ہو جاتا ہے۔

آپ کے اخلاق و عادات

میاں علی حیدرؒ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ تقویٰ، صبر شکر، توکل، تحمل، عفو اور صدق کی صفات سے متصف تھے۔ آپ سلیم الطبع، عجز و انکساری کے پیکر تھے۔ ہر کس و ناکس سے محبت و شفقت سے ملتے تھے۔ پیر بھائیوں کی خوشی اور غم میں شریک ہوتے تھے۔ آپ عابد، مبلغ اور عارف شب زندہ دار تھے۔ حضور اکرم ﷺ سے بے پناہ عشق تھا۔ اور عشقِ رسول ﷺ میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ عربی فارسی ادب کے عالم اور فاضل تھے۔

آپ صاحب شریعت اور صاحب طریقت تھے۔ آپ حقیقت کے محرم اور عرفان کے واقف تھے۔ آپ کی زبان سے پُر تقصیر انسانوں پر اثر ہوتا تھا۔ ان کی بات چیت پتھر دل کو موم بنا دیتی تھی۔ ان کا سینہ الہٰی بھیدوں سے پُر تھا۔ عشقِ الٰہی کی آگ میں ہمیشہ جلتے رہتے تھے۔ ان کے تن من میں حقانی حقائق سموئے ہوئے تھے۔ دین کے پیروکار، تھے راہ ہدایت کے رہبر اور ان کا کام تواضع اور انکساری تھا۔

میاں علی حیدرؒ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں پیدا ہوئے اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں فوت ہوئے۔ یہ زمانہ مغلیہ حکومت کے انحطاط اور زوال کا تھا۔ معاشرہ پر تباہی کے آثار بری طرح سے نمودار ہو چکے تھے۔ مذہب کی روح اختتام پر تھی۔ صوبائی ناظم، حکامِ مرکز کی کمزوری اور بربادی سے فائدہ اُٹھا کر خود مختار حاکم بنتے جا رہے

تھے۔ عمّال پنجاب میں اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ زمینداروں سے اپنے لئے مالیہ وصول نہ کر سکتے تھے۔ لٹیروں نے غارت گری کا آغاز کر دیا۔ کوئی قصبہ اور گاؤں ایسا نہ رہا جو لُوٹ مار اور قتل و غارت سے بچا ہو۔ افغانی حملوں نے وہ کھلبلی مچائی کہ مسلمانوں کی سماجی اور دینی زندگی پامال کر کے رکھ دی۔ پنجاب بالخصوص لاہور اور ملتان سکھ گردی سے نہ بچ سکا۔ میاں علی حیدرؒ بہت پریشان ہوئے مگر آپ کے دل و دماغ پر زیادہ اثر نادر شاہ افغانی کے حملے کا رہا۔ نعت میں دُعا مانگتے ہیں:

"فارسیاں دی آتش بھر وِسار سول خدا دے"

میاں علی حیدرؒ کو دہلی بہت پیاری تھی۔ دہلی اپنے مرشد کے پاس جاتے تھے فیوض و برکات سے مالامال ہوتے۔

پنجاب میں ہر روز کی تباہیوں، بربادیوں، خون ریزیوں، سکھوں اور پٹھانوں کی جنگیں، احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ درانی کے حملے اور انسانیت کا جنازہ ایسا حشر برپا تھا کہ الامان! ان واقعات سے پریشان ہو کر میاں علی حیدرؒ یوں بیان کرتے ہیں:

ایہہ ایرانی نادر ظالم ظلم کنوں مول نہ سنگدے نے!!
میڈے دِل دی دِلّی لُٹی وے حیدر رہو کیہہ سانھوں منگدے نے

میاں علی حیدرؒ بڑے درد و کرب کے عالم میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ راجے یہ تورانی اُمرائ یہ ہندوستانی اکابر شرم و حیا کے باعث زہر کھا کر مر کیوں نہیں جاتے؟۔ کیوں خزانے بھر بھر کر ایرانیوں اور خراسانیوں کو دے رہے ہیں۔ وہ تمام توپچی، برقنداز اور متکبر[1] فوجی سردار کہاں چلے گئے ہیں، غیرت کریں

نہ — زہر بھی نہیں جو کھا مرن کجھ شرم نہ ہندوستانیاں نوں
کیہہ ہویا انہاں راجیاں توں کجھ لج نہیں تورانیاں[1] نوں
بھیڑے بھر بھر دیون خزانے فارسیاں خراسانیاں نوں

[1] اشارہ: نظام الملک نے نادر شاہ سے اتحاد کر لیا تھا۔

وچہ چھونیاں دے پانی نک ڈوبن جے لہن نہ وڈیاں پانیاں نوں[1]

ان ہی واقعات کو حضرت سیّد بُلھے شاہؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

دَر کھلا حشر عذاب دا   بُرا حال ہویا پنجاب دا

وِچ ہاویہ دوزخ ساڑیا   سانوں آمِل یار پیاریا

آپ اپنے وقت کی انقلابی اور سیاسی کوتاہیوں کو بھی عیاں کرتے ہیں جیسے مغلو
نے مجبور ہو کر سکھوں کو جاگیریں دیں اور انہوں نے راج (حکومت) کیا۔

بھوریاں والے راجے کیتے   مُغلاں زہر پیالے پیتے !

سب اشراف پھرن (چُپ کیتے) چُپ چپیتے

ان پریشانیوں کو اُن کے ہم عصر پیر وارث شاہؒ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"سارے دیس پنجاب برباد وچوں ملبوں وڈا افسوس قصور دا اے"

آپ کو قصور سے بہت محبّت تھی اور قصور کی تباہی ان کے لئے دُکھ تھا جس کی تکلیف
اظہار مندرجہ بالا اشعار میں کیا ہے لیکن میاں علی حیدرؒ ان پریشان کن واقعات کے بیا
کرنے میں بے باک، صاف گو، دُکھیا اور پُر درد تھے۔

تصانیف

سی حرفی ہیر، بارہ ماہ اور کافیاں جو ابیات علی حیدرؒ کے نام سے
مشہور ہیں آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام پنجابی سی حر
ہیر سن ۱۸۸۹ء میں مطبع مصطفائی لاہور سے طبع ہوا[2]۔ اس کے بعد ۲۵
میں "مکمل کلام ابیات علی حیدرؒ" کے نام سے اللہ والوں کی قومی دکان کشمیری
لاہور سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ ابیات آج کل دستیاب نہیں۔ اِس مجموعہ کی قد
یہ ہے:

۱۔ مکمل مجموعہ ابیات میاں علی حیدرؒ لاہور ۲۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا:
سوفی پوئیٹس (انگریزی) ص ۷۲-۷۳

عشقِ حق میں جو کہ فانی ہو گئے ۔ ۔ ۔ ہے سجا ان کو شہادت کا خطاب

اس کا سال ہاتف نے کہا ۔ ۔ ۔ "واہ ہے یہ خوب حیدر کی کتاب"
۱۳۲۵ھ

آپ کا کلام کئی بار چھپ چکا ہے ۔ ۱۹۶۳ء میں پنجابی ادبی اکیڈمی زیر اہتمام پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اسے از سرِ نو مرتب کرا کے "کلیاتِ علی حیدر" کے نام سے طبع کرایا ہے ۔ بیان کرتے ہیں کہ اس میں متفرق اشعار کے علاوہ پانچ سی حرفیاں ہیں ۔ ایک نعت اور ایک نظم بعنوان "ایہہ ناز پیری ملتانی دسنی" بھی ہے ۔ یہ نظم بڑی پہلو دار اور معنی خیز ہے ۔ کلیات میں قصہ "ہیر" بھی شامل کر دیا گیا ہے اگرچہ جیسا کہ خود مرتب نے کہا ہے یہ پیر حیدر شاہ ساکن جلال پور جٹاں کی تصنیف ہے ۔ شاہ صاحب کے اپنے اشعار گیارہ سو کے قریب ہیں[1]

"جھکدے پھُل" کا مصنف بیان کرتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کا کلام متفرق اشعار اور چھ سی حرفیوں پر مشتمل ہے[2]

"پنجابی زبان دا ادب تے تاریخ" کا مصنف عبدالغفور قریشی[3] اور "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" از میاں مولا بخش کشتہ امرتسری[4] مذکورہ بیان سے اتفاق نہیں کرتے ۔ میاں مولا بخش کشتہ امرتسری کو ترجیح دی جاتی ہے ۔

وصال

آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ نے ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ میں وصال فرمایا اور میاں علی حیدرؒ نے ۱۴ شعبان ۱۱۹۹ھ مطابق ۸ جون ۱۷۸۵ء بروز بدھ کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی ۔ اپنے مرشد کی جدائی کو زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکے ۔ میاں صاحبؒ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے قاضی محمد غالب سجادہ نشین ہوئے ۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب

---

[1] ماخذ تاریخ ادبیاتِ پنجابی (پنجاب یونیورسٹی) لاہور ص ۳۰۹ ۔ ۳۱۰ [2] ڈاکٹر فقیر محمد فقیر: جھکدے پھُل ص ۱۵۸ ۔ [3] ص ۱۱۴ [4] ص ۹۱

آپ نے وفات پائی آپ کے مریدین بیان کرتے ہیں کہ آپ کا مزار مبارک حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنی زیرنگرانی تعمیر کرایا۔ اس کی تعمیر میں خواجہ حافظ جمال اللہ ملتانی نے اپنے مریدوں کے ساتھ سر پر اینٹیں، مٹی، چونا اٹھا کر حصہ لیا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی آپ کے مزار پر اکثر حاضری دیتے اور مراقب رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مزار مبارک سکون کا خزانہ ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی اور خواجہ غلام فرید چشتی (کوٹ مٹھن) کی مجالس میں عموماً آپ کا ذکرِ خیر ہوتا رہتا تھا۔

حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری

روحانی عظمت حضرت مولانا ضیاء الدین جے پور کے کامل ولی باصفا اور شاہِ ولایت ہیں جن کے فیوض و برکات سے اہلِ جے پور ہی نہیں بلکہ بیرون جے پور فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ آپ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی کے محبوب خلفاء سے تھے۔ صاحب مناقب فخریہ بیان کرتے ہیں "خلفائے آنحضرت میں مولانا محمد ضیاء الدین تینتیس ۳۳ سال تک رات کے وقت نہیں سوئے۔ آپ کی شغل نسبت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ آپ کی آنکھ نہیں جھپکی اور تنِ تنہا درود و سلام کے حلقے میں بیٹھے رہے ہے۔" مولانا پیر ضیاء الدین کہ سی سال شب و روز در سفر و حضر نخفتہ و تنہا مجلسہ صلوٰۃ نشستہ[1]"

مذکورہ بیان سے آپ کی روحانی عظمت اور مقام کی بلندی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ عالم، معلم، روحانی پیشوا، مرید و خلیفہ کی حیثیت سے مشہور تھے۔ آپ کے خلیفہ رحمت علی اپنی تصنیف "مراۃ ضیائی" میں لکھتے ہیں "اس وقت سے اب تک تقریباً اٹھائیس سال گزر چکے ہیں مختلف قسم کے مجاہدات اور ریاضت میں گزارے ہیں

---

[1] مناقب فخریہ ص ۹

یہ وہ ظاہر مجاہدات ہیں جو سب کی نظروں کے سامنے ہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملات ان کے رہے ہیں وہ اللہ ہی کو علم ہے۔[1]

آپ کی ولادت اور حسب نسب

حضرت مولانا ضیاء الدین رح کی پیدائش بروز دوشنبہ ماہ ذی قعدہ ۱۱۵۰ھ فجر کی نماز کے بعد، قبل طلوعِ آفتاب بمقام دہلی سرزمین غیاث پور (جس کو بستی حضرت نظام الدین اولیاء بھی کہتے ہیں۔) میں ہوئی۔ یہ مقام سرائے عرب اور حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ العزیز کی درگاہ شریف کے درمیان واقع ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندان سے حاصل کی۔ آپ حافظ قرآن تھے لیکن بغیر دیکھے قرآن شریف کی تلاوت نہیں فرماتے تھے۔[2] صاحبِ فخر الطالبین بیان کرتے ہیں۔ آپ کچھ دن طالب علم بھی رہے ہیں۔ ان کی شغل نسبت اس درجہ تک پہنچ گئی کہ ۹ سال ہو چکے ہیں مگر ان کی آنکھ نہیں لگی۔ حضرت شیخ سلیم چشتی کی درگاہ میں حضرت مولاناؒ کے ارشاد کے مطابق عرصے تک جامع مسجد میں رہے۔[3]

ظاہر تعلیم کی تکمیل کے بعد سلوک کی تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ آپ کا روحانی سلسلہ خاندان قادریہ و چشتیہ کے بزرگان کرام سے واسطہ بواسطہ گزرتا ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسّل سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اور نسبی سلسلہ جس کا تعلق آباء و اجداد سے ہے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ "حضرت میر شریف رح، حضرت نظام الدین اورنگ آبادی رح کے خلفاء میں سے تھے۔ یہ بزرگوار حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کے نانا تھے اور حضرت خواجہ میر شریفؒ حضرت خواجہ حبیب اللہؒ کے بھائی کی اولاد سے تھے۔ حضرت خواجہ حبیب اللہ کا مزار سری نگر (کشمیر) سے باہر ایک میل کے فاصلہ پر مقام نوشہرہ میں واقع ہے جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ رح، حضرت شیخ یعقوب صرفی رح

۱۔ مراۃ ضیائی از رحمت علیؒ (استفادہ) ۲۔ سوانح حیات حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری رح از محمود میاں ص ۵۱ (مکتبہ ضیائی جے پور) ۳۔ فخر الطالبین ص ۴۳۔

کے خلفاء سے تھے جن کا سلسلہ طریقت حضرت سید میر علی ہمدانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔

حضرت میر شریفؒ روزگار کی تلاش میں اورنگ آباد تشریف لائے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ سے شاہی منصب حاصل کرنے کی غرض سے درخواست کی۔ ان دنوں نظام الملک اور بہت سے امراء آنحضرت سے بیعت کا شرف رکھتے تھے۔ اور بہت عزت و احترام کرتے تھے۔ حضرت میر شریفؒ نے اپنا مقصد ظاہر کیا حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے فرمایا "اے شریف تو شاہ حبیب اللہ کی اولاد سے ہے اور دنیا کے کاموں کے لئے مجھ سے سفارش کرواتا ہے" جب یہ بات آنحضرت کی زبان مبارک سے نکلی اسی دن سے دل سے دنیا کی حرص و ہوس سرد ہو گئی۔ اور دنیا کو ترک کر دیا۔ اور آنحضرت سے بیعت کر لی۔ پیر و مرشد کی عنایت کے فیض سے بہت جلد تکمیل کا درجہ حاصل کر لیا اور صاحب رشد و ہدایت ہو گئے۔

حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کے والد محترم سید رفیع الدین محمد، نواب عیاض الدین خان صاحب کے معتمد اہلکاروں میں سے تھے۔ آپ کا شمار بہترین خوشنویسوں میں ہوتا تھا اور "نادر رقم" کے لقب سے شہرت حاصل کئے ہوئے تھے۔ اپنے خسر میر شریفؒ سے ارادت رکھتے تھے جو حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے اکمل خلفاء سے تھے۔ آپ اہلِ دنیا کے لباس میں اہلِ تصوف تھے۔ آپ کے بڑے بھائی محمد شرف الدینؒ اور چھوٹے بھائی میر عماد الدینؒ مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کے ارادت مند تھے۔ حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کی والدہ دختر شاہ شریف صاحبؒ، حضرت مولانا صاحبؒ سے بیعت تھیں۔[۱]

اشاعت دین اسلام اور تصرفات

حضرت مولانا ضیاء الدینؒ (جے پوری) نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے جے پور (جے نگر) میں جا کر ارشاد و تلقین فرمائی اور نظامیہ سلسلہ کو فروغ دیا۔ اس وقت جے پور (جے نگر) میں

---

[۱] ماخذ فخر الطالبین ص ۴۳

ف ایک ہی مسجد تھی اور شہر میں اذان کی ممانعت تھی۔ مسجد کا احترام مدِّ نظر نہ تھا۔ مہاراجہ
وامی رام سنگھ جی کے گھوڑے بندھا کرتے تھے۔ اِس بارے آپ نے مہاراجہ سے
قات کی اور فرمایا کہ مہاراجہ تم کو خدا نے راجہ، مہاراجہ بنا کر ملک، مال، دولت اور حشمت
ی ہے۔ آپ کو چاہیے اپنی کُل رعایا کو ایک نگاہ سے دیکھو۔ تمہاری مسلمان رعایا کو مسجد
ہونے سے اور اذان بلند نہ کرنے سے سخت دُکھ ہوتا ہے اور وہ سخت پریشان ہیں۔
ہاراجہ آپ کے اخلاق و عادات اور اس ملاقات سے اِتنا متاثر ہُوا کہ مسلمان رعایا کو مذہبی
قوق واپس دے دیئے گئے۔ مسجد جو بطور اصطبل شاہی اِستعمال ہوتی تھی، خالی کر دی گئی اور
سلمانوں کو اذان بلند کرنے کی اجازت ہو گئی۔ جے پور (جے نگر) میں ایک مدرسہ ضیاء العلوم
کے نام پر جاری ہُوا جو آج تک قائم ہے۔ درسِ قرآن و حدیث اور سلوک کی تعلیم اس مدرسہ
کا خاص حصّہ بن گیا۔ اپنے پیر و مرشد کی تقلید میں کُتب قواعد و درسیہ کی تعلیم کم ہوتی تھی لیکن
کتب حدیث، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ شریف، کتب فقہ و تفسیر کثرت سے پڑھائی
جاتی تھی۔ خاص کر درسِ حدیث بمنزلہ فرض تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس مدرسہ کے کُتب خانے
میں حدیث کی کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ تھا۔ جو اس مدرسہ کی زینت تھی۔ اور طلباء کی
ایک بڑی تعداد استفادہ کرتی تھی۔

آپ راسخ العقیدہ حنفی، فقہ حنفی پر بڑا اعتماد و یقین رکھنے والے مقلّد صوفی، عارف
اور کامل بزرگ تھے۔ آپ کی روحانی عظمت اور فقر کا اِس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا
ہے کہ حضرت سلطان اولیاء خواجہ قاضی محمد عاقل[۱] رح نے ایک مجلس میں کسی عالمِ دین کے
استفسار پر فرمایا ”اے مولوی صاحب آج مولانا ضیاء الدین فقیر ہیں یا مَیں فقیر ہوں“
یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے اور مراقب ہو گئے۔[۲]

---

[۱] آپ خواجہ نور محمد مہاروی رح کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے بعد آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ
کا وصال ۸ رجب المرجب ۱۲۲۹ھ کو ہُوا۔ آپ کا مزار کوٹ مٹھن شریف میں ہے۔

[۲] ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید از مولانا رکن الدین مقبوس ۲۸ جلد سوم ص ۲۸۴

وصال اور مزار

آپ نے ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ آپ کا مدفون ریاست جے پور (بھارت) میں ہے جو مرجع خلائق ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ ان میں سے ایک نامور خلیفہ جن کا اسم گرامی میاں رحمت علیؒ ہے۔ قابلِ ذکر بزرگ ہیں "مراۃ ضیائی" جس کے حوالے حاجی نجم الدین نے مناقب المحبوبین میں مختلف مقامات پر درج کئے ہیں وہ آپ کی تصنیف ہے اور مولانا ضیاء الدین جے پوریؒ کے حالات کا مستند ماخذ ہے۔

مولانا ضیاء الدینؒ کے وصال کے بعد میر غلام رسولؒ سجادہ نشین ہوئے جو آپ کے مرید خلیفہ اور حقیقی ہمشیر زاد تھے۔ آپ صاحب حال وقال بزرگ تھے اور اپنے بزرگوں کے سلسلہ کو فروغ دیا۔ پاکستان میں آپ کا سلسلہ جاری ہے۔ کراچی، پشاور، ملتان، فیصل آباد اور اوکاڑہ میں حضرت عبدالشکور سیف قلندر چشتی اور صوفی محمد دین نیاز قلندر کے نام کے بزرگ اس سلسلہ کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ ان کے سجادہ نشین ڈاکٹر ظہور الحق چشتی اوکاڑہ میں ہیں۔

حضرت مولانا سید عماد الدین عرف میر محمدیؒ

آپ ساداتِ عظام و روسائے ذوی الاحتشام و علمائے عالی مقام دہلی سے تھے۔ "واقعات دارالحکومت دہلی"[1] میں آپ کا اسم گرامی مولانا امام الدین لکھا ہوا ملتا ہے "مناقب فریدی"[2] کے مصنف احمد اختر مرزا نے عماد الدین سید محمد بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ "تذکرۃ الفقراء" میں سید محمد عماد الدین عرف میر محمدی درج ہے[3]۔ اور "تاریخ اولیاء صوبہ دہلی"[4] میں مولانا عماد الدین میر محمدی پایا گیا ہے۔ سر سید احمد خاں کے مقالات کا مرتب و مؤلف مولانا محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں کہ آپ کا اصل نام عماد الدین تھا میر محمدی کے نام سے مشہور ہیں۔[5]

[1] جلد ۳ ص ۱۳۳ [2] ص ۳۸ (استفادہ) [3] تذکرۃ الفقراء ص ۱۳ [4] ص ۲۰۴ [5] ص ۲۴۲

اپنے ماموں سید فتح علی شاہ دہلوی قادریؒ جن کا مزار پہاڑی شاہ جہاں آباد کے اندر زیارت گاہ
خاص و عام ہے کے مرید اور صاحب اجازت تھے۔ آخر میں حضرت مولانا فخر جہاں دہلویؒ کے مرید
ہوئے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہو کر معلّم شہزادگان اور رئیسان دہلی جو مرید حضرت مولانا صاحبؒ
تھے، مقرر ہوئے۔ قلعہ معلیٰ کے بہت سے شہزادگان کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد تھی اور شاہ ولایت
قلعہ معلیٰ بناتے گئے۔ اُمراء سلطانی بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ بعض نے خرقۂ خلافت
بھی حاصل کیا۔ مرزا روشن بخت گورگانی، مرزا خجستہ بخت عمر شاہ اور شہزادہ سلیم برادر شاہ آپ کے
خلفاء میں سے تھے۔ غدر تک حضرت ظلِ سلطانی آپ کے عرس میں شریک ہوتے رہے[۱]۔ بہادر شاہ
کے روزنامچہ[۲] میں درج ہے "بقرعید کے دن حضرت میر محمدی صاحبؒ کا عُرس منعقد ہوتا ہے
بادشاہ سلامت عرس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ ختم قرآن میں شریک ہوئے اور تبرک
لے کر واپس آئے۔"

آپ کے ہزاروں مرید تھے۔ فیضِ عام جاری تھا۔ سماع کو بہت دوست رکھتے تھے اور
اوائل عمر میں بہت سفر کئے اور بزرگانِ وقت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ آپ اپنے پیر کے بہت
عاشق تھے۔ "شجرۃ الانوار" میں درج ہے۔ "بر نام پیر خود و مرشد خود جان از دست می دہند۔"

حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کے جلیل القدر خلیفہ، عالمِ علوم ربانی، مظہر
الطاف سبحانی حضرت میر محمدی صاحبؒ نے آپ کے مشن کو جاری رکھا۔ قلعہ معلیٰ میں درس و تدریس
اور ارشاد و تلقین کے فرائض برسوں تک انجام دیتے رہے۔ آپ عارف کامل، جامع علوم شریعت و
طریقت تھے۔ زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری میں بے نظیر تھے۔ اپنے زمانے کے علماء و صلحاء میں مقبول تھے۔

آپ نے ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء کو وصال فرمایا۔ مرزا خجستہ بخت آپ کے وصال کے بعد
آپ کے جانشین ہوئے اور مرزا سلیم شہزادے نے عقیدت مندی کی بنا پر آپ کو اپنے مکان کے

---

[۱] تذکرۃ الفقراء ص ۲۔ [۲] بہادر شاہ کا روزنامچہ ص ۱۱۳ [۳] واقعاتِ دارالحکومت دہلی ۔
جلد ص ۱۵۶ ۔

صحن میں دفن کیا جو اب میر محمدی کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام چتلی قبر کے متصل واقع ہے۔[1]

سر سید احمد خاں لکھتے ہیں[2]:-

"ہر چند اعمال بھی آپ کے ایسے سریع الاثر تھے کہ آپ کا نفس دم عیسیٰ تھا اور آپ کے ہاتھ کی خاک کی چٹکی اکسیر کا کام رکھتی تھی"۔

حضرت خواجہ نور محمد صاحب مہاروی رح

تعمیر انسانیت کے اس اہم کام کو جس اہتمام و خلوص اور جس طریقہ سے اکابر اولیاء کرام نے انجام دیا ہے اور جس وسیع پیمانہ پر اس کام کے انجام دینے میں لوگوں کی مدد اور رہنمائی کی ہے اس کی دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ خاص طور پر بزرگوں کے کارناموں کو جس تسلسل اور روانی کے ساتھ سلسلہ عالیہ چشتیہ لے کر چلا اور آگے بڑھتا رہا ہے۔ ہماری ملی اور ثقافتی تاریخ کے درخشاں باب ہیں اور ان میں خواجہ نور محمد مہاروی رح ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

اسم گرامی

حضرت خواجہ نور محمد رح کا نام والدین نے "بہبل" رکھا، مگر ان کے مرشد حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی رح نے نور محمد نام رکھا اور اسی نام سے اس وقت تک حضرت رح کو یاد کیا جاتا ہے۔ عقیدت مند، مرید اور متوسلین حضرت کو "قبلہ عالم" کہہ کر پکارتے ہیں۔

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے: "نام پاک ایشاں "بہبل" است و لقب نور محمد کہ حضرت مولانا فخر الدین مرشد ایشاں ایں لقب عنایت کردہ بود"۔[3]

---

[1] واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص ۱۵۶ [2] آثار الصنادید ص ۴۰ (مقالات سر سید احمد خاں مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی ص: ۲۴۲

ـانی حالات

حضرت کا خاندان کھرل (پنوار) کہلاتا ہے۔ قوم کھرل قوم پنوار کی ایک شاخ بتائی جاتی ہے۔[1] اس قوم کی نسبت مسٹر لیپل گریفن (SIR. L. GRIFFE... کے سی ایس آئی نے کتاب "دی پنجاب چیفس" میں ذکر ...ہے۔

"قوم کھرل اس امر کی مدعی ہے کہ وہ راجپوت نسل سے ہیں اور ان کا شجرہ نسب راجہ ...بندر (بنسی خاندان کا مشہور راجہ جو ہستنا پور کا حکمران تھا) کے ساتھ ملتا ہے۔ اس قوم ...ل گوگیرہ، جھنگ، ساہیوال، لاہور اور شیخوپورہ وغیرہ مقامات پر بود و باش رکھتے ہیں"

...ت کے خاندان کے لوگ بستی چوٹالہ[2] علاقہ شہر فرید (تحصیل خیر پور ضلع بہاولنگر ریاست ...ول پور) میں کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ اور ذرائع آمدن بہت محدود تھے[3] حضرت رح کے ...د کا پیشہ زراعت تھا اور مویشی چراتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی رح ...آپ کے اجداد کے متعلق پوچھا تو حضرت رح نے کہا: "زراعت می کردند و مواشی می چرانیدند ...ی دوشیدند و بر مال مردماں می دُود بندند"[4]

ـوالدین

حضرت صاحب رح ۴ رمضان المبارک ۱۴۲ھ کو چوٹالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی "میاں ہنڈال" تھا۔ قوم کے کھرل تھے۔ حضرت ...صاحب کی والدہ ماجدہ کا نام عاقل بی بی تھا۔ وہ کمال (قوم جھنڈ) کی لڑکی تھیں۔ کمال ...قصبہ پھولڑہ[6] میں رہتے تھے۔ عاقل بی بی کی شادی سے قبل ایک بزرگ پیر فتح دریا نیکو کارو

---

[1] بہاولپور اسٹیٹ گزیٹیر (۱۹۰۵ء و مابعد) [2] بستی چوٹالہ مہار شریف کے جانب مشرق تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مناقب المحبوبین ص ۵۳ [3] بہاولپور اسٹیٹ گزیٹیر (۱۹۰۵ء و مابعد) [5] مناقب المحبوبین ص ۵۴

[6] پھولڑہ ایک قدیم قلعہ ہے جو مہاراں شریف سے تقریباً ۴ کوس جنوب کی جانب ریگستان میں واقع ہے۔

[7] آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری رح کے خلیفہ شیخ عبداللہ جہانیاں نیکو کارو رح کے خلیفہ و سجادہ نشین تھے۔ اپنے شیخ کی اجازت سے اوچ سے شیخواہن آ کر نورِ معرفت اور دریائے

نے ان کو ایک زبردست ولی کی ماں ہونے کی بشارت دی اور فرمایا "از فیضِ اُو ہمہ عالم سیراب خواہد شُد"۔ چھیٹا قوم کے لوگ اب تک نواحِ پھولرہ میں آباد ہیں۔ ان کی وہاں جاگیر بھی ہے۔ کمال چھیٹہ کے خاندان کے افراد کا بوجہ حضرت صاحبؒ کے ننھیال ہونے کے لوگ احترام کرتے ہیں۔ مروٹ اور شہوار ریگستانی مقامات کے درمیان چھیٹوں کا ایک کنواں اب تک موجود ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ دُور دُور سے لوگ یہاں میٹھے پانی کے حاصل کرنے کی غرض سے جمع ہوتے ہیں۔

جب حضرت عاقل بی بی کی شادی میاں ہندال سے ہوگئی وہ آپ کو موضع چوٹالہ میں اپنے گھر لے گئے۔ حضرت صاحبؒ کی پیدائش سے قبل آپ کی والدہ محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ایسا چراغ میرے گھر میں روشن ہو گیا جس کی روشنی آسمان سے زمین تک ہر جگہ جلوہ فگن ہے اور تمام روئے زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے نیز تمام گھر میں خوشبو پھیل گئی ہے۔ آپؒ نے یہ خواب شیخ احمد دودی والاؒ[1] کو سنایا تو انہوں نے فرمایا: "خوف نہ کریں کہ آپ کے گھر میں ایک ایسا چراغ روشن ہوگا کہ تمام عالم اس کے نور سے منوّر ہو جائے گا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۷) ہدایت کا مدرسہ جاری کیا۔ شیخواہن ریاست بہاولپور کی تحصیل خیر پور کا ایک مشہور قدیم قصبہ ہے۔ اس قصبہ میں علاوہ خانقاہ حضرت عبداللہ جہانیاںؒ کے پیغمبر علیہ السلام کا ایک پیراہن (جبہ مبارک) اور بعض دیگر تبرکات بھی ہیں جس کی وجہ سے یہ قصبہ بہت مشہور ہے۔ یہاں سالانہ عرس بھی ہوا کرتا ہے۔

[1] مناقب المحبوبین ص ۵۵: شیخ احمد صاحبؒ دودے والا پیر کہلاتا تھا۔ دودا ایک قصبہ ہے جو کوٹ کمالیہ کے نواح میں دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے۔ ان کو "ساوا چیر والا" بزرگ بھی کہتے ہیں۔ یہ بزرگ سر پر سبز رنگ کی دستار پہنتے تھے۔ دستار کو ان کی زبان میں چیرا کہتے ہیں اور سبز رنگ کو ساوا کہتے ہیں۔

تبدیل سکونت

اقتضائے حالات کے باعث حضرتؒ کی ولادت کے بعد اس خاندان نے نقل مکانی کی۔ بستی چوٹالہ کی سکونت ترک کر دی اور بستی مہاراں میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ چوٹالہ کی سکونت کو اخیر عمر تک حضرتؒ محبت سے یاد کیا کرتے تھے۔ جب کبھی حضرتؒ مہار شریف سے پاک پتن کی طرف زیارت مزار حضرت بابا گنج شکرؒ کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو بستی چوٹالہ سے گزر ہوتا تو اس مقام پر اپنی خورد سالی اور بچپن کے زمانہ کی یاد کو دہراتے اور ان مقامات کی نشاندہی اپنے ہمراہیوں سے کرتے جہاں بچپن میں آپ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور تیتروں کے شکار کے لئے جال لگایا کرتے تھے۔[1]

"احمد نام قوم کولہیترہ راکہ خادم آنحضرت بود، وقت کلام او را مخاطب مے کردند فرمودند کہ میاں احمد مایاں در وقت طفلی ہمراہ طفلاں دریں جا دامے برائے گرفتن صیدے دُراجان انداختیم واشارہ بجائے فرمودند کہ ایں جا می انداختیم، قضاالٰہی دُراجان در دام دیگر ہمراہیان من می افتاد، و در دام من نمی افتاد"۔

تحصیلِ علم

جب آپ چار سال اور چار ماہ کے ہوئے تو والدہ ماجدہ نے آپ کو میاں حافظ محمد مسعود کے مدرسہ میں بٹھلا دیا۔ اور کلام اللہ پڑھا پھر حفظ قرآن کی دولت بھی اسی جگہ سے حاصل فرمائی۔ قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد درسی کتابوں کی تحصیل کے لئے آپ موضع "بھڈیراں" جو مہار شریف سے غربی جانب پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے، تشریف لے گئے۔ پھر بعد میں پاک پتن شریف کے نواحی گاؤں موضع بیلانہ میں شیخ احمد کھوکھر کے پاس ابتدائی درسی کتابوں پر عبور حاصل کیا۔[2] اس کے بعد آپ نے ڈیرہ غازی خاں کا سفر اختیار کیا۔ چند سال تک قیام کرکے شرح ملّا تک اپنی تعلیم مکمل فرمائی

علم دین کی پیاس کی اور زیادہ شدّت محسوس ہوتی تو لاہور کا رُخ کیا۔ لاہور

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۵۵ [2] مناقب المحبوبین ص ۵۵

بھی اس زمانہ میں علم و ادب کا مرکز تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ یہاں حضرت کو پریشانیاں بھی لاحق ہوئیں، حتیٰ کہ گداگری کر کے اپنا پیٹ پالنا پڑا۔ ایک دن اندھیری رات میں لاہور کی گلیوں میں پھر رہے تھے کہ پاؤں پھسلا اور سخت چوٹ آئی۔ کپڑے بھی کیچڑ میں خراب ہو گئے۔ دعا کی اور مستجاب ہوئی۔ پھر گداگری کا موقعہ نہ رہا۔ ان دنوں آپ کے ہمراہ حضرت خواجہ محکم الدین السیر رح بھی تھے۔[1]

آج تک یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ آپ شہر لاہور کی کن گلیوں میں گداگری کرتے تھے اور کس مسجد میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

ان سب پریشانیوں کے باوجود آپ کی لگن میں کوئی فرق نہ آیا اور اسی ذوق و شوق کے ساتھ ظاہری تعلیم میں مصروف رہے۔ یہاں تعلیم پانے کے بعد نواب غازی الدین خان بہادر کے مدرسۃ العلوم دہلی میں پہنچ کر حضرت میاں جی حافظ صاحب کے پاس کافیہ پھر شروع کیا اور قطبی بھی پڑھنے لگے۔ استاد حضرت میاں جی حافظ برخوردار سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے۔ ہونہار شاگرد پر خاص توجہ اور نظر التفات کرتے تھے۔ قلوب کی ہم آہنگی کا یہ عالم تھا کہ خورد و نوش میں بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اس بزرگ استاد کو چند ہی دنوں میں دہلی کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس جانا پڑا اور آپ کی تعلیم کا یہ سلسلہ ناتمام رہ گیا۔ آپ شکستہ دل ہو گئے اور پھر بھی جستجو کو جاری رکھا۔ اثناء میں حضرت کو معلوم ہوا کہ مشہور بزرگ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ دکن سے دہلی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت مولانا صاحبؒ کی بزرگی اور عظمت کا ہندوستان میں سکہ جما ہوا تھا۔

بیعت و خلافت

حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ اپنے ساتھی حافظ محمد صالح صاحبؒ ...

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۵۸

کیا۔ دونوں حضرت مولانا صاحبؒ کی قیام گاہ پر روانہ ہوئے۔ اور آپ سولہ سال تک حضرتؒ کی خدمت میں علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۱۶۵ھ میں آپ کو حضرت مولانا صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت نصیب ہوئی حضرت مولانا صاحبؒ کے دہلی کی تشریف آوری کے بعد یہ پہلی بیعت تھی جو حضرتؒ کو سونپی گئی تھی۔ اب حضرت کو اُستاد کے ساتھ ساتھ ایک مرشد کامل کی بھی قیادت حاصل ہو گئی تھی روحانی مدارج طے ہونے شروع ہو گئے۔ خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت نے اپنے پیرو مرشد سے خلافت کا شرف حاصل کر کے جب مہار شریف میں مسندِ ارشاد بچھائی تو چہار جانب سے عقیدت مندوں کے گروہ کے گروہ حاضر ہونے لگے۔ آپ نے لوگوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں کو شمعِ ایمان سے روشن کیا اور ان کے قلب کو معرفت کی روشنیوں سے منور کیا۔ دینی اور اسلامی فکر و نظر کی اشاعت نے دُور دُور آپ کی شہرت چمکا دی۔ نافع السالکین (ص ۶) میں درج ہے کہ آپ کی خانقاہ میں ہزاروں آدمی حاضر ہوتے اور زیارت کرتے۔

روحانی عظمت، اخلاق اور عادات

حضرت مولانا صاحبؒ کے مریدان و خلفاء بے شمار تھے مگر حضرتؒ پر آپ کی توجہ خاص تھی، وہ کسی پر نہ تھی۔ خرقۂ خلافت عطا کرنے کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں جو کوئی مرید ہونے کے لئے آتا آپ اس کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیج دیتے۔ خود حضرت مولانا صاحبؒ اکثر یہ ہندی دوہرہ پڑھا کرتے تھے:

دوہرہ

"تن مٹکے من چھیرنا سُرت ملوؤن ہار
مکھن لے گیا پنجابی چھاچھ پیو سنسار"

مذکورہ دوہرہ کے مطابق نواب غازی الدین خان نے اپنی مثنویؔ میں حضرت کا ذکر

ۓ مناقب المحبوبین ص ۷۷

یوں کیا ہے:

شیخ در حق او چنیں فرمود | لیکن زما ہر چہ بودہ است ربود
تیز ارشاد زاں شہ دین است | کاین زماں قطب وقت خود بوداست
ہم بگفتا گزیں جہاں آرا | شدہ امید مغفرت ما را[1]

(ترجمہ) "شیخ نے ان کے حق میں یہ فرمایا کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی تھا اس نے لے لیا ہے نیز اس دین کے بادشاہ کا ارشاد ہے کہ یہ اس زمانہ کا قطب ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اس "جہاں آرا" کے طفیل ہمیں بھی مغفرت کی امید ہوتی ہے۔"

نواب مذکورہ نے اپنی کتاب "المما الاسرار" میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے خلیفہ مولانا ضیاء الدین جے پوریؒ (جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں) فرماتے تھے کہ ہم جیسے تمام مریدوں نے مجاہدہ و محنت سے نعمت حاصل کی مگر حضرت مولانا صاحبؒ نے اپنی نعمتِ خاص خواجہ نور محمد صاحبؒ کو خود عطا فرمائی۔ اور وہی حضرت مولانا صاحبؒ کے قائم مقام ہیں۔ مولانا ضیاء الدین جے پوریؒ کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔[2]

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بعد خطہ پنجاب میں چشتیہ سلسلہ کے کسی بزرگ نے سلسلہ کے فروغ میں اس قدر محنت نہیں کی جتنی اٹھارویں صدی میں حضرت خواجہ نور محمد صاحب مہارویؒ نے کی تھی۔ تونسہ شریف، حاجی پور، کوٹ مٹھن، ملتان، احمد پور چاچڑاں، مکھڈ، سیال شریف، جلال پور شریف، گولڑہ شریف اور دیگر مقامات کی خانقاہوں کے چراغ ان ہی کے ذریعے روشن ہوئے۔ اور حضرت مولانا فخر جہاں دہلویؒ کے آپ قائم مقام بنتے۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے آپ کے حق میں فرمایا تھا "اگر یہ پنجابی میرے پاس آتا تو میں اس دنیا سے اپنے ارمان اپنے دل میں لے کر مر جاتا۔"[3]

---

[1] ضمیمہ کتاب آداب الطالبین مؤلفہ محمد عبدالحمید چشتی سلیمانی ص ۱۸۔ [2] مناقب المحبوبین ص ۷۶

[3] مناقب المحبوبین ص ۹۰

ایک دن حضرت مولانا صاحبؒ نے خواجہ نور محمد مہارویؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے
نور محمد! سُبحان اللہ! کہاں دکن اور کہاں پاک پتن۔ پروردگار کی قدرت دیکھو کہ مجھے
دکن سے لائے اور تمہیں پاک پتن سے۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابو جہل ایں چہ بوالعجبی است [1]

ترجمہ) حسن بصرہ سے، بلال حبش سے اور صہیب روم سے آکر فیض یاب ہوئے مگر یہ
کیسی عجیب بات ہے کہ خاک مکہ سے ابو جہل پیدا ہوا۔

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کی صحبت میں اس قدر کشش اور ہدایت میں اس درجہ
تاثیر پائی جاتی تھی کہ جو کوئی ایک بار خدمت میں آجاتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔
حضرت خواجہؒ کا سب سے زیادہ وقت تلقین و ہدایات میں صرف ہوتا۔ ہر وقت مجلس جمی
رہتی اور مشتاقانِ دین لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ حضرت خواجہؒ کے وطن کو حکیم مولوی عمر
صاحب خلاصۃ الفوائد" مہار دار الشفاء" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ حضرت خواجہؒ اپنے
مریدوں کی تربیّت میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے جیسے کوئی طبیب مرض میں لیتا ہے۔ حضرت
خواجہؒ ہر مرید کی استعداد و صلاحیت کا علیحدہ جائزہ لیتے تھے اور پھر تربیت کی طرف توجہ
فرماتے تھے [2]

آپ وضو میں زیادہ پانی استعمال نہیں کرتے تھے۔ سوائے انتہائی ضرورت کے مواقع
میں دوسرے سے وضو میں مدد لیتے تھے اور خود ہی وضو فرمانا مستحسن خیال فرماتے تھے۔ ہر وضو
کے ساتھ مسواک کرتے تھے۔ وضو کے بعد اعضائے مبارک کو تولیہ سے صاف فرماتے۔ ظہر اور
عشاء کے وضو کے بعد ریش مبارک میں شانہ فرماتے۔ شانہ کرتے وقت سورۃ "الم نشرح" پڑھتے
تھے۔ سفر و حضر میں حضرت خواجہؒ نماز باجماعت ادا فرماتے۔ تمام ارکان و آداب کی بجا آوری

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۰ [2] ماخذ خلاصۃ الفوائد تکملہ سیر الاولیاء

کرتے حتیٰ کہ مستحب ارکان بھی ترک نہ فرماتے۔[1]

حضرت خواجہ کھانا بہت کم کھاتے۔ جس قدر غذا درکار ہوتی اس کی چوتھائی پر اکتفا فرماتے۔ طعام میں تکلف نہ کرتے جو کچھ میسّر ہوتا اُسے بہ کمال رغبت کھاتے۔ حضرت خواجہؒ کا لباس درویشانہ اور سادہ تھا۔ سر پر کلاہ قادری جس میں عموماً مغزی لگی ہوئی ہوتی تھی، استعمال کرتے تھے۔ سردیوں میں روئی دار ٹوپی، سفر میں کبھی سلاری (چادر) اور کبھی دستار سر پر باندھ لیا کرتے تھے۔ پیراہن کا گریبان ہمیشہ سینہ پر ہوتا تھا اور پیراہن میں تسبیح وغیرہ رکھنے کے لئے کیسہ (جیب) بھی ضرور ہوتا تھا۔ تہبند سیاہ استعمال کرتے تھے۔ سبز یا سفید رنگ کی سلاری[2] یا دوپٹہ کندھے پر رکھا کرتے تھے[3]۔ آپ کریم الاخلاق، دلربا، جاذب اور بارعب تھے۔ بہت کم تنہائی پسند فرماتے۔ اکثر محفل میں جلوہ افروز ہوتے تھے۔

مولوی غوث محمد صاحبؒ تحفۂ غوثیہ جن کا مزار اوچ شریف میں خانقاہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے قریب ایک پختہ چاردیواری میں ہے، بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی کسی تکلیف کے وقت آپ کی طرف رُخ کرتا تو محض روحانیت سے وہ تکلیف دور ہو جاتی تھی اور ناممکن تھا کہ کوئی شخص کسی غرض سے آپ کے پاس جائے اور اس کا مطلب پُورا نہ ہو۔ غرضیکہ حضرت ہر صفت سے متصف تھے۔

چند ارشاداتِ عالیہ

(۱) کامل انسان جانِ عالم ہے اور اس کا مرنا فنائے عالم ہے۔

(۲) سالک کو چاہیئے کہ لباس اور غذا سادہ استعمال کرے کیونکہ سادہ لباس اور غذا سے دل پر لطیف انوار وارد ہوتے ہیں۔

---

[1] ماخذ خلاصۃ الفوائد، تکملہ سیر الاولیاء [2] رنگ دار چادر کو کہتے ہیں جو دیہاتی عموماً استعمال کیا کرتے ہیں اب اس کی جگہ مُردار تولیہ سوت نے لے لی ہے [3] ماخذ خلاصۃ الفوائد، تکملہ سیر الاولیاء۔

(۳) ہمیشہ دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ آخر عمر میں ضعف آگیا تو اکثر اوقات تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ اس عمر میں عصا بھی رکھتے تھے۔ بے کسوں پر بہت مہربانی فرماتے۔ مزاج میں شرم و حیا غالب تھی۔ جود و سخا شیوہ تھا۔ صادق القول تھے۔ طبیعت میں عاجزی و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

(۴) ہر شخص کا دل اپنے محبوب کی طرف معلق رہتا ہے۔

(۵) تمام موجودات آئینۂ جمالِ حق ہیں۔

(۶) جس شخص سے خلقِ خدا خوشنود ہو، حق تعالیٰ اُس سے خوشنود رہتا ہے۔

(۷) ایک روز کسی نے سوال کیا کہ غریب نواز "امراضِ نفسانیہ" کی بھی کوئی دوا ہے۔ فرمایا "کتب تصوّف میں ان کی بہت سی دوائیں تحریر ہیں مگر کوئی ان کا طالب صادق نہیں۔ طبیب تو بہت ہیں مگر دوا کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

(۸) دُنیا کے تمام حالات کا اجمال حضرت آدم علیہ السلام کی ذات تھی اور یہ تمام تفصیل اُسی اجمال کی ہے۔

(۹) جو پیدا ہُوا اُس کو ضرور موت آئے گی خواہ اُس کی عمر کس قدر ہو، جس قدر آدمی عمر میں بڑا ہوتا جاتا ہے اسی قدر اُس کی عمر کم ہوتی جاتی ہے۔ اور آخر ایک دن وہ اپنی منزل ختم کر دیتا ہے۔

وصال اور مزار مبارک

حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحؒ کا وصال ۳ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ / مطابق ۳ اگست ۱۷۹۱ءؔ کو ہُوا۔[1] آپ کا مادہ تاریخ وصال یہ ہے "حیف دوا دیلا جہاں بے نور گشت" وفات کے آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔ چشتیاں شریف میں (نزد مہار شریف) جہاں

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۔

حضرت بابا صاحبؒ کے پوتے خواجہ بابا تاجدین تاج سرور چشتیؒ کا مزار شریف ہے وہاں دفن ہوئے۔ آستانہ عالیہ پر نواب بہاول پور نے شاندار عمارت تعمیر کی ہے جو زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔[1]

خیر الاذکار میں لکھا ہے کہ حضرت قبلۂ عالمؒ وصال سے قبل اپنی محفل میں کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔[2]

ے مرا زندہ پندار چوں خوشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

(ترجمہ) "مجھے اپنی طرح زندہ خیال کرو۔ اگر تو جسم میں آئے گا تو میں جان میں آجاؤں گا۔"

مولانا عبدالحمید چشتی سلمانیؒ ضمیمہ کتاب آداب الطالبین[3] میں بیان کرتے ہیں کہ آپ یہ دوہرہ بہت فرمایا کرتے تھے:

بھلی ہوئی ہر لیری سر سے ٹلی بلائی
جیسی تھی ویسی بھی اب کچھ کہا نہ جائے

بیان کردہ دوہرہ آپ کے وقت کی زبان کا نمونہ پیش کرتا ہے اور یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں مخلوط زبان (اُردو) تھی۔

خلاصۃ الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت قبلۂ عالمؒ کی مہر پر یہ سجع تھا۔

"ز نورِ محمد جہاں روشن است"[4]

اولاد اور خلفاء

حضرت قبلۂ عالمؒ کی ایک زوجہ عظمت بی بی تھی۔ اس کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۱ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۸ و مناقب المحبوبین ص ۹۱ [4] ایضاً

شیخ نور الصمد، شیخ نور احمد، شیخ نور الحسن، زینب بی بی اور صاحب بی بی۔ دونوں لڑکیوں کی شادی ہو گئی تھی لیکن کسی نے اولاد نہیں چھوڑی۔[1] حضرت کے اکمل خلفاء کی تعداد تقریباً تیس کے لگ بھگ ہے جن میں حضرت خواجہ سلمان تونسویؒ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کیونکہ اُن کی ذاتِ بابرکات سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کو پنجاب میں بہت فروغ ہوا۔ آپ اپنے مُرشد کی وفات کے بعد ۱۴½ سال تک زندہ رہے لیکن طبیعت کبھی خوش اور بحال نہ رہی "کاسب بھرتی" کی شکایت ہو گئی۔ مرض ترقی کر گیا۔ حالت نازک ہو گئی۔ پھر آپ اس دُنیا سے چل بسے۔

حضرت مولانا شاہ نیاز احمد بریلویؒ

حضرت مولانا شاہ نیاز احمدؒ مولانا فخر الدین فخرِ جہاں دہلویؒ کے مشہور ترین خلفاء میں سے تھے۔ آپ علم و فضل، عشق و محبت، سوز و گداز، علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ ادراکِ رموز صوری و معنوی میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی بارگاہ معدنِ فیوضِ ربانی اور خانقاہ مطلع انوارِ سبحانی تھی۔[2] آپ عابد و زاہد، متبعِ سنّت، صاحب کشف و کرامات، منکسر المزاج، مسکین طبیعت، اپنے مریدوں سے باخبر، توجّہ کا یہ عالم تھا کہ تصرفاتِ باطنیہ سے اپنے مریدوں کے خلافِ شرع عادات بدل دیا کرتے تھے۔ اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق بریلی میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ بے شمار لوگ آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کا بیان ہے:-

"خلق بے شمار بہ حلقہ ارادت دے درآمد و مردماں از اقالیم دُور دراز یعنی از کابل و قندھار و شیراز و بدخشان بہ خدمت بابرکت دے حاضر آمدہ مستفید و مستفیض شدند و خلفائے

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۰۲-۱۰۳ [2] مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء ص ۵۱۲ جلد اوّل

آں جناب ہر سمت یا قالیم لبعید المسافت مامور شدند[1]"۔

(بے شمار لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ اور وہ لوگ دُور دراز ملکوں سے یعنی کابل، قندھار، شیراز اور بدخشاں سے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے اور ذایدہ حاصل کرتے تھے۔ آپ کے خلفاء ملک کے ہر گوشے میں جا چکے تھے۔)

شاہ صاحبؒ کا عالم یہ تھا کہ عشق حقیقی کے نشے میں چُور رہتے تھے۔ دردِ عشق ان کا سرمایۂ حیات تھا۔ یہ آگ ہر وقت آپ کے سینے میں سُلگتی رہتی تھی۔ عشق کی دنیا میں رہتے تھے۔ عارف رومؒ کی طرح جذباتِ عشق ان کے سینے میں متلاطم ہوتے رہتے تھے۔ پھر یہ شرارے شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ آپ کے اشعار اتنے مؤثر ہوتے تھے کہ سُننے والوں کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا کلام صوفیاء اور اولیاء اللہ میں بہت مقبول ہوا۔ اِس بارے صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے:

"حضرت شاہؒ دل آگاہ بہ شعر ہم رغبت تمام داشت۔ و اشعار آب دار متضمن حقایق معارف گفتی چنانچہ دیوان نیاز کہ از تصانیف آں حضرت است بسیار مرغوب و مطبوع طبع جماعۂ اصفیاء است[2]"۔

(حضرت شاہ صاحب شعر کی جانب بڑی رغبت رکھتے تھے اور نہایت دل پسند اشعار جن میں حقائق و معارف کا ذکر ہوتا تھا، فرماتے تھے۔ چنانچہ دیوان نیاز جماعت اصفیاء میں بے حد مرغوب اور پسند ہے[2]۔)

حضرت شاہ نیاز احمد ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء[3] میں بمقام سرہند پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حکیم شاہ رحمت اللہ علوی طبیب تھے، اور سلسلہ نقشبندیہ کے صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ ۱۱۶۰ھ میں سرہند سے دہلی آئے۔ باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی والدہ

---

[1] مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء ص ۵۱۳ جلد اوّل [2] ایضاً ص ۵۱۳ [3] بعض تذکروں میں سنِ ولادت ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء درج ہے

والہ وقت اور عفیفہ روزگار تھیں آپ کی پرورش کی تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ جب سرہند کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو دہلی میں مولانا فخر الدین فخرِ جہاںؒ کی خدمت بابرکت میں علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے آپ کی تعلیم میں نہایت کوشش کی۔ سترہ برس کی عمر میں علوم منقول اور معقول فرع اور اصول حدیث، تفسیر و فقہ سے فارغ ہو کر دستارِ فضیلت حاصل کی، مرید ہوئے۔ اساتذہ میں شاہ فخرِ جہاںؒ کے علاوہ دو نام اور ملتے ہیں۔ مولوی خواجہ احمد خاں اور حکیم قدرت اللہ جن سے آپ نے استفادہ کیا۔ پھر علوم باطنی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دن رات اسی میں مستغرق رہتے ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ آپ کی لیاقت ذہانت، دلجمعی، استعداد اور کوشش سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے بریلی میں سلسلہ نظامیہ کو فروغ دیا۔ بہت سے لوگ آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو ہندوستان میں جو ترقی ہوئی وہ مولانا فخر الدین فخرِ جہاںؒ دہلوی کے مریدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ان میں شاہ نور محمد مہاروی نے پنجاب میں اور شاہ نیاز احمد بریلویؒ نے یو۔ پی میں، حاجی لعل محمد چشتی دہلویؒ نے دہلی میں اور اجمیر شریف میں اس سلسلہ کو خوب پروان چڑھایا۔

اس زمانہ میں مولانا فخر الدین فخرِ جہاںؒ کے خلفاء نے دہلی میں درس و تدریس کا کام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ حاجی لعل محمدؒ نے مدرسہ اجمیری دروازہ دہلی میں علوم ظاہر کی تعلیم دی، حضرت میر محمدیؒ شہزادگان اور رئیسان دہلی میں جو مرید حضرت مولانا صاحب کے تھے معلم مقرر ہوئے۔ قلعہ معلیٰ کے بہت شاہزادگان کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد تھی۔ اور شاہ ولایت قلعہ معلیٰ بنائے گئے۔ چنانچہ شاہ نیاز احمد بریلویؒ نے بھی کافی عرصہ تک دہلی میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ غلام ہمدانی مصحفی نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی "شانِ علم اور وجاہت" دیکھی تھی جو ریاض الفصحاء کے ایک بیان سے دہلی میں ان کی تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ دیتی ہے[1]۔ آپ نے علم الصرف کی مشہور کتب

---

[1] ریاض الفصحاء ص ۲۳۹ (استفادہ)

"میزان" پڑھی۔ درس و تدریس کا سلسلہ محلہ خواجہ قطب بریلی میں بھی جاری رکھا۔ بہت جلد آپ کا مسکن ایک علمی مرکز اور ادارۂ روحانی اور مدرسہ و خانقاہ بن گیا۔ ہندوؤں نے بھی تلمذ حاصل کیا۔ راجہ کندن لال اشکی، راجہ رتن زخمی اور راجہ منولی لال کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت شاہ نیازؒ صاحب تصانیف تھے۔ آپ کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) شمس العین (۲) رسالہ راز و نیاز (۳) تحفۂ نیاز بحضرت بے نیاز (۴) رسالہ تسمیۃ المراتب (۵) مجموعہ قصائد عربیہ (۶) شرح قصائد عربیہ (۷) حاشیہ شرح چغمینی[1] (۸) دیوان شاہ نیاز

آپ کے اردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں۔ سلاست اور روانی آپ کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ نہایت بلند خیالات، انتہائی سادگی، نفاست اور دل کشی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ان میں ادب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ قلبی واردات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سوز و گداز کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ آپ عشق حقیقی سے سرشار تھے —— سلطان العاشقین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء میں آپ کا کلام بہت مقبول ہے۔ آپ کے دیوان کا اصل موضوع وحدت وجود ہے۔ سارا کلام اسی سے لبریز ہے۔ وحدتِ ادیان کے قائل بھی تھے۔

مسکین شاہ صاحبؒ آپ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ ان سے روایت ہے کہ حضرت شاہ نیازؒ کی مجلس میں ایک بار حسین بن منصور کا ذکر تھا۔ فرمایا:

"حضرت غوث الاعظم فرمودند کہ اگر دے در وقت ما بودے بیک توجہ مقابلکے دے را بود میگزارنیدیم"[2]

(ترجمہ) حضرت غوث الاعظمؒ صاحب فرماتے تھے کہ اگر وہ (حسین بن منصور) ہمارے

---

[1] مکتوب حضرت عزیز میاں بنام پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب۔ (استفادہ) [2] سراج السالکین قلمی ص ۸۴ (مسکین شاہ صاحبؒ کے ملفوظات حکیم محمد شاہ کشمیریؒ نے سراج السالکین کے نام سے جمع کئے ہیں)۔

وقت بن ہوتے تو ہم ایک توجہ میں انہیں اس مقام سے آگے بڑھا دیتے)

بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید شاہ عبداللہ بغدادی قادری گیلانی حضرت غوث اعظمؒ کی اولاد سے تھے۔ دہلی تشریف لائے بمقام جامع مسجد دہلی مجمع عام میں حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاںؒ سے کہا کہ نیاز احمد کو مجھے دے دیجئے۔ ہندوستان میں اسی واسطے آیا ہوں۔ جو امانت اس کی ہے اس کو دے دوں اور حسب الحکم حضرت غوث پاکؒ کے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کردوں۔ اور کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ حضرت مولاناؒ نے ان کا فرمان قبول کیا۔ بعدہٗ بمقام رام پور تشریف لے جا کر اُن سے بھی فیض یاب ہوئے۔ اور نعمت ہائے قادریہ سے مشرف ہوئے۔

حضرت شاہ نیاز احمدؒ نے ۶ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۰ھ کو بمقام بریلی پچانوے ۹۵ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے خلف اکبر حضرت تاج اولیاء شاہ نظام الدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی شاہ نصیر الدین بدایون تشریف لے گئے اور وہیں اُن کا لاولد انتقال ہوا۔ آپ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ہزاروں عقیدت مند ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کے وصال کے بعد صاحبزادے شاہ محی الدین سجادہ نشین ہوئے پھر شاہ صاحبؒ کے نواسے حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ عزیز میاں صاحبؒ نے ۱۷ جنوری ۱۹۶۸ء / ۱۳۸۷ھ کو وفات پائی۔ ان کے بڑے لڑکے شاہ حسن سجاد صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے کل ۵۶ سال کی عمر پائی اور ۱۸ جون ۱۹۸۰ء کو رحلت کی۔ آپ کے بڑے لڑکے حسنی میاں صاحب سجادہ نشین ہیں جو آج بھی اپنے بزرگوں کی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ ان میں ———

حضرت مسکین شاہ صاحبؒ

حضرت مسکین شاہ صاحبؒ ایک خاص مرتبہ کے مالک تھے۔ آپ کا اسم گرامی غلام محمد اور عرف

"مسکین شاہ" ہے۔ والد ماجد کا نام نامی حافظ محمد خیر الدین اور جدّ بزرگوار کا نام مولانا عبد الحلیم ہے قصبہ کشتوار نواح کشمیر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے بزرگ عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ جب آپ سن تمیز کو پہنچے تو آپ کو تحصیلِ علم کے لئے علماء کے سپرد کیا گیا۔ تھوڑے دنوں میں آپ نے علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرلی۔ اِس کے بعد والدین نے اپنی برادری میں آپ کی شادی کردی۔ شادی کے بعد والدین کا انتقال ہوگیا اور امورِ عہدۂ قضا کو آپ انجام دینے لگے۔

ان ہی ایام میں حاکم کشمیر سے کسی بات پر ان بن ہوگئی۔ آپ عہدہ قضا سے مستعفی ہوگئے اور اپنا سب سرمایہ راہ خدا میں لٹا کر دُنیا سے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ کچھ دنوں بعد حضرت کنگال شاہؒ کے حضور میں حاضر ہوئے اور خدمت کرتے رہے۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔

مسئلہ وحدتِ وجود میں آپ کو اطمینان نہ ہوتا تھا۔ پیر کی مجذوبیت سے آپ میں بھی اثرِ جذب پیدا ہُوا اور اسی کے غلبہ میں آپ دہلی آگئے۔ اور چندے بحالت مجذوبی کوہ و بیابان میں پھرتے رہے۔ آخر ایک دن حضرت سیّد غلام علی شاہؒ کی خدمت میں پہنچے۔ اور آپ سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں مرید ہو کر آپ کی خانقاہ میں رہنے لگے تھے کہ آپ نے طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ کی تکمیل کی پھر خلافت اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ مولوی محمد عظمت علیؒ اپنے مرشد حضرت مولانا سیّد سکندر علی صاحب قدس سرہٗ کی سوانح عمری میں تحریر فرماتے ہیں کہ بحالت قیام خانقاہ شریف آپ فرماتے تھے کہ جب تک میں اِس خانقاہ کے چبوترہ پر رہتا ہوں تب تک وحدتِ شہود کا غلبہ رہتا ہے اور جب چبوترہ سے نیچے اُتر آتا ہوں تو وحدتِ وجود غالب رہتا ہے۔

بہ اشارہ غیبی آپ شہر دہلی سے بریلی تشریف لے گئے اور حضرت مولانا شاہ نیاز احمدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا۔ حضرت مولانا نیاز احمدؒ نے فرمایا کہ مسئلہ وحدت الوجود میں تم سے زبانی بیان نہیں کروں گا تم کتاب "فصوص الحکم" لے جاؤ اور فلاں حجرہ میں بیٹھ

لہ مفتی فضل امام مؤلف رسالہ بحرِ عمان نے آپ کا نام نامی جمال الدین تحریر فرمایا ہے۔

مطالعہ کرد ۔ مولانا شاہ نیاز احمدؒ آپ کی جانب توجہ باطنی بھی فرمایا کرتے تھے ۔ یہ نتیجہ ظہور
آیا کہ حضرت مسکین شاہ صاحبؒ کو اطمینان کلی حاصل ہوگیا اور حضرت مولانا سے بیعت
ہوگئے اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ جے پور
میں قیام پذیر ہوں اور رشد و ہدایت میں مشغول ہو جائیں ۔ چنانچہ آپ جے پور تشریف لے
گئے ۔ بہار شاہ والی مسجد میں جو کہ محلہ خرادیاں میں واقع ہے فروکش ہوئے ۔ آپ کی شخصیت
میں بڑی کشش تھی ۔ جہاں ہندو اور مسلمان سب ہی آپ سے عقیدت رکھنے لگے اور آپ
کے گرویدہ ہو گئے ۔ ۲۸ جمادی الاوّل کو ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء کو وصال فرمایا ۔ نواب
... علی خاں صاحب نے آپ کا موجودہ روضہ اور مسجد تعمیر کروائی اور اپنی جائیداد سے
... سو روپے سالانہ نقد بھی مقرر فرمائے ۔ مرحوم وزیر اعظم ریاست جے پور تھے ۔[1]

شاہ مسکین چوں بحق شد واصل
رفت نزدِ خدا خدا آگاہ
گفت تاریخ رحلتش سرورؔ
کہ امامِ بہشت مسکین شاہ

آپ کے خلفائے نامدار کے نام جو دریافت ہوئے حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ حضرت مولانا سید سکندر علی صاحب الٰہ آباد میں
۲ ۔ حضرت فیض اللہ شاہ صاحب کرنال میں
۳ ۔ حضرت سخاوت علی صاحب ولایتی لکھنؤ میں ۔

---

[1] ماخذ: مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیہ جلد اوّل ص ۵۹۹ (سنہ ۱۲۸۰ھ) ؛ تاریخ مشائخ چشت: پروفیسر جناب خلیق احمد نظامی؛ کشف للسکین علی اصحاب الیقین: مولوی محمد عبدالرحیم؛ رسالہ تحفۃ المسکین الی سائر المسلمین ۔

۴۔ حضرت مولوی محمد گل صاحب ولایتی لکھنؤ میں ۔
۵۔ حضرت صادق علی شاہ صاحب ولایتی جے پور میں
۶۔ حضرت حکیم ولی محمد صاحبؒ ریاست سیکر راجپوتانہ میں
۷۔ حضرت محبوب علی شاہ صاحب رحؒ ولایتی فتح پور میں

ذکر حضرت حاجی لعل محمدؒ

حاجی لعل محمدؒ کے ابتدائی حالات

حاجی لعل محمد چشتیہ نظامیہ خاندان میں حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کے مرید خلیفہ تھے ۔ بڑے عابد ، زاہد اور متقی تھے ۔ علوم ظاہر و باطنی کے جامع تھے ۔ اپنے زمانے کے بڑے صاحب فیض و کرامت اور ولی کامل بزرگ ہوئے ہیں ۔ بے شمار لوگوں کو آپ سے فیض ظاہری اور باطنی حاصل ہوا ۔ معاصر تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ آپ کے خلفا اور عقیدت مندوں کی کثیر تعداد تھی جنہیں رحمتِ الٰہی نے اپنے لطف و کرم کا مظہر بنا کر خلق خدا کی ہدایت و تزکیہ کے لئے مقرر فرمایا ۔ قبلہ حاجی صاحب کے بچپن اور جوانی کے حالات بہت کم یاب ہیں ۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اب تک دست یاب نہیں ہو سکا کہ آپ نے ابتدائے تعلیم سے انتہائے علم تک ، عالم سے محقق تک اور تحقیق سے تصوف تک کے فاصلے کب اور کیسے طے کئے ۔ آپ کے والدِ محترم کا اسم گرامی کیا تھا

ٓپ کس سن میں اور کہاں پیدا ہوئے کس جگہ تعلیم پائی اور آپ کے اُستادِ گرامی کا
نام تھا۔ اِس بارے سوانح نگار اور مؤرخین مکمل طور پر خاموش ہیں معاصرانہ تذکروں
ورکتب تاریخ میں آپ کا ذکر نہ ہونے کے باعث آپ کی زندگی کے حالات بڑی حد
تک پردۂ اخفا میں ہیں۔ کچھ اور ماخذ مِل جانے سے یہ اُلجھن بھی رفع ہو سکتی
ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ شہرت کو پسند نہ کرتے ہوں اور تبلیغی فرائض کو ثواب دارین
سمجھ کر انجام دیتے ہوں اور گمنامی کے گوشہ میں اپنا بچپن اور جوانی بسر کی ہو۔

تحقیق سے عِلم ہوتا ہے کہ اکثر مشہور خلفاء، مریدین اور عقیدت مند حضرت
مولانا فخر الدین فخرِ جہاں رح کے مدرسہ کے طلباء ہی تھے۔ اس بیان کی روشنی میں بلا تردید
کہہ سکتے ہیں کہ قبلہ حاجی محمد لال محمد صاحب رح، حضرت مولانا صاحب رح کے اسی دار العلوم
(مدرسہ اجمیری دروازہ دہلی) کے طالب علم ہوں گے۔ بچپن اور جوانی یہاں ہی بسر
کی ہو گی۔ بغیر کسی معاوضہ کے وعظ و خطابت اور درس و تدریس کی خدمات انجام
دیتے رہے ہوں گے۔ آپ کے درس میں مبتدی اور منتہی دونوں شریک ہو کر اپنی
اپنی استعداد کے مطابق اخذ فیض ہوتے ہوں گے مگر لاہور کے چند بزرگوں کا
بیان ہے کہ قبلہ حاجی صاحب رح کا گاؤں "لکھو ڈیرہ" تھا جو مضافات لاہور سے ہے
آپ کے آباء و اجداد کا پیشہ کاشتکاری تھا۔ ساجھے پر کاشت کیا کرتے تھے۔ قوم کے
الراعی (ارائیں) بیان کئے جاتے ہیں سکھوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ترک وطن
ہوئے۔ گھر سے بے زادِ راہ نکلے۔ ماں باپ عزیز و اقارب کی محبت اور ان کے سلوک
کو اپنے دل سے دھو کر غربت و مفلسی کا لبادہ اوڑھے کسی عالم فاضل کا نام سن کر
اس کے قدموں پر جا گرے ہوں گے اور زندگی کا بیشتر حصّہ گمنامی میں بسر کیا ہو گا۔
کوشش کے باوجود آپ کے خاندان کے افراد کی نشان دہی ابھی تک نہیں ہو سکی۔

درگاہ اجمیری دروازہ دہلی حاجی صاحبؒ کی تحویل میں

حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاںؒ کا مدرسہ امتیازی شان رکھتا تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ طلبہ و مریدین کو قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور عقائد کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کی وفات کے بعد آپ کے جلیل القدر خلیفہ حاجی لعل محمد صاحبؒ نے آپ کے مشن کو جاری رکھا اور مدرسہ اجمیری دروازہ میں درس و تدریس اور ارشاد و تلقین کے فرائض برسوں تک انجام دیتے رہے۔ حضرت مولانا فخر صاحبؒ نے خرقۂ خلافت عطا کرنے کے بعد آپ کو اپنے ہمراہ اجمیر شریف لے گئے وہاں آپ پورے بارہ برس آستانہ مبارک خواجہ بزرگؒ کے روضہ کے سامنے حاضر رہے۔ اسی دوران آپ نے حضرت خواجہ بزرگؒ کی اجازت سے تین مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حج سے ہر مرتبہ فارغ ہوکر روضہ مبارک پر حاضر ہوتے۔

بارہ برس کے قیام میں حضور خواجہ غریب نوازؒ کے دربار سے قبلہ حضرت حاجی صاحبؒ کو بے شمار نعمتیں حاصل ہوئیں۔ سب سے پہلے آپ نے اجمیر شریف میں بیعت لینی شروع کی۔ بہت مریدین آپ کے اجمیر شریف میں ہوئے۔ پھر آپ دہلی تشریف لاتے اور پیر و مرشد کی مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوتے۔ سلسلہ درس کو مدرسہ اجمیری دروازہ میں فروغ دیا اور رشد و ہدایت کی شمع کو فروزاں کیا۔[1] اس امر کی تحقیق نہیں ہوسکی کہ قبلہ حضرت حاجی صاحبؒ نے درس و تدریس کا سلسلہ مدرسہ خورد یا مدرسہ کلاں میں شروع کیا مگر بیان کرتے ہیں کہ مدرسہ خورد، مدرسہ کلاں کا ہی حصہ تھا جو آپ کی نگرانی میں اور اجمیری دروازہ میں واقع تھا۔ آپ نے اس درس گاہ کو وسعت دی یہ ایک روحانی تربیت گاہ تھی جس میں روح کے روگی داخل ہوتے اور تربیت کامل

---

[1] سلسلۃ الذہب ص ۶۵۔ ۶۶

کر واپس جاتے۔ اس زبوں حالی میں مردہ دلوں کو زندہ کرتے اور نورِ کردار سے منوّر کرتے۔ آپ خاک راہ در زنداں تھے۔ ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت میں اپنے مشائخ چشت کی پیروی کرتے۔ ہمیشہ ترویجِ کتاب وسنّت اور رفع بدعت و الحاد میں مصروف رہتے۔ آپ کے حلقۂ تربیت میں لاتعداد صلحاء فیض یاب ہو کر نکلے جنہوں نے سرزمین پاک و ہند میں اپنے علمی اور روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر کو مستفید کیا۔ مگر تاریخ کے اوراق اور تذکرہ نویس ان بزرگوں کے نام اور ان کی خدمات کو نشان دہی نہیں کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس انتشار و ابتری دور میں جسے ہر طرف سے طوفانی عناصر نے گھیر رکھا تھا۔ یہ قومی سرمایہ تباہی و بربادی کے ہاتھوں نہ بچ سکا۔

حضرت حاجی لعل محمد صاحبؒ جب دہلی میں حضرت مولانا فخر الدینؒ سے شرف بیعت ہوئے تو آپ کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور دہلی میں عالم، معلّم، روحانی پیشوا، مرید و خلیفہ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ معاشرے میں جو فسادات پیدا ہو چکے تھے۔ ان کی اصلاح اپنی پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ کردار کی مثال پیش کر کے اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ ضابطہ تصوّف کو اخلاق حسنہ اور خدمتِ خلق کا نام دیا اور خاکِ راہ در زنداں کے نام سے اجاگر ہوئے۔

حضرت سیّد محمد شمس الدین اجمیریؒ اور حاجی لعل محمد صاحبؒ کا اتحاد

سیّد محمد شمس الدین اجمیریؒ حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے خلفاء سے تھے۔ ان کو حاجی صاحبؒ سے بہت پیار تھا۔ ان دونوں بزرگوں میں اعلیٰ درجہ کا اتحاد تھا۔ سیّد صاحب اجمیریؒ کو جس قدر نعمتیں بارگاہ حضرت مولانا فخر صاحبؒ سے عطا ہوئیں۔ آپ نے بوجہ اتحاد کے حاجی صاحبؒ کو تفویض کر دیں اور فرمایا کہ میری جانب سے بھی آپ ہی رہنمائی عالم فرمائیں اور بیعت لیں۔ آپ نے زندگی بھر کسی کو مرید نہ کیا۔[۱] آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق

---

[۱] سلسلۃ الذہب ص ۶۷، تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۰ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شمس الدین اجمیریؒ (اگلا صفحہ)

خانقاہ شریف حضرت خواجہ غریب نواز کے قریب میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار مبارک خانقاہ اجمیر شریف جھالرہ کے اُوپر مسجد شاہ جہانی کے جانب جنوب واقع ہے۔

بقول حافظ عبدالشکور خان صاحب (اجمیری) کہ ان کی والدہ محترمہ حاجی لعل محمد صاحب رح سے بیعت تھیں۔ آپ نے اپنا شجرہ طریقت اپنے قلم سے تحریر فرما کر بی بی صاحبہ کو عنایت کیا۔ اِس شجرہ مبارک کو اس سلسلہ کے ایک بزرگ میاں علی محمد خان مرحوم نے عکس بنوا کر عقیدت مندوں میں تبرک کے طور تقسیم کیا۔ اس شجرہ مبارکہ کے مطالعہ سے اِس بات کا علم ہوتا ہے کہ قبلہ حاجی صاحب رح اپنے اسم گرامی کے ساتھ آغاز میں ہمیشہ کے لئے رفیق وشفیق ومہربان۔ اور پیر بھائی پیر سیّد محمد شمس الدین اجمیری کا اسم مبارک شامل کر لیا کرتے تھے جو آپ کے مکمل اتحاد، تعاون اور محبت کی نشانی تھی۔ اِس بیان کے ثبوت میں حاجی صاحب رح کے شجرہ طریقت سے چند واسطوں کا ذکر بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

"الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رح

---

(۲۰) کے مرید بھی تھے۔ تکملہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔ "سیّد محمد شمس الدین رح کے مزار مبارک او نشان در اجمیر شریف است داین درویش (خواجہ گل احمد پوری) نیز مرقد مبارکش رسیدہ عجیب جائے آرام دلہا است، مرزا چمن بیگ نیز مرید شاہ شمس الدین بود"۔

(ترجمہ): سید محمد شمس الدین رح جن کا مزار اجمیر شریف میں ہے۔ راقم (خواجہ گل احمد پوری) نے اُن کے مرقد پر حاضری دی۔ عجیب آرام دہ مقام ہے اور مرزا چمن بیگ بھی شاہ شمس الدین رح کے مرید تھے"۔ اس کے علاوہ یہ حیرانگی کی بات ہے کہ مصنف تکمیلہ سیر الاولیاء نے حضرت مولانا صاحب رح کے خلفاء کے ذکر میں قبلہ حاجی لعل محمد صاحب رح کے بارے کچھ نہیں لکھا اور نہ ہی خلفاء کی فہرست میں آپ کا اِسم گرامی درج کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اِسم گرامی درج کرنا بھول گئے ہوں یا آپ کے حالات سے واقف نہ ہوں اور اس بارے کوئی تحقیق نہ ہو

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ فخر الملتہ والدین محبّ النبی مولانا محمد فخر الدینؒ

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ زبدۃ العارفین میر محمد شمس الدینؒ

الٰہی بکربت و غربت معدن المعاصی و مخزن الانام خاک راہ درمنداں سیّد محمد شمس الدین..

حاجی لعل محمد غفر اللہ ذنوبہا و ستر عیوبہا" .....

حاجی لعل محمد صاحبؒ کے اخلاق و عادات تصرفات اور باطنی توجہات

حاجی صاحبؒ کا مدرسہ اجمیری دروازہ (دہلی) علوم ظاہری کی تعلیم کے علاوہ روحانی تعلیم و تربیّت کا بھی اہم مرکز تھا آپ مرد کامل و اکمل، صاحب تصرف اور زبردست جذبہ کے مالک تھے۔ آپ کی روحانی طاقت بھی بہت زبردست تھی۔ تمام عمر ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں گذاری۔ علمی اور روحانی فیوض و برکات سے ایک دنیا کو فیض یاب کیا۔ آپ کی تاثیر صحبت کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا اپنے دل میں محبت و انس کی زبردست جذبہ لے کر جاتا اور جس پر ذرا بھی توجہ کی نظر ہوتی وہ اپنے دل کو قابو میں نہ رکھ سکتا تھا۔ آپ نہایت ہی کریم النفس، عمیم الاشفاق اور منکسر المزاج تھے۔ عاجزی اور خوش اخلاقی میں بلند مقام رکھتے تھے[1]۔

آپ کے باطنی توجہات و تصرفات کے واقعات بکثرت دستیاب ہیں مگر بوجہ خوف طوالت آپ کے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

تذکرہ غوثیہ میں درج ہے[2] کہ ایک روز ارشاد ہوا کہ ہماری عمر[3] آٹھ سال کی تھی کہ جناب[4] دادا صاحب و نانا صاحب[5] اور والد بزرگوار[6] اپنے ہمراہ ہم کو حاجی لعل محمد صاحبؒ

---

[1] سلسلۃ الذہب ص ۶۲ [2] تذکرہ غوثیہ تصنیف مولانا گل حسن شاہ قادری ملفوظات حضرت غوث علی شاہ قلندر قادری [3] مراد غوث علی شاہ [4] مراد ظہور الحسن صاحب [5] مراد محمد حیات صاحب [6] مراد مرزا احمد علی دہلوی صاحب۔

کی خدمت میں لے گئے۔ یہ بزرگ حضرت مولانا فخر الدین صاحب چشتی نظامیؒ کے خلیفہ
جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور بڑے تپاک
سے اپنے پاس بٹھایا پھر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ فرمانے لگے: ہمارے پاس
تمہاری امانت ہے لے لو۔ اس وقت مجلس خاص تھی۔ دروازہ بند کیا اور قوال خو
الحان غزل گا رہے تھے کہ حضرت کو جوش آیا اور میری طرف متوجہ ہو کر القا کیا۔ میں
بے خود اور بے ہوش ہوا کہ تن و بدن کی بھی کچھ خبر نہ رہی بلکہ اسی دم علم بھی با
مفقود تھا۔ نانا صاحب خفا ہونے لگے کہ اس صغیر سن بچہ پر ایسی سخت نظر کیوں
والد نے عرض کیا کہ حضرت جائے شکر ہے نہ محل شکایت۔ یہ بچہ بڑا صاحب نص
ہے پھر والد صاحب مجھے گھر اٹھا لائے۔ آٹھ دن تک ایسی حالت رہی۔ نویں
ہوش آیا اور طبیعت غالب ہوئی۔ اس روز سے جس بزرگ کی خدمت میں حاض
کا اتفاق ہوا کسی کی توجہ کا اثر نہیں ہوا۔ اور اگر کچھ ہوا بھی تو بے خودی طاری
اور اگر آناً فاناً بے خودی بھی ہوئی تو علم نے مطلق جنبش نہیں کی۔

سید غوث علیؒ پر حاجی صاحبؒ کی نظر کرم تھی جس کی بدولت آپ فیض
ہوتے۔ اور ان کو اپنے وجود کی لطافت، سنجیدگی اور بردباری کا احساس ہو
مولوی محمد اسماعیلؒ سے کافیہ پڑھی۔ مولوی شاہ اسحاقؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ
کا درس لیا۔ کچھ کتابیں مولوی فضل امام خیرآبادیؒ سے پڑھیں۔ سلوک کی تعلیم اور
تربیت قبلہ حاجی صاحبؒ سے پائی۔

مناقب حافظیہ[1] میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ایک
جامع مسجد میں مراقبہ کر رہے تھے جب آنکھ بند کرتے تو آنکھ کھل جاتی۔ آخر کار پوچھ
کیا اس وقت مسجد میں شاہ فخر صاحبؒ کے مریدوں میں کوئی شخص موجود ہے۔ معلوم

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۲۹ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص ۵۲۸ (استفادہ)

کہ حاجی لعل محمد صاحبؒ مسجد کے گوشہ میں وظیفہ کر رہے تھے۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ قبلہ حاجی صاحبؒ کی نظر کیمیا اثر تھی۔ اور زبردست روحانی طاقت کے مالک تھے۔

محمد یار فخریؒ حافظ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں قبلہ حاجی لعل صاحبؒ کے پاس رہا۔ عشاء کی نماز کے بعد سونے کا ارادہ کیا۔ دل میں کہا حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے خلفاء کو دیکھا گیا ہے کہ تمام رات جاگتے رہتے ہیں۔ اتنا خیال آتے ہی حاجی لعل محمد صاحبؒ نے کہا "تمام رات جاگنا بہت اچھا کام ہے مگر اس وقت بہتر یہ ہے کہ لیٹ جائیں، چادر اوڑھ لیں۔" لیٹ کر ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے۔ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔ آپ بڑے عابد تھے۔ تمام رات جاگتے تھے۔ اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

قبلہ حاجی صاحبؒ کے مقامات کی رفعتیں، سیر و سلوک کے منازل، تبلیغی سرگرمیاں، روحانی پرواز اور بلندئ مقام کو لفظوں میں بیان کرنا دشوار ہے۔ یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ آپ نام و نمود اور شہرت کو گناہ عظیم سمجھتے تھے اس لئے آپ کے کارنامے تحریری زبانی روایات کی شکل میں قائم رکھنے کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ دی اور یہ قیمتی سرمایہ قوم کے لئے محفوظ نہ رہ سکا۔

وصال و مزار مبارک

قبلہ حاجی صاحبؒ کا وصال ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۳۹ھ کو دہلی میں ہوا آخری عمر میں آپ جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اور دُنیا سے تشریف لے جانے کے وقت آپ پر غشی کی صورت پیدا ہو گئی۔ لوگ طبیب کو بُلا لائے۔ اُس نے نبض دیکھ کر کہا کہ بے ہوشی ہے۔ لیکن آپ نے چہرہ سے چادر اُٹھا کر فرمایا کہ اللہ کے دوست بے ہوش نہیں ہوتے اور پھر چادر اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے خالق حقیقی سے جا ملے[۲]۔

---

[۱] مناقب فخریہ تالیف غازی الدین خاں نظام، ترجمہ و ترتیب میر نذر علی درد کاکوروی ص ۲۲۸

[۲] سلسلۃ الذہب ص ۶۷، تاریخ اولیائے صوبہ دہلی ص ۲۰۱ ۔

آپ کا مزار پُر انوار حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہیؒ کی درگاہ میں مشرقی دروازہ کے بالکل ساتھ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ کتبہ سنگ مرمر کا لگا ہوا ہے۔[1] آپ کا فیضان آج بھی جاری و ساری ہے۔ ہزاروں زائرین آپ کی چوکھٹ کے سامنے پیش ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور دین و دنیا کی حاجتوں کو پورا ہونے میں آپ کا وسیلہ بناتے ہیں۔ آپ کا عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ۱۱، ۱۲ رمضان المبارک بعد از نماز مغرب آستانہ محبوبِ الٰہیؒ دہلی میں منایا جاتا ہے۔

دورِ حاضرہ کی ایک معروف بزرگ ہستی میاں علی محمد خاں صاحبؒ المعروف بہ میاں صاحب بسی شریف والے قبلہ حضرت حاجی لعل محمدؒ کی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے اور قبلہ حضرت حاجی لعل محمد صاحبؒ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں جو اس طرح بیان کئے جاتے ہیں: حضرت میاں علی محمد خاں صاحبؒ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ محمد شاہ ہوشیار پوریؒ، وہ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ حافظ وزیر محمد عرف خواجہ محب اللہ شاہ دہلویؒ، وہ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ مرزا بخش اللہ بیگؒ، وہ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ حافظ حاجی لعل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ مرزا بخش اللہ بیگ

بیان کرتے ہیں[2] کہ حضرت مرزا بخش اللہ بیگ مرشد کی تلاش میں ایک مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنے رنگ میں رنگ دیا اور آپ بھی مجذوب ہو گئے۔ آپ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ جو کوئی آپ کے پاس جاتا آپ اس کو گالیاں دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کو اسی حالتِ جذب میں گالیاں دیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں تمہاری ماں ہوں۔ ماں باپ کی عظمت اور ان کے آداب کا حکم قرآن و حدیث میں بہت تاکید کے ساتھ آیا ہے۔ تم نے اس کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ تم خدا کو کیا جواب دو گے۔ آپ نے اپنی ماں کی یہ باتیں سن کر زبان مبارک

---

[1] مزارات اولیاء دہلی حصہ اول ص ۳۰، تاریخ مشائخ چشت ص ۵۳۹، تاریخ اولیاء صوبہ دہلی مؤلفہ رکن الدین نظامی دہلوی ص ۲۰۱ [2] سلسلۃ الذہب ص ۶۹۔

پر اُسترا پھیر لیا اور فرمایا کہ اس زبان سے پھر والدہ ماجدہ کو کوئی گالی نہ نکلے گی۔[1]

ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ نے قبلہ حاجی صاحبؒ جن کے مقامات کی رفعتیں، سیر و سلوک کی منازل، تبلیغی سرگرمیاں، روحانی پرواز اور بلندی مقام کو لفظوں میں بیان کرنا دشوار ہے، کے حضور میں تشریف لے گئیں اور اپنے فرزند کو صحیح حالت میں لانے کی درخواست کی قبلہ حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کو ہمارے پاس لے آؤ۔ چنانچہ قبلہ حاجی صاحبؒ کی خدمت میں مرزا صاحب کو حاضر کیا گیا۔ قبلہ حاجی صاحبؒ نے معاً ایک نظر کیمیا اثر سے ان کی مجذوبیت کو جذب فرما کر نعمتِ سلوک سے مالا مال کیا اور دولتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ پھر تو آپ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ جس پر ایک نظر توجہ فرماتے تھے اس کو محبتِ الٰہی کی دولت حاصل ہو جاتی تھی۔[2] فاسد عقیدہ رکھنے والوں کے حق میں تو آپ اکسیرِ اعظم تھے۔ جو بدعقیدہ آپ کی نظر کے روبرو آ گیا وہ عقیدۂ فاسدہ سے تائب ہو گیا۔ پھر مدت العمر آپ کے قدم مبارک سے سر نہ اُٹھاتا تھا۔ اور ایک ادنیٰ توجہ سے ایک ساعت میں رند شرابی بھی تائب ہو جاتے تھے۔

آپ نے صرف تین صاحبوں کو خرقہ خلافت عطا فرمایا: (۱) خواجہ وزیر محمد گوڑیانوی عرف شاہ محب اللہؒ (۲) حافظ صاحبؒ میرٹھی (۳) حافظ نصیر الدین دہلویؒ۔ بجز ان تین بزرگوں کے اور کسی کو مرزا صاحب نے مرید نہیں کیا۔ البتہ جس شخص پر اور خاص کر بدعقیدہ پر آپ کی نظر کیمیا اثر ہو جاتی تھی وہ راسخ الایمان اور صحیح العقیدہ ہو جاتا تھا۔[3]

آپ کا وطن دہلی تھا۔ بچپن میں ہی آپ اپنے والدین کے ساتھ اجمیر شریف خانقاہ خواجہ بزرگ غریب نوازؒ میں حاضر ہوا کرتے۔ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت روضہ مبارک

---

[1] روزنامہ "جرأت" لیتا ور۔ مضمون بسایٔس ظفر فریدی [2] میاں اخلاق احمد: تذکرہ حضرت حاجی لعل محمدؒ ص ۴۶۔۴۷ [3] سلسلۃ الذہب ص ۷۲

کے رُوبرو آئے تو محبتِ الٰہی آپ کے قلب پر طاری ہوئی اور آپ مزار شریف کے رُوبرو گر گئے - یہ پہلا روحانی فیض آپ نے خواجہ بزرگ رح سے حاصل کیا، دوسرا حاجی لعل محمد صاحب رح کے حضور میں حاضر ہو کر خرقہ خلافت ولعمت ہائے بیکراں عطا ہوئی اور دولتِ سرمدی ونعمتِ ابدی سے جو خاص آپ ہی کا حصہ تھا سے مالامال ہوئے۔

آپ کی تاثیر صحبت کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی خدمت والا میں حاضر ہوتا، وہ اپنے دِل میں محبت وانس کا ایک زبردست جذبہ لے کر جاتا اور جس پر ذرا بھی توجہ کی نظر پڑتی وہ اپنے دل میں ضبط وقابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔

یہ آفتاب چشت کا مہر منیر ۱۷ شوال ۱۲۷۷ھ ہمیشہ کے لئے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا - ۱۶، ۱۷ شوال کو آپ کا سالانہ عرس دہلی میں منایا جاتا ہے۔ مرزا بخش اللہ بیگ زاہد مادہ تاریخ وصال ہے[1] آپ کا مزار دہلی میں حضرت محبوبِ الٰہی رح کے جوار میں حضرت حاجی لعل محمد رح کے مزار کے قریب واقع ہے:

خواستم تاریخ وصلش از خرد
گفت وائے میرزا بخش اللہ بیگ
۱۲۷۷

حضرت خواجہ حافظ وزیر محمد خان عرف خواجہ محب اللہ رح

نام نامی آپ کا حافظ وزیر محمد ہے اور آپ کے مرشد نے بوجہ افراطِ محبتِ الٰہی آپ کا نام محب اللہ شاہ قرار دیا۔ آپ کا وطن مالوف قصبہ گوڑیانی ضلع گوڑگانواں ہے۔ نقل مکانی کر کے دہلی تشریف لائے اور اپنا مسکن شاہ جہاں آباد مقرر فرمایا۔ واصل حق ہو کر دہلی میں پیوند خاک ہوئے۔ حضرت خواجہ مرزا بخش اللہ بیگ سے شرف بیعت اور اعزاز خلافت

---

[1] شجرہ چشتیہ فریدیہ - مرتب سائیں نذیر حسین فریدی ساہیوال

اور بارگاہِ خواجہ غریب نوازؒ سے بہت سی نعمتیں عطا ہوئیں۔ اور دولت ابدی سے
ال ہوئے۔ آپ خوفِ الٰہی سے ہر دم ترساں رہتے تھے۔ ہر وقت چشمانِ مبارک
نوؤں سے نمناک رہتی تھیں۔ اگر کوئی سبب دریافت کرتا تو زبانِ مبارک سے
شاد ہوتا کہ میاں کی طبیعت نازک و لطیف ہے۔ مبادا کوئی امر مرضی کے خلاف
ح نہ ہو جائے[1]

آپ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ مرزا بخش اللہ بیگ کے اوصافِ حمیدہ کا کامل
رتھے۔ اپنے دیگر دو پیر بھائیوں سے اس مشابہت میں ایسا مخصوص امتیاز رکھتے
جو صراحت و بیان کا محتاج نہ تھا۔ تیرھویں صدی ہجری کے تقریباً وسط میں سلسلہ
یہ کا یہ گوہر آبدار سرزمین دہلی میں ابھرا اور تقریباً چالیس برس اپنی روحانی صلاحیتوں
خلوقِ خدا کی اصلاح کرتا رہا۔ اور مشعل اسلام روشن تھی۔ انہی قدسی صفات
ت کی کوششوں اور کاوشوں سے سلسلۂ چشتیہ کو فروغ حاصل ہوا۔

آپ جامع مسجد دہلی کے جنوبی حجروں میں سے ایک حجرہ میں جس کا رُخ جنوب
فی تھا، معتکف رہتے تھے۔ ریاضات شاقہ از قسم اذکار و اشغال میں ہمیشہ مشغول
تے۔ آپ کے مریدین بکثرت تھے۔ خواجہ محمد شاہ چشتیؒ جن کا تعلق ہوشیار پور کی پٹھان برادری
تھا نسبی رجحان کی بنا پر دہلی میں فوج کی ملازمت اختیار کر لی اور "دہلی سواراں پولیس"
بھرتی ہو گئے۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور دینداری کا زبردست جذبہ تھا۔ طبیعت فقر دوست
نع ہوئی تھی۔ اکثر جامع مسجد دہلی میں اداءِ نماز کے لئے جایا کرتے تھے اور طبعی رجحان
مطابق مردِ حق آگاہ کی تلاش میں رہتے۔ اس مسجد کے ایک حجرہ میں حضرت حافظ
ید محمد خان صاحبؒ (شاہ محب اللہ) مسند آرا تھے۔ ان کی مجلس میں تشریف لے گئے۔
شینی اثر پذیر ہوئی۔ آپ کی روحانی کشش سے بہت جلد متاثر ہو کر بیعت سے مشرف

---

[1] سلسلۃ الذہب ص ۷۵

ہوئے ۔ دولت خلافت و ولایت و محبوبیت کا حصّہ خاص آپ کو عطا فرمایا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بوٹی لگا دی ہے ۔ اب یہ خود بخود نشو ونما پا کر بار آور ہو گی ۔

حضرت شاہ محب اللہ چشتی دہلوی نے ۱۲ رجب ۱۲۹۵ھ کو وفات پائی۔ آپ کا مزار حضرت خواجہ محبوب الٰہی دہلویؒ کی بارگاہ کے سامنے اور حضرت مرزا الٰہی بخش اللہ بیگ کے مزار کے پاس ہے ۔ جو زیارت گاہِ خلائق ہے ۔

قطب الاقطاب شیخ المشائخ
حضرت خواجہ میاں محمد شاہ چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ

خاندان و سلسلہ نسب

حضرت میاں محمد شاہ کے والد ماجد کا نام میاں دولت خان تھا۔ ان کی ایک بیٹی اور تین بیٹے تھے ۔ ایک کا نام محمد پائندہ خان، دوسرے احمد خان اور تیسرے کا نام میاں محمد خان صاحب تھا۔ حضرت کے والد فوج میں سردار تھے ۔ اور برادرِ بزرگوار دہلی میں تھانیدار تھے ۔ ابتدائی زندگی کے حالات کا علم نہ ہو سکا۔ حضرت میاں صاحب کا قد نہ بہت لمبا اور نہ ہی پست تھا۔ بلکہ موزوں درمیانہ تھا۔ رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ پیشانی کشادہ ۔ سینہ فراخ ۔ آنکھیں بڑی نہ چھوٹی جسم بھرا ہوا سڈول تھا۔ چہرہ میں نورانیت تھی ۔ حضرت قبلہ میاں صاحب ہوشیار پور کے ممتاز پٹھانوں کے خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ حضرت میاں صاحب نے عین عالمِ شباب میں ہی اپنے نسبی رجحان کی بنا پر دہلی کے رسالہ (آرمڈ) میں ملازمت اختیار کر لی تھی، طبع مبارک اوائل ہی میں اپنی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی خاطر کسی اللہ والے کی تلاش و صحبت اور ہم نشینی اختیار کرنے کی جستجو میں لگے رہتے تھے ۔

مرشد کی تلاش

پیر کی تلاش ان کو کشاں کشاں جامع مسجد دہلی لے

جاتی رہی۔ وہاں ایک صاحب ذوق سے ملاقات ہوگئی۔ وہ صاحب ذوق حضرت شیخ المشائخ حافظ وزیر محمد صاحب چشتی نظامی فخری المعروف حضرت شاہ محب اللہ چشتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت شاہ محب اللہ چشتیہ نظامیہ سلسلے کے چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔ ایک دن حضرت شاہ محب اللہ نے حضرت خواجہ میاں محمد شاہ کی قلبی استعداد اور قابلیت دیکھ کر خلوت میں کچھ پڑھکر دم کیا۔ اور فرمایا کہ بوٹی لگا دی ہے۔ اب یہ خود بخود نشوونما پاکر بارآور ہوگی۔ حضرت میاں صاحب کو مخاطب کرتے فرمایا کہ محمد شاہ دو کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل مراد تک نہ پہنچ سکو گے گویا یہ اشارہ تھا کہ ملازمت ترک کر کے خلوت نشینی اختیار کریں۔ اس واقعہ سے متصل اسہال کا عارضہ ہوا جو کئی دنوں تک رہا گویا تزکیۂ نفس کے ساتھ ہی مادی ملوثات سے جسم کا تنقیہ اور تصفیہ فرما دیا۔ ایک دن حضرت میاں صاحب بسلسلہ ملازمت (ڈیوٹی) کسی مقدس مقام پر مامور تھے کہ اتفاقاً ایک انگریز نے وہاں بوٹ سمیت داخل ہونے کی کوشش کی تو آپ نے اس بے باکانہ حرکت کی مزاحمت کی۔ اور انگریز کو اندر داخل نہ ہونے دیا۔ وہ کبیدہ خاطر ہو کر واپس چلا گیا اور آپ نے اسی دن ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ترک ملازمت کے بعد آپ نے مکمل گوشہ نشینی عزلت گزینی کو اختیار کر لیا اور عہد کیا کہ جب تک تکمیل سلوک نہ ہوگی مجاہدات و ریاضات کو روحانی مدارج طے کرنے کے لئے قائم رکھوں گا اور تمام عمر اس طلب میں صرف کروں گا۔

اجمیر کی حاضری

حضرت شاہ محب اللہ کی ایک صاحبزادی تھی جو اس وقت بقید حیات تھیں کا بیان ہے کہ حضرت شاہ محب اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے کچھ دن بیشتر خواجہ میاں محمد شاہؒ کو ارشاد فرمایا کہ اجمیر شریف ہو آؤ۔ چنانچہ خواجہ میاں محمد شاہ حسب ارشاد اجمیر کو چلے

گئے. آپ کی واپسی سے پہلے حضرت شاہ محب اللہ کا انتقال ہو چکا تھا. میں نے بارہا بگوش خود والد صاحب کی زبان سے سنا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خلافت میں نے محمد خان کے حق میں طے کر دی ہے اور وہ میرے خلیفہ ہیں. اہلِ خانہ نے حضرت خواجہؒ کی وصیت کے مطابق آپ کے تبرکات. وظائف. عصا اور تسبیح حضرت میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کئے. جو اس وقت تک آپ کے خاندان میں موجود ہیں. آپ کو حضرت خواجہ محب اللہ کا جانشین تسلیم کیا گیا. دستار بندی کی مجلس میں خاندان عالیہ نظامیہ فخریہ کے دیگر بزرگان دین کے علاوہ حضرت خواجہ شاہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین حضرت فخر جہاں دہلوی بھی شامل تھے. حضرت شاہ محب اللہ دہلوی کے وصال کے بعد آپ نے ریاضت و مجاہدہ کی نیت سے ڈیرہ دون کے پہاڑوں کا رخ فرمایا. اس کے بعد اجمیر شریف. دہلی. جے پور، اندور، قلعہ مانڈو، فیروزپور جگراؤں. لدھیانہ. لاہور. جالندھر. تونسہ شریف. قصور پیران دھار، پیران پٹن اور پاکپتن شریف بارہا پا پیادہ تشریف لے گئے. روزانہ آپ چالیس میل سفر کرتے. نماز تہجد پڑھکر روانہ ہوتے دس بجے کے قریب سفر ختم کر کے آرام فرماتے بعد فراغت نماز ظہر اپنے اوراد و وظائف پڑھا کرتے اور شب باش ہو کر بدستور دوسرے روز معمول کے مطابق چل پڑتے.

اندور میں قیام جامع مسجد اندور میں آپ نے اڑھائی برس کے قریب اعتکاف کیا. اُس زمانے میں یہ مسجد بالکل غیر آباد تھی. جب آپ نے وہاں قیام کیا تو اس کے بعد تھوڑے نمازی آنے شروع ہوئے. آپ کی برکت سے بہت جلد اس مسجد کی حیثیت جامع مسجد میں تبدیل ہو گئی اور پُر رونق ہو گئی اس وقت سے یہی جامع مسجد اندور کے نام سے مشہور ہو گئی. کبھی کبھی اندور سے گذر کر علاقہ دھار اور قلعہ مانڈو میں تشریف لے جاتے

تھے۔ مانڈو ایک عجیب متبرک سرزمین ہے۔ اس کے کھنڈرات کو دیکھنے سے
شاہانِ سلف کی شان وشوکت کا عظیم الشان نظارہ آنکھوں سے گذر جاتا ہے۔
اولیاء کاملین کے مزارات بکثرت ہیں۔ قلعہ مانڈو میں ایک عظیم الشان جامع مسجد
ہے۔ اس کے سامنے حضرت خواجہ عبداللہ شطاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے
یہ بزرگ خاندان شطاری کے اکابرین میں سے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے جاتے
لطیف وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ بہت گریہ زاری کرتے اور صاحب مزار سے
کئی بار مشرف و فیضیاب ہوتے۔

شانِ درویش

آپ کے پاس جو کچھ بھی ہر قسم جنس نقدی وغیرہ ہوتا وہ غرباء و مساکین کو عطا کر دیتے تھے۔ آپ کھانا اپنے دوستوں کے ساتھ کھاتے مہمانوں کی شمولیت کے بغیر کھانا بھی نہیں کھایا۔ آپ نے اپنی آسائش کے لئے مکان تک نہ بنایا۔ جو کچھ بھی آتا تھا وہ فوراً فقراء و مساکین اور مہمانوں کے مصارف میں صرف کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت تک آپ کا کوئی ترکہ نہ تھا لیکن جو کچھ تھا وہ خواجگان چشت اہل بہشت کے لنگر کے لئے جو اعراس مبارکہ کے موقع پر خرچ کیا جاتا ہے۔ آپ کا ہر عمل شریعت وطریقت کے عین مطابق ہوتا تھا۔ احکام الٰہی کی بڑے اہتمام سے اطاعت کیا کرتے تھے۔

رُوحانی تصرف

حضرت قطب الاقطاب قبلہ میاں محمد شاہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی تصرف اس قدر بلند تھا کہ سائل کے ارادہ باطنی سے مطلع ہو جایا کرتے تھے۔ اور فوراً سائل کو یاد دلا کر سالوں کے بعد ظہور پذیر ہونے والے واقعات اپنے مریدوں پر منکشف فرما دیا کرتے تھے۔ ۱۹۰۴ء میں ضلع کانگڑہ میں شدید زلزلہ آیا۔ زلزلہ کی ہولناکی اور اس کی لپیٹ ایسی زبردست تھی کہ کل پنجاب لرز گیا تھا۔ حضرت خواجہ میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

ایک مخلص مرید منشی عالمگیر ہوشیارپوری سے ایک روز فرمایا کہ عالمگیر تمہاری ہمشیرہ جو پالم پور کانگڑہ میں رہتی ہے۔ ان کو یہ تعویذ بھیج دو۔ وہ اپنی چارپائی کے ایک پائے میں باندھ لے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خطہ ارضی پر کسی آفت سماوی کا نزول ہونے والا ہے۔ حضرت کے ارشاد گرامی پر عمل کیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد شدید زلزلہ آیا اور پالم پور کی تمام آبادی متاثر ہوئی مالی وجانی نقصان ہوا مگر وہی گھر کے لوگ محفوظ وماموں رہے جن کے گھر میں حضور قبلہ میاں صاحب کا عطا کردہ تعویذ تھا۔

زمین ملے گی

شیخ غلام محمد خانپوری کے مکان پہ دعوت کا اہتمام تھا۔ وہاں کھانے کی فراغت کے بعد والدہ شیخ غلام محمد جو کہ حضور میاں صاحب کی مریدنی تھی سے فرمایا کہ غلام محمد کو زمین ملے گی۔ ان کی والدہ نے عرض کیا حضور ہم غریبوں کو کون زمین دے گا۔ زمین اور مربع تو ان لوگوں کو ملتے ہیں جو امیر کبیر ہوں اور جن کا اثر رسوخ کافی ہو۔ جبکہ ہمارے بظاہر کوئی اسباب نہیں ہیں تو زمین کیسے ملے گی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ آئندہ سال پھر حضرت ان کے گھر تشریف لائے۔ اسی کمرہ میں دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ ان کو یاد دہانی کراتے فرمایا کہ انشاءاللہ عنقریب آپ کو زمین مل جائے گی۔ حضرت میاں صاحب کے فرمان کے مطابق جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں جس کو بار کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ جنگل بیابان کی آبادکاری ہونے لگی تو انگریزی حکومت نے زمین تقسیم کرنا شروع کی۔ تو شیخ غلام محمد کے ایک عزیز تحصیلدار تھے جن کا نام مولوی محمد جان ہوشیارپوری تھا۔ مولوی صاحب گھر آئے تو اپنے بھائی شیخ غلام محمد سے کہا کہ ایک درخواست لکھ دو میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو زمین مل جائے۔ درخواست لیکر جب انگریز کے پاس گئے تو بغیر تحقیق کے انگریز نے یہ حکم لکھا کہ شیخ غلام محمد خانپوری کو چار مربع

اراضی دیئے جائیں۔ یہ مربع زمین ابھی تک شیخ غلام محمد خانپوری کی اولاد کی ملکیت ہے

درویشوں کا امتحان

فروغ محمدی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضور میاں صاحب علیہ الرحمۃ اندور شہر میں مقیم تھے کہ دو آدمی آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ درویش لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں انہوں نے درویشی کو ذریعہ آمدن بنا رکھا ہے۔ دونوں شخص مشورہ کر کے کہنے لگے کہ چلو اس درویش کا امتحان لیں جو اندور میں آئے ہوئے ہیں اور ان کو دیکھیں کہ کیا ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں بدعقیدہ اشخاص اس حجرے کے قریب آتے۔ جہاں حضور میاں صاحب قیام پذیر تھے۔ حجرہ کے باہر ایک پہلوان نامی خادم سے پوچھا کہ وہ درویش کہاں ہیں۔ خادم نے بتایا کہ اندر حجرہ میں ہیں۔ جب ایک شخص حجرہ کے اندر داخل ہوا تو وہ چیخیں مارتا ہوا واپس آیا تو بتایا کہ اندر حجرہ میں تو ایک بہت بڑا شیر بیٹھا ہے۔

دربان نے کہا کہ اللہ کے بندے کیا کہتا ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے کہ حضور میاں صاحب کو اندر چھوڑ کر آیا ہوں۔ شیر کہاں سے آیا۔ دربان اس آدمی کو جسے شیر نظر آیا تھا ساتھ لے کر اندر گیا کیا دیکھتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر دونوں اشخاص جو امتحان لینے آئے تھے حضرت کے قدموں پر گر پڑے ہمیشہ کے لئے تو بہ تائب ہو کر اولیاء اللہ میں شمار ہوئے۔ آپ استقامت کے عظیم مینار تھے آپ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ آپ کا ہر مرید ولی اللہ ہو گزرا ہے۔ جن میں سے چند ایک کے اسماء گرامی درج ذیل کا ذکر آگے کیا جائیگا

ولایت میں کامل

حضرت مولانا بدر الدین اسحاق (مرید و خلیفہ و داماد حضور سیدنا بابا فرید الدین گنجشکر رضی اللہ عنہ) رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر ایک

محفل سماع منعقد ہوئی۔ حضور میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی حسن اتفاق سے حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ چشتی قادری گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی محفل میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے ایک عربی کی نعت شریف پڑھی تو اس وقت قبلہ عالم وجد میں آ گئے۔ محفل سماع جب ختم ہوئی تو پیر مہر علی شاہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور میاں صاحب نے تو عربی پڑھی نہیں وہ عربی نعت شریف پر کیف و وجد میں آ گئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان پہ یہ کیف طاری ہو۔ قبلہ مہر علی شاہؒ نے فرمایا کہ جو لوگ ولایت میں مردِ کامل ہوتے ہیں۔ وہ دُنیا کی مروجہ تمام زبانوں سے اور علوم سے واقف ہوتے ہیں۔ حضرت میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب اور ولایت میں کامل ہیں۔

تعمیر مسجد شاہ نور جمالؒ

ہوشیار پور سے کوہِ شوالک میں سات کوس کے فاصلہ پر جانب مشرق پہاڑی علاقہ شروع ہوتا ہے۔ وہاں ایک مزار حضرت شاہ نور جمال مرید و خلیفہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ نے ان کے ذریعہ وادی کوہ شوالک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت فرمائی۔ ان پہاڑی علاقوں میں کفّار کثرت سے تھے۔ یہاں ایک ہندو جوگی فقیر نے اس خطہ پر اپنا سکّہ جما رکھا تھا۔ حضرت شاہ نور جمال رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری پر وہاں کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے اور بکثرت لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے تو اس ہندو جوگی کو بہت غصّہ آیا۔ چنانچہ جوگی نے حضرت شاہ نور جمال سے مناظرہ کیا اور آخر میں جوگی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ آپ نے یہاں رہ کر دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بھرپور جدوجہد کی۔ حضرت شاہ نور جمال رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ مزار شریف پر حاضری دینے کے لئے ایک سو پچاس سیڑھیاں گذر کر جانا پڑتا ہے۔

یہ سیڑھیاں بہت خوبصورت کشادہ پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ سیڑھیاں نواب شیخ غلام محی الدین گورنر کشمیر نے بنوائی تھیں۔ ہر سال مارچ کے مہینہ میں عرس مبارک ہوتا ہے۔ ہزارہا لوگ عرس مبارک میں حاضری دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ میاں محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ نور جمال چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے بالکل متصل ایک خوبصورت پتھروں کی مسجد تعمیر کرائی تھی۔ حضرت میاں محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسجد کا نام مسجد شاہ نور جمال رکھا۔ آپ ہمیشہ اس مسجد میں قیام فرماتے اور عبادت و ریاضت محفل ذکر فکر کے مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ آستانہ شریف پر محفل سماع بھی منعقد ہوتی۔ آج تک اس مسجدِ آستانہ کی شان و شوکت قائم ہے۔

عرسِ فرید پر حاضری

حضرت خواجہ میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہر سال حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ، کے عرس مبارک پر باقاعدہ حاضر ہوتے تھے۔ عرس مبارک کی تمام تقریبات کا انتظام و انصرام حضرت قبلہ عالم میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے تھے۔ ہر کام میں دلچسپی لیتے تھے۔ آستانہ عالیہ شریف کی تعمیر و ترقی پر خصوصاً مزارات مقدسہ، جامع مسجد کی تعمیر، تمام حجرہ وغیرہ آپ نے ہی تعمیر کرائے تھے۔ گویا کہ موجودہ آستانہ کی شکل قطب الاقطاب حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بنایا ہوا خاکہ ہے۔ (آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خاص دلچسپی رکھی تھی۔ آستانہ عالیہ کا تمام فرش، جامع مسجد کا برآمدہ، صحن اور مسجد موج دریا کی تعمیر نو کے علاوہ پاکپتن حضرت سیدنا خواجہ عزیز مکی رضی اللہ عنہ کا دربار اور مسجد آپ نے ہی تعمیر کروائی تھی) زائرین بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت کو اہمیت دیتے تھے۔

آپ فرماتے کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدسہ کی حاضری روحانی مدارج کی ترقی کا باعث اور برکات خداوندی کا موجب ہوتی ہے۔ آپ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حُسن خلق، انسانی ہمدردی، جذبہ اخوت ومحبت اور استقامت وجرآت کا مظہر تھے۔

نماز معکوس تبرکات

بسی نو شریف جہاں آپ کا مزار شریف ہے۔ ایک آموں کے باغ میں واقعہ ہے۔ آپ نے خود یہ حجرہ تعمیر کرایا تھا۔ اس حجرہ میں آپ نے چالیس سال تک قیام فرمایا۔ اسی حجرہ میں آپ نے بھی حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں نماز معکوس ادا فرمائی۔ چھت پر رسّی باندھ کر الٹا لٹک جاتے اور نماز معکوس ادا کرتے۔ ••• زرت کا زیادہ وقت اسی حجرہ میں گزرتا تھا۔ حضور میاں علی محمد خاں صاحب فرماتے کہ جو تبرکات خواجگان چشت سے ملے تھے ان کی برکت سے ۱۹۴۷ء کو بسی شریف میں کوئی فساد، مالی وجانی نقصان نہ ہوا تھا۔ آپ نے چالیس سال تک اسی حجرہ مقدسہ میں رہ کر دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ کی تعلیمات کا درس دیتے رہے۔ آپ کی دینی ملّی خدمات مسلک حق اہلسنت وجماعت پر تلقین وتدریس فرماتے رہے۔ آپ کے لاکھوں مریدین تھے۔ بسی شریف میں عرس مبارک کی تقریبات کا نظام مثالی ہوتا تھا آج بھی ان تمام اعراس بزرگان چشت اہلِ بہشت کو سجادہ نشین حضرت میاں محمود احمد خاں کی سرپرستی میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

وصال مبارک

وصال سے قبل آپ کو بخار کا عارضہ ہوا۔ لیکن باوجود علاج کے صحّت نہ ہو سکی۔ جب ہفتہ عشرہ زیست باقی تھی کہ آپ کو اسہال کا عارضہ ہوا کہ اس قدر کمزوری ہوئی کہ اس کے باوجود آپ باوضو رہتے تھے۔ مرض کی طوالت اور تکلیف دہ حملوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

آخر ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۵ مئی ۱۹۱۴ء بروز جمعۃ المبارک آپ نے بمقام بسی شریف ہوشیارپور (بھارت) میں وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ۔

۴۰ سال تک آپ کا قیام بسی شریف میں رہا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ میاں علی محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ وجانشین ہوئے۔ آپ نے واقعی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

مریدین و خلفاء

ویسے تو آپ کے بے شمار خلفاء ہیں مگر چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ حضرت مولانا سیّد برکت علی شاہ گیلانی کھلچیاں ضلع امرتسر میں تشریف رکھتے تھے
آپ کا سال ولادت دوشنبہ ربیع الاوّل ۱۲۹۲ھ اور سال وصال ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ ہے۔ آپ کا مدفن کھلچیاں ضلع امرتسر بھارت میں ہے
آپ کے حالات زندگی حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب لاہور نے ایک رسالہ "اذکار جمیل" کے نام سے لکھا تھا جو چھپ چکا ہے لیکن نایاب ہے میں موجود ہیں

۲۔ حضرت خواجہ سائیں سہرے شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ آپ سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ سائیں توکل شاہ کی طرح اُمّی تھے۔ نہایت رقیق القلب، مہمان اور غریبوں کے بڑے پیر مشہور تھے۔ آپ کا مزار شریف چک ۹۱ الف جنوبی ضلع سرگودھا میں ہے۔ (اذکار جمیل از حکیم محمد موسیٰ امرتسری لاہور)

۳۔ عارف ربّانی حضرت مولانا مولوی دین محمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ بڑے متقی پرہیزگار شب زندہ دار تھے۔ آپ کو حضور فرید العصر میاں علی محمد خان چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ آپ نہایت غریبوں کے ہمدرد پیر ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہتے تھے۔ آپ کے حالات نہیں ملتے۔ آپ کا وصال وہاں بسی شریف میں ہوا۔ مزار حضرت خواجہ میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہوشیارپوری کے قریب ہے۔

۴۔ حضرت مولانا خواجہ میاں عمر دین صاحب چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ قوم کے اعوان تھے۔ مرشد کے ہمراہ سترہ سال تک ہم سفر رہے۔ دہلی۔ اجمیر شریف۔ پاکپتن شریف۔ اندور۔ باریاں دھار۔ قلعہ مانڈو۔ فیروزپور۔ جگراؤں۔ جالندھر۔ لدھیانہ۔ جے پور۔ لاہور۔ قصور۔ پیران پٹن بنگال۔ دیوان کھیڑہ

ڈیرہ دون۔ تونسہ شریف کے سفر میں بھی پیر مرشد کے ساتھ رہے۔ ایک مرتبہ اپنے مرشد کے ہمراہ تونسہ شریف پا پیادہ پہنچے۔ کچھ عرصہ قیام کر کے پھر پیدل سفر پاکپتن شریف آئے۔ اتنے چلے کہ پاؤں میں زخم ہو گئے۔ دربار فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ پاکپتن شریف میں برزخ نظامی کی تعمیر حضرت میاں محمد شاہ نے اپنی نگرانی میں کرائی اور اس میں آپ نے مزدور کی حیثیت سے اس عمارت میں کام کیا۔ عمارت کی تکمیل تک خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک بیٹی تھی جو صاحب اولاد ہے۔ آپ منور پور شریف میں پیدا ہوئے وہاں ہی وصال فرمایا۔ مزار مرجع خلائق ہے۔ (تذکرہ فرید العصر ص۱۷)

۵۔ حضرت مولانا حافظ محمد تسلیم الدین تسلیم جے پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے تیس دن میں قرآن حفظ کیا۔ تفسیر بیان القرآن اور کشف فیوض مشہور تصانیف ہیں۔ نوجوانی کے عالم میں وفات پائی۔ مزار جے پور میں مرجع خلائق ہے۔

۶۔ حضرت مولانا حکیم فتح دین صاحب چشتی نظامی رعیوی رعیہ ضلع امرتسر

۷۔ حضرت خواجہ محمد اسحاق چشتی دہلوی مدفون کراچی

۸۔ حضرت خواجہ میاں غلام رسول صاحب چشتی برادر دیوان سید محمد چشتی پاکپتن شریف

۹۔ حضرت خواجہ میاں حسن محمد صاحب برادر دیوان سید محمد چشتی پاکپتن شریف

۱۰۔ حضرت میاں شیر محمد خالصانہ چشتی نظامی بمقام پلپل خالصانہ ضلع بہاولنگر۔

۱۱۔ حضرت میاں خیر محمد چشتی نظامی خالصانہ بمقام پیپل خالصانہ ضلع بہاولنگر

۱۲۔ حضرت میاں خان علی اکبر خاں چشتی نظامی بسی نو ہوشیار پور

۱۳۔ حضرت میاں خدابخش چشتی نظامی قصور

۱۴۔ حضرت شیخ نواب الدین چشتی نظامی چیئرمین مرکزی انجمن محمدیہ کلکتہ

۱۵۔ حضرت خواجہ حافظ غلام محی الدین چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ لاہور

۱۶۔ حضرت میاں محمد عمر خان رحمۃ اللہ علیہ بسی شریف ہوشیار پور

(والد ماجد حضرت خواجہ میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ)

۱۷۔ قطب الوقت فرید العصر شیخ المشائخ حضرت خواجہ میاں علی محمد خان سجادہ نشین بسی شریف کے ذریعہ سے۔ آپ کا سلسلہ عروج پر ہوا جس نے شہرت دوام حاصل کی۔

نوٹ: حضرت میاں محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و خلفاء پر تفصیلاً کتاب بعد میں آئے گی۔

(سائیں نذیر فریدی)

یا اللہ جل جلالہٗ

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نقل لوحِ مزار شریف

قطعہ تاریخ وفات

حضرت خواجہ میاں محمد شاہ چشتی نظامی فخری قدس سرہٗ

بسی نو ہوشیار پور

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۱۴ء

بروز جمعۃ المبارک

از جہان اخت زندگی بربست
حق نگر، حق شناس، حق آگاہ

جلوۂ ذات حاصل وصلش
منزل او ببارگاہِ الٰہ

سالِ تاریخ او بگفت حفیظ
پیر و خواجہ میاں محمد شاہ
۱۳۳۲ھ

جلوہ گاہ چراغ پنجاب است
مرقدِ او نبزدِ اہل نگاہ
۱۳۳۲ھ

از حفیظ ہوشیارپوری

قطب الاقطاب حضرت خواجہ میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب

حضرت میاں دولت خان آف کانستان ہوشیار پور

- بیٹا: خان پائندہ خان
- بیٹا: میاں خان احمد خان
- بیٹا: حضرت خواجہ میاں محمد خان المعروف میاں محمد شاہ
  - دختر: زوجہ حضرت میاں محمد عمر خان
    - حضرت خواجہ میاں علی محمد خان آف ڈیہی شریف
      - دختر: زوجہ خان میاں محمد اسماعیل خان
        - صاحبزادہ الحاج میاں محمود احمد خان سجادہ نشین فرید العصر
          - صاحبزادہ میاں داؤد احمد خان
        - الحاج پروفیسر میاں مسعود احمد خان
        - دختر: زوجہ تنویر احمد خان
      - دختر: فوت شدہ
      - دختر: زوجہ میاں بشیر احمد خان
        - صاحبزادہ تنویر احمد خان
        - دختر: زوجہ محمود احمد خان
        - دختر: زوجہ مسعود احمد خان
        - دختر
    - خان محمد حسین خان
  - دختر: زوجہ خان علی محمد خان
    - خان محمد شفیع خان
      - دختر: زوجہ عبد المجتبیٰ خان
      - دختر: زوجہ محمد اکرم خان
      - دختر مجذوبہ
      - پیر میاں محمد اجمل خان
      - خان محمد اسلم خان
      - محمد جمیل خان
      - ضیاء الدین خان
      - محمد امین خان
- دختر

قطب الوقت فرید العصر
حضرت الحاج میاں علی محمد خان چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نسب و ولادت

حضرت خواجہ میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ایک ادارہ طریقت و درس گاہِ تصوف تھی۔ اور آپ ہدایت کے نور تھے۔ آپ ۱۲۹۹ھ بمطابق ۱۸۸۱ء میں بمقام بسی عمر خان[1] متصل ہریانہ ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام حضرت میاں عمر خان رحمۃ اللہ علیہ تھا جنہوں نے ۱۳۳۵ھ میں رحلت فرمائی۔ میاں عمر خان ایک بلند پایہ فاضل درویش طبع زمیندار تھے۔ آپ شاعری بھی کیا کرتے تھے۔ پٹھان خاندان سے تعلق تھا اور صاحبِ تصنیف بھی تھے۔[2,3] "یادِ پیر" اور تہذیب دھرم (در ردِ ہنود) آپ کی دو علمی یادگاریں ہیں۔ ان کے علاوہ ایک عظیم یادگار جو سب سے بھاری اور اہم ہے۔ ہزاروں انسانوں پر فوقیت رکھتی ہے اور لاکھوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ وہ یادگار فرید العصر حضرت خواجہ میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا وجودِ مسعود جس کے دل کی روشنی اور بصیرت کے نور نے لوگوں کی تاریکیٔ

---

[1] اسی نسبت سے حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ میاں صاحب بسی شریف والے مشہور ہوئے ہیں۔ یہ بسی نو کے نام سے بھی پکاری جاتی ہے۔ ضلع ہوشیار پور کے دیہات بسی کے نام سے پکارے جاتے ہیں مثلاً بسی داؤد خان، بسی عمر خاں، بسی مودے خان وغیرہ وغیرہ۔ اس کے خلاف ضلع جالندھر کے دیہات بستی کے نام سے پکارے جاتے ہیں مثلاً بستی شیخ درویش چشتی، بستی بابا خیل، بستی دانشمنداں وغیرہ وغیرہ۔ بسی اور بستی کا یہ فرق بیان کیا گیا ہے۔ جالندھر میں میوہ جات کے باغ کی کثرت سے اسے دوآبہ پھل گلابہ کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔

[2,3] یہ دونوں کتابیں اب نایاب ہیں مگر حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ "یادِ پیر" قطب الاقطاب حضرت میاں محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ جو کتاب ۱۹۳۰ء میں دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

بستیوں کو منور فرمایا۔ ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو صراطِ مستقیم دکھائی اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کی دستگیری فرماتے رہے۔ آپ محرم علم لدنی، مستجاب الدعوات بزرگ، برگزیدہ عالم باعمل، ہندوپاکستان کے مسلمانوں کے خضرِ راہ، عارف کامل اور سالک بے بدل تھے۔ آپ ساری زندگی ہزارہا انسانوں کی تالیف قلوب کا سبب بنے رہے۔ آپکی بارگاہ سے عام سے لے کر عالم تک سب فیضیاب ہوتے تھے۔ گویا کہ آپ گمراہی کے اندھیروں میں ہدایت کا نور تھے۔ آپ نے اپنے دَور میں جو رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا تھا اس سے ہزاروں فرزندانِ توحید اور بندگانِ خدا کے دلوں میں شمعٔ ایمان روشن کی۔ آپ کی زندگی کا واحد نصب العین دین اسلام کی سربلندی وسلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ واشاعت اور ترویج تھا۔ اس عظیم شخصیت کے پروان چڑھانے میں آپ کے والد ہی نہیں بلکہ آپ کے نانا جان (جو اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب تھے) نے تعلیم مکمل کرائی تھی۔ حضرت میاں صاحبؒ قبلہ اپنے مقدس نانا کے مرید ہی نہیں مراد بھی تھے۔ نانا جان نے اپنی پیاری بیٹی سے نواسہ کو مانگ لیا تھا۔

تعلیم و تربیّت

حضرت میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ کے مشفق نانا نے آپ کی تعلیم و تربیّت کی طرف توجہ فرمائی۔ عارفِ ربانی حضرت مولانا دین محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآنِ پاک کی تعلیم دلوائی۔ پھر آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے وقت کے عظیم جلیل القدر علماء کے پاس بھیجا گیا۔ مولانا حکیم محمد عبد اللہ جگرانوی اور مولانا مرید احمد خان کے پاس حصولِ تعلیم کے لئے بھیجا۔ آپ بڑے محنتی اور ذہین بھی تھے۔ مشکل اور پیچیدہ مسائل کو آسانی سے حل کر کے اساتذہ کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی روایت کے مطابق میاں صاحب قبلہ نے میٹرک پاس کرنے کے بعد درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے علمِ طب کی تحصیل کے لئے پوری توجہ مبذول فرمائی۔ فنونِ سپہ گری کی تربیت حاصل کی تھی۔ آپ عموماً اپنے ناناجان کے سفرو حضر میں ساتھ رہتے تھے۔ ان کی معیت میں اجمیر شریف، دہلی، جے پور، اندور، قلعہ مانڈو، جگراؤں، فیروزپور، لدھیانہ، جالندھر، لاہور، قصور، تونسہ شریف، جموں وکشمیر، بنگال، پیران دھار، پیران پٹن، دیوان کھیڑا، اور پاکپتن شریف کے اعراس اور مزاراتِ مقدسہ پر حاضری دی۔ اپنے مرشدِ کامل کی خصوصی توجہ کی بدولت سلوک کی منازل کو بہت جلد طے کر دیا تھا۔

مرشد برحق

حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد برحق کا نامِ نامی قطب الاقطاب حضرت میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ان کے والدِ ماجد کا نام حضرت میاں محمد دولت خان رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کے دو بھائی اور بھی تھے۔ جن کا نام میاں محمد پائندہ خان اور میاں احمد خان تھا۔ آپ عالمِ جوانی میں ہی دہلی کے فوجی رسالہ (آرمڈ) میں ملازم ہو گئے۔ دہلی ہی میں مقیم ہوئے مگر جلد ہی اس ملازمت سے اکتا گئے اور مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے چند ہی دنوں میں گوہرِ مقصود کو پا لیا اور حضرت شاہ محب اللہ چشتی نظامی دہلوی قدس سرہٗ سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کر لی۔ حضرت شاہ محب اللہ چشتی دہلویؒ جو کہ اخلاق کے پیکر، اوصافِ کریمہ اور شیریں کلامی کی صفات سے متصف تھے۔ حُسنِ باطنی کے ساتھ ساتھ حُسنِ ظاہری

سے بھی آراستہ تھے۔ حضرت خواجہ میاں محمد شاہ کا سلسلۂ طریقت پانچ واسطوں سے حضرت محب النبی مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ نے مرشد کے فرمان کے مطابق سرکاری ملازمت چھوڑ دی اور اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر لیا۔

حضرت مولانا شاہ محب اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے قبل اپنے مریدین اور عقیدت مندوں کو فرمایا کہ یہ ہمارا عصاء، جانماز اور تسبیح ہمارے مرید میاں محمد شاہ کو دے دینا۔ گویا کہ اپنی خلافت آپ کے حوالے کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ مذکورہ تمام تبرکات آپ کے سپرد کر دیئے گئے۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلوی کے آستانہ پر آپ کی دستار بندی ہوئی اور حضرت شاہ محب اللہ چشتی کا متفقہ طور پر جانشین تسلیم کیا گیا۔ حضرت میاں محمد شاہ قدس سرہٗ نے اشاعتِ اسلام کے لئے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ شمالی ہند میں کفر و شرک کی آلائشوں سے ملوث دل و دماغ دھوئے۔ وہاں کے لوگوں کو حقیقتِ اسلام سے آگاہ کیا اور ان کے سامنے اسلام کے حقائق بیان فرمائے۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے فیوض و برکات حاصل کر کے آسمانِ ہدایت کے درخشندہ ستارے بن گئے۔ آپ کا فیض بے پایاں تھا۔ آپ کے ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں میں بیان کی جاتی ہے۔ خلفاء بھی بے شمار ہیں۔ اس کے علاوہ فرید العصر حضرت الحاج میاں علی محمد خان چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ آپ کے سجادہ نشین بھی ہوئے) کے ذریعے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ کو فروغ حاصل ہوا

بیعت و خلافت: قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت خواجہ میاں

محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸ ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۴ء بروز جمعۃ المبارک کو وصال فرمایا۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے لحاظ سے حضرت خواجہ میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ کو مسند سجادگی سپرد ہوئی۔ میاں صاحب قبلہ کے قریبی حلقہ کے علماء و مشائخ جنہوں نے آپ کو شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کا ایک بحرِ ذخار اور علم و عرفان کا ایک مینار قرار دیا۔ ان چند بزرگوں کے اسماد گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت خواجہ دیوان سید محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا مولوی محمد اکبر بصیر پوری۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب تلونڈی والے۔ مولوی غلام رسول عالم پوری مصنف کتاب "یوسف زلیخا"۔ حضرت مولانا شیخ غلام قادر گرامی ہوشیار پور۔ مشہور ادیب خواجہ حسن نظامی دہلوی اور سینکڑوں علماد و مشائخ جن کے اسماء کا احاطہ کرنا مشکل ہے شامل ہوئے۔

اخلاق و عادات و تعلیمات

حضرت میاں علی محمد خان قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا جو عقیدتمند اور ارادت مند حضرات نذر و نیاز پیش کیا کرتے وہ قبول فرمالیا کرتے تھے اور ان کو محتاجوں، مسکینوں اور مہمانوں کے مصارف میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ حضرت بابا فریدالدین گنجشکر کے عرس مبارک کے موقعہ پر پاکپتن شریف اور دیگر عرسوں پر درویشوں کے کھانے کے اہتمام کا بڑا حصہ آپ کے ذمہ ہی ہوا کرتا تھا۔ کئی شریفوں اور محتاج خاندان کے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی سرپرستی زندگی بھر فرماتے رہے۔ دینِ اسلام کی ترقی اور

اشاعت کے لئے آپ نے کئی مساجد بنوائیں۔ دینی مدارس قائم کئے۔ مدرسہ انوار الفرید غلہ منڈی پاکپتن شریف میں جاری فرمایا۔ حضرت مولانا مولوی محمد اسمٰعیل فریدی مرحوم اور مولانا الحاج محمد شریف فریدی مہاجر مدنی باقاعدہ خدمات انجام دیتے رہے۔ اس مدرسہ میں ابتدا کے پہلے طالب علم حضرت مولانا الحاج ابو النصر منظور احمد شاہ چشتی نظامی بانی و مہتمم جامعہ فریدیہ ساہیوال بھی رہے تھے۔ مدرسہ علویہ عقب جامع مسجد داتا گنج بخش لاہور میں جاری فرمایا جہاں آج درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ قبولہ شریف میں مولانا فیض احمد چشتی نظامی کی نگرانی میں مدرسہ عربیہ فریدیہ کی اعانت فرماتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ فریدیہ رجسٹرڈ ساہیوال کا سنگِ بنیاد رکھا جو آج ملک بھر کی عظیم درس گاہوں میں سے ایک ہے۔ کثیر تعداد میں طالبانِ دین اور تشنگانِ علوم اس منبع علم و حکمت اور چشمہ رشد و ہدایت سے فیض یاب ہو کر اسلامی خدمات میں کوشاں ہیں۔ یہ وہ ادارہ ہے جس نے ضلالت و جہالت کی ظلمتوں اور الحاد و عناد کی تاریکیوں میں سے ہزاروں انسانوں کو نکال کر صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا ہے۔ یہ وہ رحمتِ خداوندی کا ابر باراں ہے جو لوگوں کے دلوں کی خشک زمین کو علم و عرفان کی بارش سے سرسبز و شاداب کر رہا ہے۔ قابلِ دید خوبصورت ایک سو کمروں پر تعمیر دو منزلہ عمارت اور مسجد اولیاء فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ جاذبِ نظر سبزہ زار، چار سو سے زائد بیرونی طلباء کے طعام و قیام کا جامعہ فریدیہ کفیل ہے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تیرہ سال تک مسلسل جامعہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں شمولیت فرماتے رہے حضور میاں صاحب قبلہ کو فصوص الحکم اور مثنوی شریف سے خصوصی دلچسپی تھی۔ جب کبھی کوئی مسئلہ تصوف پیش آتا تو حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ضرور حوالہ پیش فرماتے ۔ آپ مسئلہ وحدت الوجود کے قائل تھے اور ہر کس و ناکس کے سامنے یہ مسئلہ بیان نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے ذی علم احباب اور مریدین کو جو اس مسئلہ کو سمجھنے کی استعداد رکھتے ہوں سے وضاحت کے ساتھ بیان کرتے تھے اور اِس پر محققانہ اور فاضلانہ تبصرہ بھی فرمایا کرتے تھے ورنہ رمز و کنایہ میں بات کرتے ۔ اس بارے میں ایک کتاب "مکتوب" کی شکل میں شائع ہو چکی ہے اور اس مکتوب کو وہی سمجھے گا جو عقلِ سلیم رکھتا ہے [1]

تحقیق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس ضمن میں آپ قطب زماں مقتدائے دوراں فنا فی اللہ باقی باللہ حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے ۔ آپ ایک مکتوب بنام حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں [2]

" مسئلہ وحدت الوجود را شائع پیشِ ہر آشنا و بیگانہ نخواہد بر زبان آورد بلکہ بعضے مریداں کہ استعداد فہم داشتہ باشند بر فرد ایماء باید گفت اگر فہم ایشاں آہستہ قبول کرد زیادہ واقع باید گفت والا ہماں قدر زیادہ است "۔

ترجمہ : مسئلہ وحدت الوجود کو ہر کس و ناکس کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنے دوستوں اور مریدوں کو جو اس مسئلے کو سمجھنے کی استعداد (عقل) رکھتے ہوں ۔ ان کے ساتھ رمز و کنایہ میں بات کرنی چاہیئے ۔ اگر وہ اس بات کو سمجھتے ہوں تو اس کی مزید وضاحت بھی کر دینا چاہیئے ورنہ کنایہ ہی کافی ہے

---

[1] اس کتاب کا پورا نام "مکتوب شرح وحدت الوجود والشہود" تحریر، فرید العصر حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی ہوشیار پوری کی ہے ۔

[2] مکتوباتِ کلیمی (فارسی) مکتوب ۹۶ ، ص۴۷

اس مکتوب کی حیثیت طالبانِ سلوک کے لئے ایک دستور العمل، جو کئی دفعات پر مشتمل ہے کی سی ہے جس پر آپ عمل پیرا ہوئے۔ بقول خواجہ حسن نظامی دہلوی آپ اس دور میں چشتیہ سلسلہ کے قطب تھے۔ آپ لاکھوں انسانوں کے مرشد تھے۔ عمر بھر سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و اشاعت اور خدمت کرتے رہے۔ آپ عابد شب زندہ دار تھے۔ اپنی جدی جائیداد کی آمدنی کا کثیر حصہ خدمتِ خلق کے لئے وقف کر رکھا تھا۔[1]

حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو کتب تصوف سے خصوصی ذوق تھا۔ امام ابوالنصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اللمع" تصوف کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ نے یہ کتاب لندن سے منگوائی تھی۔ اسے مطالعہ کیا اور بارہا مرتبہ پڑھایا اور ہمیشہ زیرِ مطالعہ رکھی۔ حضرت مولانا امام ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "رسالہ قشیریہ" حضرت امام عبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی "طبقات الصوفیہ" سے بھی لگاؤ تھا۔ فارسی میں حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی "کشف المحجوب" اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی دہلوی کی "فوائد الفواد" کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ کثیر علماء و صوفیاء نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ اِن کتبِ تصوف کے علاوہ درس قرآن و حدیث کا اور تعلیماتِ گنجشکر کا بھی سلسلہ رہتا تھا۔ جیّد علماء آپ کی محفل میں بیٹھنے کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ معارف پروری آپ کا شیوہ تھا۔ اکابر شیوخ سے مراسم رکھتے تھے۔

وظائف شریف:۔ حضرت میاں صاحب قبلہ عالم دین، واقفِ رموز

---

[1] رسالہ ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی شمارہ جولائی ۱۹۷۶ء صہ ۴۱ از شیخ سردار محمد ہوشیارپوری

معرفت، ماہرِ اسرارِ تصوف اور عالم باعمل تھے۔ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ سلف صالحین کی یادگار، تقویٰ اور پرہیزگاری کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ حضور میاں صاحب قبلہ اوراد و وظائف میں اپنے شیخ طریقت اور مشائخ چشت کے نقشِ قدم پر تھے۔ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوتے، نوافل پڑھتے رب العزت سے دعاؤں کی قبولیت حاصل کرتے، بعد نمازِ فجر ختم خواجگان پڑھتے، مسبعات عشر و دیگر دعائیں، وظائف، شجرہ مشائخ چشت اور مکمل دلائل الخیرات شریف کی تلاوت دن کے بارہ بجے دوپہر تک کرتے رہتے تھے۔

ذوقِ سماع

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے عظیم بزرگ تھے۔ سماع ان قیود کو ملحوظ رکھ کر سنتے تھے جو مشائخ سلسلہ سے منقول ہیں۔ دورانِ سماع بھی وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ آپ دلائل الخیرات شریف روزانہ مکمل تلاوت کیا کرتے تھے جس سے یہ امر واضح ہے کہ آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر والہانہ عقیدت و محبت تھی اور کس قدر فنا فی الرسول تھے کہ ہر دم محبوبِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پاک وردِ زبان رکھتے۔

تحریکِ پاکستان

حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریکِ پاکستان میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ نے لاکھوں عقیدت مندوں کو پاکستان کی حمایت کے لئے تاکید فرمائی۔ آپ خاموشی سے کام کرنے کے عادی تھے۔ اخبارات میں بیان وغیرہ چھپوانے کو ناپسند فرماتے تھے پھر بھی آپ کا بیان روزنامہ نوائے وقت لاہور اور مختلف اشتہارات کی صورت میں چھپا تھا۔[1] حضرت پیر صاحب مانکی شریف[2]

---

[1] روایت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہفت روزہ الہام بہاولپور
[2] ماہنامہ انوار الفرید ساہیوال ۱۹۷۸ء

سے آپ کی ملاقاتیں عموماً رہتی تھیں اور تحریک پاکستان کی کامیابی کے لئے مشورہ کرتے تھے۔ مولانا شیخ غلام قادر گرامی مرحوم کے آپ سے گہرے مراسم تھے۔ مولانا گرامی صاحب نے آپ کی شان میں متعدد رباعیات کہی ہیں۔ ایک دفعہ حضور میاں صاحب کو دیکھ کر فوراً کہا۔[1]

محرم نکتہ خفی و جلی   جانشین محمد است علی

حضرت میاں صاحب قبلہ ہمیشہ سوشلزم اور اشتراکیت کی مخالفت کرتے رہے لوگوں کو غیر اسلامی نظام سے نفرت کا درس دیتے۔ سیاست کی وادی سے نابلد ہونے کے باوجود اسلام کے حوالوں سے مختلف موقعوں پہ اپنے مریدین اور عقیدت مندوں کو سیدھی راہ دکھلاتے رہے۔

تالیفات آپ کی تالیفات میں سے پہلا رسالہ "راہِ فردا"[2] ہے۔ اس کتاب کا اصل موضوع حضرت مولانا غلام قادر گرامی مرحوم کی وہ منقبت ہے جو انہوں نے سلطان الہند عطائے رسول خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں رقم فرمائی اور اس کی شرح فارسی نثر "راہِ فردا" کے نام سے حضرت زبدۃ العصر قبلہ میاں صاحب نے کی۔ یہ شرح مولانا گرامی نے اپنے اردو مقدمہ کے ساتھ امرتسر سے چھپوائی۔ مولانا گرامی صاحب اس بلند پایہ عارفانہ شرح کے متعلق لکھتے ہیں۔ اس قصیدہ کی شرح سرخیل عارفاں حضرت خواجہ میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین بسی شریف ہوشیار پوری نے لکھی ہے۔ سبحان اللہ! بہت اعلیٰ درجہ کی شرح لکھی ہے۔ حضرت میاں علی محمد خان صاحب محرم علم لدنی ہیں۔ لاجواب شرح لکھی ہے

---

[1] آپ کا اسم گرامی شیخ غلام قادر گرامی جالندھری ہے۔ دیوانِ گرامی آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ [2] اسی منقبت کو قصیدہ کے نام سے بھی تحریر کیا گیا ہے۔ راہِ فردا اشاعت سوم پاک پتن شریف۔

ہیں اس کو شائع کر رہا ہوں۔ آغاز کتاب میں مولانا گرامی کا مختصر سا مقدمہ ہے
جس میں حضرت میاں صاحب قبلہ کے فضائل کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس
مقدمے پر ناشر کا حاشیہ بھی ہے جو مولانا گرامی حضرت میاں صاحب قبلہ اور
منقبت مذکورہ کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس کے دو صفحات پر مولانا گرامی کی تیرہ
رباعیاں ہیں جو تصوف اور خواجگان چشت اہلِ بہشت وغیرھم (رحمۃ اللہ علیہم)
کی مدح پر مشتمل ہیں۔ پھر دو صفحات پر دیباچہ (طبع دوم سوم) بزبان عربی معہ
اردو ترجمہ ہے جو آیاتِ قرآنی پر مشتمل ہے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ اپنے قلم
سے "امابعد" کے عنوان سے ایک مختصر تمہید ہے جس میں مصنف نے مع اعتراف
عجز بیان فرمائی ہے۔ جو لوگ فلسفہ و تصوف سے ذوق رکھتے ہوں اور ساتھ ہی
علمی لحاظ سے بھی متبحر ہوں ان کے لئے یہ تحریر خضرِ راہ ہے۔ آپ کی دوسری
کاوش تفسیر سورہ نٓ والقلم فی فضائل سید العرب والعجم المعروف "میلاد نامہ"
یہ سورۃ القلم کی عارفانہ تفسیر ہے جسے سب سے پہلے امرتسر سے جناب حکیم
غلام قادر مرحوم خلف الرشید حضرت فخر الاطبا، حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری
نے طبع کرایا تھا۔ بعد میں دوسری بار پاکپتن شریف سے حضور میاں صاحب
قبلہ نے شائع کرایا۔ تیسری بار سائیں نذیر حسین فریدی نے ۱۹۸۳ء میں لاہور سے
طبع کرائی۔ تیسرا رسالہ "مکتوب در مسئلہ وحدۃ الوجود" ہے۔ آپ نے حضرت
علامہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک توحید وجودی اور حضرت امام
ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ شہود پر بحث فرمائی ہے اور چند
علماء حاضرہ کے اعتراضات کے مدلل جوابات بصورت مراسلات مرحمت فرمائے
ہیں۔ ان اعتراضات کی رد میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

حضور میاں صاحب قبلہ کے تمام رسائل اکٹھے کر کے شائع کرنے
کا اہتمام بھی کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ (سائیں نذیر فریدی)

بحوالہ کشف المحجوب اور حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ ارشادات بھی تحریر فرمائے ہیں۔[1]

وصال شریف و مزار مبارک

فرید العصر حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین بسی نو شریف ہوشیار پور (بھارت) ثم لاہوری و پاکپتنی ۱۵ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ بمطابق ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء بروز منگل کی شام کو بمقام لاہور اپنے لاکھوں عقیدت مندوں اور ارادت کیشوں کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جوں ہی آپ واصل باللہ ہوئے ریڈیو پاکستان و اخبارات نے یہ خبر شائع کی۔ ہزاروں عقیدتمند آہ و فغاں کرتے ہوئے اپنے محسن آقائے نعمت کے آخری دیدار کے لئے دیوانہ وار پاکپتن شریف پہنچنے شروع ہو گئے۔ آپ کے جسد اطہر کو رات کے پچھلے حصہ میں ہی آپ کے گھر (واقع کوٹھی حضرت میاں صاحب بسی شریف) پاکپتن شریف لے آئے۔ ایک ہجوم دیدار کے لئے بے چین تھا جن کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ ایک عظیم کہرام برپا تھا۔ غسل کی تیاری شروع کی گئی اور یہ سعادت سائیں رحمت علی فیصل آبادی، میاں نیاز محمد خان فیصل آبادی اور حاجی فضل اللہ صاحب کے حصہ میں آئی۔ آپ کے نواسے حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد خان صاحب نے نگرانی فرمائی، معاونت ابو النصر حضرت مولانا منظور احمد شاہ صاحب نے کی۔ غسل کے بعد نئے حاضرین کے لئے زیارت کا اہتمام کیا گیا۔ بدھ کے روز ۳ بجے بعد از نماز ظہر خانقاہ قطب الاقطاب شیخ الاسلام والمسلمین زہد الانبیاء حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ میں

---

[1] ۔

نماز جنازہ ادا کی گئی ۔ نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت آپ کے مرید حضرت مولانا
الحاج ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب کے حصہ میں آئی ۔ بیان کرتے ہیں کہ نماز
جنازہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد تقریباً ستر ہزار سے کم نہ تھی بلکہ اس سے
بھی زیادہ بتائی جاتی ہے ۔ حضرت میاں صاحب قبلہ کو آپ کے حکم ارشاد کے
مطابق حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ میں آخری آرام گاہ
کی جس مقام پر آپ عموماً نشست فرمایا کرتے تھے ۔ جناب حضرت دیوان غلام
قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار عالیہ پاکپتن شریف ، آپ
کے صاحبزادگان اور آپ کے ہزاروں عقیدت مندوں نے اپنے آقائے نعمت
کو آہوں ، سسکیوں اور آنسوؤں کے ساتھ لحد شریف میں اتارا اور سپردِ خاک کیا
حضرت بابا صاحب کے قدموں میں بالآخر محو خواب ابدی ہو گئے ۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اولادِ امجاد

حضور میاں صاحب قبلہ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی ۔ آپ
کے ہاں تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں ۔ دو صاحبِ اولاد ہیں
اور ایک شادی ہونے کے بعد وفات پا گئی تھیں ۔ ایک صاحبزادی کے لختِ
جگر حضرت صاحبزادہ میاں تنویر احمد خان ، دوسری کے دو صاحبزادے ہیں ۔
حضرت صاحبزادہ پروفیسر میاں مسعود احمد خان ایم اے ، پی ایچ ڈی اور دوسرے
الحاج میاں محمود احمد خان صاحب خدا کے فضل و کرم سے تینوں صاحبِ اقبال
و اقتدار ہیں (سلمہم اللہ تعالیٰ) ۔ ۵ رمارچ ۱۹۷۵ء کو حضرت میاں صاحب قبلہ
کے بڑے نواسے حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد خان کو دستارِ سجادگی بندھوائی
گئی ۔ یہ مقدس تقریب حضرت الحاج دیوان غلام قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائی ۔ آپ کے سالانہ عرس مبارک کی رسم ۱۵ ر محرم

کو بمقام پاکپتن شریف درگاہ فلک پائے گاہ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ میں جہاں آپ کا
مزارِ پُر انوار ہے ادا کی جاتی ہے ۔ عرس کے ایام کے علاوہ مزار شریف پر ہر جمعرات
کو ہزاروں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں اور ہر وقت خاصی رونق رہتی ہے ۔
مقامی لوگ اور دیگر اصلاع کے سائل ٹوٹے ہوئے دل لے کر آتے ہیں اور مرادوں
سے بھری ہوئی جھولیوں کے ساتھ واپس جاتے ہیں ۔ غرضیکہ عشق و سلوک، عقیدت
و محبت ، عبادت و ریاضت کی محفلیں نظر آتی ہیں ۔ عرس کے موقع پر محافلِ ذکر،
ہدیۂ نعت شریف و منقبت اور محفلِ سماع کے ساتھ محفل اختتام پذیر ہوتی ہے
جس میں آپ کے عقیدت مند جوش و جذبہ اور سرمستی کے عالم میں شریک ہوتے
ہیں اور خانقاہ کے تقدس ، عظمت و شوکت بحد امکان اجاگر کرنے میں کوشاں
رہتے ہیں ۔ ہر جگہ نورانیت دکھائی دیتی ہے ۔ فقراء و مساکین و زائرین کو کھانا
دیا جاتا ہے ۔ مسافروں کی خدمت کی جاتی ہے ۔ غرضیکہ بلا تردد یہ کہا جا سکتا
ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی ایک ادارۂ طریقت اور درسگاہِ تصوف تھی اور
اب ان کا مزارِ مبارک مرکزِ تجلیِ انوار ہے ۔

رحمۃُ اللہِ رحمۃً واسعۃً ۔

راقم میاں اخلاق احمد ایم اے ۳۲۳ شاد باغ لاہور

۳۰ جون ۱۹۸۶ء

کتابیات

اس تذکرہ کی تدوین و تالیف میں درج ذیل کتب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے:

(۱) خزینۃ الاصفیاء جلد اول و دوم از مفتی غلام سرور
(۲) حدیقۃ الاولیاء از مفتی غلام سرور
(۳) اخبار الاخیار از مولانا عبدالحق محدث دہلوی
(۴) سفینۃ الاولیاء از شہزادہ دارا شکوہ
(۵) تاریخ ہندوستان از خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی
(۶) نفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامی
(۷) گلزار ابرار از محمد غوثی شطاری مانڈوی
(۸) معارج الولایت (قلمی نسخہ) از عبداللہ خویشگی پنجاب یونیورسٹی لاہور۔
(۹) عمدۃ التواریخ از سوہن لال سوری۔
(۱۰) انوار اصفیاء (شیخ غلام علی کتب فروش لاہور)
(۱۱) تذکرہ علماء حق از اعجاز احمد خان سنگھانوی ایم اے
(۱۲) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان از مرزا احمد اختر دہلوی۔
(۱۳) تاریخ مشائخ چشت از جناب علامہ خلیق احمد نظامی صاحب
(۱۴) خلاصۃ تواریخ مشائخ چشت از مولا بخش چشتی نظامی

(۱۵) حدیقۃ الاخبار ترجمہ گلشن اردو ملفوظات حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ مولفہ خواجہ امام بخش (صدیقیہ پریس ملتان ۱۹۵۰)

(۱۶) سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ مولفہ وحید احمد مسعود۔ ۱۹۶۵ء کراچی۔

(۱۷) ملفوظات وحالات شاہ فخرالدین دہلی اردو ترجمہ فخرالطالبین و مناقب فخریہ میر نذر علی درد کاکوری، سلمان اکیڈیمی کراچی ۱۹۷۱ء

(۱۸) مناقب فخریہ (فارسی) غازی الدین خان نظام

(۱۹) فخرالطالبین (فارسی) سید نورالدین حسینی فخری

(۲۰) جواہر فریدی از اصغر علی چشتی

(۲۱) خیرالمجالس از مولانا حمید قلندرؒ

(۲۲) راحت القلوب (قلمی نسخہ) پنجاب یونیورسٹی دیال سنگھ سٹریٹ لائبریری لاہور

(۲۳) سیرالعارفین از مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی

(۲۴) سیرالاولیاء از امیر خورد

(۲۵) تکملہ سیرالاولیاء از گل محمد احمد پوری

(۲۶) مناقب المحبوبین از حاجی نجم الدین

(۲۷) لائف اینڈ ٹائمز حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

(۲۸) سیرالاقطاب از صوفی اللہ دیا چشتی

(۲۹) انوارالفریدالمعروف بہ تاریخ فریدی از سید مسلم نظامی دہلوی۔

(۳۰) چشتی تعلیمات۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی دہلوی

(۳۱) ضمیمہ کتاب آداب الطالبین از محمد عبدالحمید چشتی سلمانیؒ

(۳۲) مجالس کلیمی از محمد کامگار خانؒ (مخطوطہ) حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری حاجی محمد ارشد المعارف لاہور۔

(۳۳) آثار الصنادید از سر سید احمد خاں۔
(۳۴) مقالات سر سید احمد خاں مرتبہ مولوی محمد اسماعیل پانی پتی
(۳۵) رسالہ "آستانہ" دہلی مئی ۱۹۵۸ء
(۳۶) مقالات حافظ محمود شیرانی مطبوعہ لاہور
(۳۷) دیوان خواجہ معین الدین نولکشور لکھنؤ
(۳۸) انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ دہلویؒ
(۳۹) مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت (ہشت گنج و ہشت بہشت)
(۴۰) تذکرہ اولیاء اللہ اورنگ آباد (دکن) از میر نذر علی درد کاکوری
(۴۱) مرقع دہلی
(۴۲) مرقع شریف از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی
(۴۳) مکتوبات کلیمی از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی
(۴۴) واقعات دار الحکومت دہلی از مولوی بشیر الدین احمد جلد دوم
(۴۵) یادگار دہلی
(۴۶) تاریخ دہلی از سید احمد ولی اللہی
(۴۷) تذکرۃ الفقراء از مرزا احمد اختر دہلوی
(۴۸) سلسلۃ الذہب از محمد احتشام الدینؒ
(۴۹) نافع السالکین از مولوی امام الدینؒ
(۵۰) خلاصۃ الفوائد از مولوی محمد عمر سید پوریؒ
(۵۱) ملفوظات حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
(۵۲) انوار جمالیہ مولفہ حافظ عبد العزیز پرہارویؒ مجموعہ ملفوظات حضرت حافظ محمد جمال ملتانی

(۵۳) تذکرہ غوثیہ تصنیف مولانا گل حسن شاہؒ

(۵۴) نظام القلوب از حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

(۵۵) تاریخ اولیائے صوبہ دہلی از رکن الدین

(۵۶) مزارات اولیائے دہلی حصہ اوّل

(۵۷) الفرقان، شاہ ولی اللہؒ نمبر

(۵۸) دلی کے بائیس خواجہ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب صاحب

(۵۹) مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ) تصنیف عبدالرحمٰن چشتی صابری۔ فارسی و اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور

(۶۰) فوائد الفوائد فارسی میر حسن دہلویؒ

(۶۱) ملفوظات حضرت خواجہ غلام فریدؒ از مولانا رکن الدین جلد پنجم (فارسی)۔

(۶۲) جوامع الکلم: ملفوظات حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ مرتبہ محمد اکبر حسینی (حیدر آباد)

(۶۳) خاتم سلیمانی، حالات و ملفوظات خواجہ سلیمان تونسویؒ از مولوی اللہ بخش بلوچی

(۶۴) دیوان بہادر شاہ ظفر

(۶۵) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں مولوی ابوالحسنات ندوی

(۶۶) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد چہارم

(۶۷) تاریخی مقالات، از پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب

(۶۸) تعلیمات حضرت نظام الدین اولیاءؒ۔ شائع کردہ شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی بھارت

(۶۹) معارف اعظم گڑھ ماہ مئی ۱۹۷۹ء (بھارت)

(۷۰) آئینہ ملفوظات بابا فریدالدین گنج شکرؒ علامہ اخلاق حسین

(۷۱) شجرہ چشتیہ فریدیہ فخریہ مرتبہ سائیں نذیر حسین فریدی ساہیوال۔

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

یوسف سدیدی لاہور